کمند
ایم اے راحت

میرا نام لبنیٰ غضنفر حسین خاں ہے۔ زیادہ پرانی بات نہیں ہے میرے اور آپ کے درمیان تحریری رشتہ تھا اور میں آپ کی پذیرائی سے سرشار تھی، لیکن پھر یہ رابطے منقطع ہو گئے اور خاصے طویل عرصہ کے بعد پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

مزید کچھ حوالے دوں گی تا کہ تفصیل سے آپ کے ذہن میں آ جاؤں۔ یہ حوالے کچھ کرداروں کے ہیں۔ جیسے انسپکٹر شہر یار یا پھر ایس پی صاحب خاں جس کے بارے میں دنیا جانتی ہے کہ وہ ایک جرم کا اعتراف بیک وقت دس آدمیوں سے کرا لیتا ہے۔ میرا اخبار اور ایک کرائم رپورٹر کی حیثیت سے میری حیثیت، بہر حال اس خوش فہمی کا شکار ہوں کہ آپ مجھے پہچان گئے ہوں گے۔

شہر یار اب بھی میرا دوست ہے، صاحب خاں اسلام آباد ٹرانسفر ہو گئے ہیں ،لوگوں کا خیال تھا کہ میں شہر یار سے شادی کر لوں گی۔ اصل میں ہم دونوں نے ابھی تک اپنے دل کی گہرائیوں میں نہیں جھانکا، مصروفیت وقت ہی نہیں دیتی اور پھر جو زندگی ہم گزار رہے ہیں وہ بڑی اطمینان بخش ہے اس میں کوئی احمقانہ تبدیلی غیر ضروری ہے۔

ویسے تو راؤ غضنفر حسین روہیلہ کے تعلقات ہی بہت ہیں اور ہر جگہ میری مشکل حل ہو جاتی ہے، لیکن بیشتر معاملات میں مجھے شہر یار کی مدد حاصل ہوتی ہے۔

مجھے بڑے بڑے اہم کیسوں کی تفصیل معلوم ہو جاتی ہے، پہلے میں اپنے اخبار کی ضرورت پوری کرتی ہوں بعد میں اس کی تفصیل اپنے طور پر ترتیب دے کر شائع کراتی ہوں۔

شمائل کو میں نے تقریباً چار سال بعد دیکھا ہے۔ اپنی نگاہ کی گہرائیوں کی خود ہی قائل ہوں، کوئی تعریف کرے یا نہ کرے۔ وہ لاکھ ذہین اور شاطر کیوں نہ سہی لیکن چار سال کے بعد بھی یہ صرف میں ہوں جس نے اسے پہچان لیا۔ دوسرے تو پہلے بھی بدترین دھوکے کھا چکے ہیں۔ قدرے موٹی ہوگئی ہے حسن میں اور نکھار آ گیا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ خوشحال زندگی گزار رہی ہے۔ ایسے بھی میں نے اسے پرل میں دیکھا ہے جہاں سے نکل کر وہ ایک شاندار کار میں بیٹھ کر پھر ہوگئی تھی۔

اس کی دلچسپ زندگی ماضی کے بعد کیا ہے اس کی تفصیل بھی میں آپ کو بتاؤں گی۔ ماضی کی کہانی اس کے آبائی شہر فیصل آباد سے شروع ہوتی ہے۔ تعلق تعلیم یافتہ گھرانے سے تھا اور مالی حالات کافی بہتر تھے۔ ماں کا نام زمرد جہاں تھا لوگ اسے زمرد حسین کے نام سے جانتے تھے۔ شمائل نے زیادہ تر تعلیم لاہور میں حاصل کی تھی۔ ماں بیٹی خاصی روشن خیال تھیں اور ماں نے بیٹی کو اجازت دی تھی کہ شریک زندگی کو وہ خود تلاش کر لے ماں کو اعتراض نہیں ہوگا۔ چنانچہ شمائل مستقبل کی کھوج میں کراچی آ گئی۔ حد سے زیادہ خود اعتمادی تھی جس سے فائدہ اٹھا کر اس نے ایک شاندار ملازمت حاصل کر لی اور اپنی حیثیت بناتی چلی گئی۔ بینک کی اس ملازمت سے اسے خوب سفاسائیاں حاصل ہوئی تھیں کیونکہ وہ کیبل ٹرانسفر ڈیپارٹمنٹ کی انچارج بن چکی تھی۔ آفاق حیدر سے اس کی ملاقات ایک مالیاتی مذاکرے میں ہوئی تھی۔ جو سرمایہ کاری کے ایک ادارے کا مالک تھا اور اس کی کمپنی کا اس بینک کے ساتھ اچھا خاصا کاروبار تھا جس میں شمائل کام کرتی تھی۔ نوجوان آفاق حیدر کراچی کے گنے چنے سرمایہ داروں میں سے ایک خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ شمائل اسے بھا گئی، لیکن اس

نے شمائل کو اپنی طرف مثبت نہیں پایا تھا اور یہ بات اس کے لیے خوشگوار نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے یہ چیلنج قبول کر لیا ویسے بھی وہ پینتیس سال کے قریب عمر رکھتا تھا جو بہت سے تجربات حاصل کر چکی ہوتی ہے، چنانچہ اپنے ادارے کی معرفت کئی ملاقاتیں آخر کار شمائل کو اس کی دی ہوئی دعوت میں لے آئی جس میں......دونوں آمنے سامنے تھے۔

''میری نگاہ میں دولت ہی سب کچھ نہیں ہے''۔ آفاق نے ڈنر ٹیبل پر شمائل سے کہا۔ پھر فوراً ہی ہنس کر بولا۔ لیکن خدا کے لیے یہ بات کبھی میرے باپ کے سامنے نے کہنا۔

دونوں ہنس پڑے۔ لیکن شمائل کو یہ ہنستا ہوا آدمی اچانک بڑا اچھا لگا۔ کیسا بلند و بالا قد ہے اور کتنا شفاف چہرہ ہے۔ روشن چمکدار آنکھوں والا یہ شخص اگر اس کی زندگی بھر کا ساتھی بن جائے تو......؟

یہ ممکن تو نہیں ہے۔ اس دوران شمائل کو کاروباری طور پر یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ آفاق حیدر، کروڑ پتی باپ حیدر زمان کا بیٹا ہے اور یہ ایک زبردست خاندان ہے۔ چنانچہ یہ خیال مضحکہ خیز ہے لیکن کوئی چال، کوئی ترکیب۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ گو یہ بچہ خاندان بہت نیک نام تھا یہ لوگ ایک بے داغ ماضی رکھتے تھے اور اپنی روایات کی حفاظت کرتے تھے چنانچہ اگر......شمائل خود بے حد آزاد خیال تھی اور جو خیال اس کے دل میں آیا تھا وہ معمولی خیال نہیں تھا لیکن یہ جانتی تھی کہ زندگی میں خطرات مول لینا ضروری ہوتے ہیں۔ ان دونوں کی ملاقاتوں میں باقاعدگی آ گئی، وہ ہر جگہ ساتھ دیکھے جانے لگے، ہوٹلوں میں ایک ساتھ کھانا کھاتے رفتہ رفتہ وہ ایک دوسرے کے بالکل قریب آ گئے، شمائل نے ایک بار بھی دنیا کی پرواہ نہیں کی بلکہ وہ اپنی اور آفاق حیدر کی قربت کے زیادہ سے زیادہ گواہ بنانا چاہتی تھی اور ایک دن اسے احساس ہوا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔

ایک شام اس نے فیصلہ کیا کہ وہ آفاق کو اس بارے میں بتا دے گی۔ اس

نے ڈنر کے بعد آفاق سے کہا'' آفاق میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔

بتاؤ......؟

آفاق......میں......

بتاؤ شمائل......

میں ماں بننے والی ہوں......

آفاق کچھ دیر اسے دیکھتا رہا ۔پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔ٹھیک ہے۔'' ہم شادی کرلیں گے۔''

شمائل نے آفاق کو دیکھا، پھر دکھ بھرے لہجے میں بولی لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ تم کسی مجبوری کے تحت مجھ سے شادی کرو۔میں تمہاری شخصیت کو..........

''نہیں۔یوں سمجھ لو میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔اور مجھے یقین ہے کہ تم ایک بہت اچھی بیوی ثابت ہوگی۔البتہ میرے والدین کو اس بات پر تعجب ضرور ہو گا۔

وہ آہستہ سے مسکرایا۔

''صرف تعجب یا......

''اصل میں گوریجہ خاندان، صدیوں سے بہت سی روایات کی حفاظت کرتا رہا ہے۔وہ اپنے ہمعصروں میں شادیاں کرتے ہیں۔بلکہ میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔

''میں جانتی ہوں۔شمائل نے کہا۔

کیا جانتی ہو۔

انہوں نے تمہارے لیے ایک رشتہ بھی منتخب کرلیا ہے۔

آفاق نے آگے بڑھ کر شمائل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔اور محبت سے بولا۔اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔اصل انتخاب وہ ہے جو میں نے کیا ہے۔

''آفاق۔میں ......

''میں ۔تم فکر مت کرو، آئندہ جمعہ کو میں ان لوگوں سے تمہاری ملاقات کراؤں گا۔

''اوہ۔شمائل کو واقعی خوف محسوس ہوا تھا۔

جمعہ آنے میں وقت نہ تھا۔آج صبح ہی سے شمائل کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔وہ بڑی محنت سے اپنے کام نمٹا رہی تھی بار بار اسے گوریجہ خاندان کے بزرگوں کا خیال آجاتا اور کانپ جاتی۔آج اسے ان لوگوں کا سامنا کرنا تھا۔

ایک بجے بینک کے وائس پرائیڈنٹ مسٹر ہاشم گورایہ نے اسے کمرے میں بلایا۔وہ اندر پہنچی تو ہاشم نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی اور اس کے بیٹھنے کے بعد بولا۔

آج موسم خاصا خراب ہے۔

''ہاں۔شمائل نے سرسرے انداز میں کہا۔اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ گورایہ کچھ کہنا چاہتا ہے اد یہ الفاظ ایک بے مقصد تمہید کے سوا کچھ نہیں ہیں۔گورایہ نے ایک لمحے توقف کر کے کہا۔

''مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ مسٹر آفاق حیدر سے شادی کر رہی ہیں۔

سر آپ کو کیسے پتہ چلا؟

تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔اہم لوگ بہت دن سے یہ پیش گوئی کر رہے تھے۔ویسے ذاتی طور پر میں اس فیصلے سے بہت خوش ہوں اور آپ دونوں کو مبارک باد دیتا ہوں۔بہت ہی بڑا اور اعلیٰ خاندان ہے۔

''شکریہ مسٹر گورایہ۔

''اس کے ساتھ ہی میں آپ سے درخواست کروں گا کہ ہمیں نہ چھوڑیں اور اپنی باعزت ملازمت جاری رکھیں۔آپ جانتی ہیں کہ بینک آپ کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتا رہا ہے۔

مجھے پتہ ہے اور میں آفاق سے اجازت لے چکی ہوں کہ اپنی یہ ملازمت

جاری رکھوں۔

”کیا وہ راضی ہیں؟

’ہاں۔

”بہت خوب، بڑی خوشی کی خبر ہے“، ہاشم نے مسکراتے ہوئے کہا وہ تو اس بات کا خواہش مند تھا کہ اس ادارے کا سارا اکاؤنٹ اس بینک میں آجائے۔

اس شادی کے بعد بینک آپ کے اعزاز میں ایک تقریب کرے گا اور آپ کو ترقی دی جائے گی یہ بورڈ آف ڈائریکٹر کا فیصلہ ہے جسے میں ذاتی طور پر آپ کو بتا رہا ہوں۔

شمائل کو سچ مچ بے حد خوشی تھی۔ اس نے سوچا وہ بھی یہ خوش خبری وقت سے پہلے ہی آفاق کو سنا دے گی۔ اسے یاد تھا کہ ایک بار پرانی طرز کی ایک حویلی نما مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے کچھ لمحے رک کر یہ مکان دیکھا اور سوچا تھا کہ اس کے مکین بہت امیر لوگ ہوں گے اور کتنے خوش نصیب ہوں گے اور اب اس نے سوچا تھا کہ واقعی تقدیر عجیب چیز ہوتی ہے کبھی کبھی کمال کے کھیل کھیلتی ہے جیسے اس نے اس مکان کو جلدی میں اس کی زندگی کا ایک حصہ بنانے کے انتظامات کر دیئے تھے۔

اس شام جب اس نے اس مکان کے دروازے پر پہنچ کر کال بیل بجائی تو وہ کافی نروس ہو رہی تھی، دروازہ ایک باوردی گارڈ نے کھولا تھا۔

”گڈ ایوننگ میڈیم شمائل۔ اس نے میرا احترام انداز میں سر خم کر کے کیا۔

شمائل کو ایک خوشگوار حیرت کا احساس ہوا، کتنا احترام ہے اس غلام کے انداز میں۔ وہ اس کا نام بھی جانتا ہے اس کا مطلب ہے کہ اس کا نام اس عالی شان مکان میں داخل ہو چکا ہے۔

ملازم اسے لے کر چل پڑا عمارت کا حسن شمائل کو سحر زدہ کر رہا تھا سنگ مرمر کے جس وسیع حال سے وہ گزری وہ ان کے بینک سے کئی گنا بڑا تھا۔ آخر کار وہ آفاق

کے والدین کے سامنے پہنچ گئی۔ حیدر زمان کی عمر پینسٹھ سال کے قریب تھی اس کا چہرہ کھردرا اور سخت گیر نظر آ رہا تھا، اس کی بیوی چھوٹے قد اور بھاری بدن کی مالک تھی۔

”ہیلو بے بی۔ ہم تمہیں اپنے گھر میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ اصل میں ہم تنہائی میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتے تھے۔ بیٹھو پلیز تمہارا نام شمائل ہے نا......؟

”جی۔ شمائل پراعتماد انداز میں بیٹھ گئی۔

”تم لوگوں کی، میرا مطلب ہے تمہاری اور آفاق کی ملاقات زیادہ پرانی تو نہیں ہے۔“

”جی“۔

تم بھی آفاق کو اتنا ہی پسند کرتی ہو جتنا وہ تمہیں؟ اس سوال پر شمائل نے سر جھکا لیا تھا۔

سوال کا جواب دینا ایک اچھی عادت ہوتی ہے۔ سخت گیر شخص کی بھاری آواز ابھری۔

”جی......جی ہاں“

”آفاق نے جب اس بات کا انکشاف کیا تو ہم لوگوں کو شدید ذہنی جھٹکا لگا، یقیناً تم لبنیٰ شیخ کے نام سے ناواقف نہ ہو گی، آفاق اور لبنیٰ بچپن سے ایک دوسرے کے قریب رہے ہیں، سب کا یہی خیال تھا کہ وہ دونوں شادی کر لیں گے لیکن......خیر ہمیں اپنے خاندان کے بارے میں بتاؤ۔

”میں“ میں بتاؤں۔ شمائل کو اس طرح کے انٹرویو کی توقع نہیں تھی۔

”تم کہاں پیدا ہوئیں تھیں اور تمہارے والد کیا کرتے ہیں۔

”میں فیصل آباد میں پیدا ہوئی تھی اور میرے والد کا ایک موٹر گیراج تھا جو ان کی موت کے بعد ختم ہو گیا۔ وہ اعلیٰ درجے کے موٹر مکینک تھے۔ شمائل کی آواز ٹھہر گئی۔

''ممم مکینک۔ حیدر زمان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''جی۔ پنجاب کے بیشتر شہروں میں میرے والد کے بے شمار شاگرد بہترین گیراج کھولے ہوئے ہیں، وہ اپنے فن کے بادشاہ تھے۔ لیکن زندگی نے انہیں زیادہ مہلت نہیں دی۔ میری والدہ اب بھی فیصل آباد میں رہتی ہیں۔

کچھ لمحے ایک تکلیف دہ خاموشی طاری رہی، شمائل ان لوگوں کے انداز میں جارحیت محسوس کر رہی تھی۔

''کیا یہ حقیقت ہے بے بی کہ تم دونوں، میرا مطلب ہے تم دونوں قربتوں کی آخری حد تک پہنچ چکے ہو۔

شمائل کا دم گھٹنے لگا۔ یہ راز تو اس کے اور آفاق کے درمیان امانت تھا۔ آفاق نے اسے اپنے والدین کے سامنے افشاء کر دیا۔ اس میں کیا مصلحت تھی۔ ان میاں بیوی کا جارحانہ انداز اسے احساس دلا رہا تھا کہ اب وہ اسے ایک بری اور بد کردار لڑکی قرار دینے والے ہیں۔ عین اسی وقت آفاق اندر داخل ہوا، اور شمائل نے ایک گہرا سانس لیا۔ آفاق کی تیز نگاہیں شمائل اور اپنے والدین کے چہروں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے مسکرا کر شمائل کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''مجھے یقین تھا کہ شمائل نے آپ لوگوں کو پوری طرح مطمئن کر دیا ہوگا۔ آؤ شمائل باقی باتیں، ڈنر ٹیبل پر ہوں گی۔'' شمائل کو احساس ہوا کہ آفاق حیدر ایک بہترین محافظ ہے۔ کھانے کے میز پر اس نے کہا۔'' شمائل میری اس بات سے پوری طرح متفق ہے کہ ہماری شادی سادگی سے ہو۔''

''یہ فضول بکواس ہے۔ گورَیجہ خاندان میں شادیاں سادگی سے نہیں ہوتیں ہم اپنی کون کونسی روایتوں کو پامال کریں گے۔ کیا تم نے شادی کارڈ چھپوائے ہیں؟

''نہیں''۔

''وہ چھپ جائیں گے تم انہیں تقسیم کرانے کا انتظام کرو۔

''بہتر! آفاق نے خوشدلی سے کہا۔

''ہمارے احباب پاکستان ہی میں محدود نہیں ہیں۔ دعوت نامے ملک سے باہر بھی بھیجنے ہوں گے۔

''ٹھیک ہے۔''

پھر بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں لیکن شمائل فضا میں گھٹن سی محسوس کرتی رہی۔ ڈنر انتہائی شاندار تھا، لیکن شمائل نروس رہی یہ اندازہ تو اسے تھا کہ آفاق اس سے ضرور شادی کرے گا۔ اس نے کئی ٹیلی فون کالوں کے ذریعہ زمرد جہاں کو آفاق کی مکمل شخصیت سے روشناس کرا دیا تھا اور زمرد جہاں نے پوری فراخ دلی سے اسے اجازت دیتے ہوئے کہا تھا۔

''تم نے دیکھا ہمارے خاندان نے تمہارے باپ کی موت کے بعد پلٹ کر نہیں دیکھا کہ ہم کس حال میں ہیں۔ زندگی ایک جوا ہے اسے کھیلنا چاہیے۔ جو کہ تم نے مجھے آفاق کے بارے میں بتایا ہے میں اس سے بہت خوش ہوں۔ جس طرح ممکن ہو تم اس بیل کو منڈیر سے چڑھا لو۔ کیا شادی سے پہلے تم ایک بار مجھے آفاق سے ملا نہیں سکتیں۔

''مشکل ہے امی۔ وہ بے حد مصروف ہوتے ہیں۔ البتہ......

''......اللہ بہتر کرے۔ تم مجھے آگے کے حالات سے آگاہ رکھو۔''

''جی یقیناً......!

پھر آفاق نے اسے گھر چھوڑنے کی پیشکش کی تو شمائل نے سب سے رسمی اجازت طلب کر لی۔ ان لوگوں کے جارح رویئے کے باوجود شمائل نے اپنی طرف سے کسی ناخوشگوار کیفیت کا اظہار نہیں کیا یہ اس کی ذہانت تھی وہ وقت سے پہلے کھیل نہیں بگاڑنا چاہتی تھی۔

راستے میں آفاق نے کہا'' مجھے اندازہ ہے کہ میرے والدین بعض اوقات

بہت سخت رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔

''نہیں وہ اچھے لوگ ہیں۔شمائل نے کہا۔

O

زمرد حسین نے دیوار پر لگی گھڑی کو حسرت سے دیکھا پھر کانپتے ہاتھوں سے ''زیلوجن'' نامی لیکویڈ کی شیشی کا کارک کھولا اس میں نیلے رنگ کی ننھی ننھی گولیاں بھری ہوئی تھیں۔زمرد نے بہت سی گولیاں ہتھیلی پر انڈیلیں اور چند قدم آگے بڑھ کر انہیں پانی کے گلاس میں ڈال لیا جو کارنس پر رکھا ہوا تھا۔پھر وہ تھکے تھکے قدموں سے شارٹ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی جس پر ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔اس نے نیچی کرسی ٹیلی فون کے پاس سرکائی اور اس پر بیٹھ گئی۔اس کے انداز سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ بری طرح تھکی ہوئی اور نڈھال ہے۔کراچی کا کوڈ ڈائل کر کے اس نے شمائل کے فون نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگالیا۔کچھ دیر گھنٹی بجتی رہی پھر شمائل کی نرم آواز ابھری۔

''ہیلو......'' امی کیا آپ ہیں......؟ شمائل نے سی ایل آئی پر فیصل آباد میں اپنے گھر کا نمبر دیکھ لیا ہوگا۔

''ہاں جان، میں ہوں۔

''آپ کیسی ہیں امی......؟

''ٹھیک ہوں۔تمہاری پیاری آواز سننے کو دل چاہ رہا تھا۔

شکریہ امی، میں بالکل ٹھیک ہوں۔

''آفاق کیسے ہیں؟

''بالکل ٹھیک، امی آج میں ان کے گھر گئی تھی۔انہوں نے مجھے ڈنر پر بلایا تھا۔ان کے والدین نے میرا اچھا خاصہ انٹرویو لے ڈالا۔

''کیسے لوگ ہیں؟

''اتنے بڑے خاندان کے لوگ جیسے ہو سکتے ہیں۔سخت، سپاٹ شمائل نے

جواب دیا۔

''تمہیں پریشانی ہوئی ہوگی۔

''نروس ہوئی تھی میں، لیکن چیلنج ایسے ہی قبول نہیں کیے جاتے امی، مجھے اپنے شاندار مستقبل کی تلاش ہے۔گوریجہ خاندان بہت بڑا اور شاندار ہے۔

''میں جانتی ہوں۔خدا تمہیں زندگی کے ہر مشن میں کامیاب کرے۔زمرد کا دل چاہا کہ اب شمائل سے اپنی زندگی کے سب سے اہم مسئلے پر گفتگو کرے لیکن شمائل کی پرمسرت آواز نے اسے روکا، شمائل بہت خوش تھی۔اس نے کہا۔

''تم بہت خوش ہو نا شمائل۔''

''ہاں امی، میں اپنے آپ کو پریوں کی کہانی کی کسی شہزادی کی طرح محسوس کر رہی ہوں۔میں زندگی میں اس سے زیادہ کبھی خوش نہیں ہوئی آپ سنگ مرمر کے اس حسین محل کو دیکھیں گی تو آپ کو لگے گا کہ آپ پاکستان میں تو ہیں ہی نہیں۔

''لیکن تم کہتی ہو وہ لوگ''

''نہیں امی، آفاق مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔اور میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ان کے والدین اس سے جھجکتے ہیں۔وہ ایک ٹھوس مزاج کا پراعتماد شخص ہے۔

''تم نے اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔

نہ صرف اسے بلکہ کسی حد تک اس کے والدین کو بھی۔آپ مجھے اپنے بارے میں تو بتائیے امی۔آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔

''ہاں، میں بالکل ٹھیک ہوں ایک بات مجھے بتاؤ، کیا شادی کے بعد تم اپنی ملازمت جاری رکھوگی۔

میں پریوں کی ملکہ بن کر اپنا فیگر خراب نہیں کروں گی، حالانکہ اس کی ضرورت نہیں لیکن میں ملازمت جاری رکھوں گی۔

''آفاق تمہیں اجازت دے گا؟

''دے گا نہیں، دے چکا ہے''۔

''بہت سمجھ دار معلوم ہوتا ہے وہ۔

''ہاں امی وہ ایسا ہے۔ جب تم اس سے ملو گی تو خود دیکھ لوگی۔

ہاں ۔ضرور۔ زمرد کے لہجے میں ایک حسرت سی جھلک رہی تھی جسے ٹیلی فون پر محسوس نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے میری بچی، فی امان اللہ۔ میں تمہیں ساری دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی ہوں۔

''مجھے معلوم ہے امی۔

''خدا حافظ'' زمرد نے رسیور رکھ دیا۔ ایک لمحہ مغموم انداز میں فون کو دیکھتی رہی جس سے شمائل کی آواز سنائی دیتی رہی تھی پھر گردن گھما کر اس پر رکھے ہوئے گلاس کو دیکھا جس میں بھرا ہوا پانی نیلے رنگ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ قاتل زہر کی تمام گولیاں اس میں حل ہو چکی تھیں۔ وہ آگے بڑھی اور پھر اس نے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

O

آفاق حیدر نے اسے بہت اطمینان دلایا تھا اور اس نے خود محسوس بھی کیا تھا کہ آفاق کی اپنی آواز بھی بڑی مستحکم ہے اور ان کے والدین بھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے جھجکتے ہیں اس کے باوجود اس کے اعصاب پر دباؤ تھا۔ حالانکہ رات بے سکون نہیں تھی لیکن صبح بڑی کسلمند تھی اور وہ زیادہ بہتر نہیں محسوس کر رہی تھی۔

کچن میں ناشتہ تیار کر رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ڈسٹر سے ہاتھ صاف کیے اور بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔ رسیور اٹھا کر اس نے ہیلو کیا۔

براہ کرم شمائل حسین سے بات کرائیے۔ ایک نامانوس سی مردانہ آواز نے کہا

''جی فرمائیے میں بول رہی ہوں۔

''میں فیصل آباد سے پولیس انسپکٹر ریاض شاہ بول رہا ہوں۔

''انسپکٹر......؟ خیریت؟ شمائل کا ہاتھ لرز گیا۔

''مجھے افسوس ہے۔ میرے پاس آپ کے لیے ایک بری خبر ہے انسپکٹر نے کہا۔

شمائل کے ہاتھ میں رسیور لرزنے لگا۔ کیا......کیا انسپکٹر۔ کیا بری خبر ہے۔

آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔

شمائل کے حلق سے چیخ نکلی تھی۔ انسپکٹر کی آواز سنائی دی۔ مجھے افسوس ہے۔ آپ کب تک آسکتی ہیں مس شمائل......۔

''میں۔ میں آ رہی ہوں۔

''جی۔ انسپکٹر نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ پھر بمشکل تمام اس نے بیٹھنے کی جگہ تلاش کی اس کے پاؤں بے جان ہو گئے تھے۔ امی۔ رات میں تو ان سے بات ہوئی ہے۔ انہوں نے خاص طور سے فون کیا تھا۔ کیا اس کی کوئی خاص وجہ تھی۔ آخر کیا ہوا۔ ان کا انتقال کیسے ہوا۔ کوئی حادثہ پیش آ گیا کیا۔ اسے اب احساس ہوا کہ امی کے لہجے میں کوئی خاص بات تھی۔ ہاں اب احساس ہو رہا تھا۔ لیکن وہ مر کیسے گئیں۔ وہ تو اپنی ذات میں بے حد پر اعتماد اور بہادر خاتون تھیں ابو کے کئی شاگردوں نے پیشکش کی تھی کہ وہ رضا کارانہ طور پر اس گیراج کو چلائیں گے لیکن امی نے منع کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ کوئی وہ معیار نہیں قائم کر سکتا جو اس گیراج کا ہے۔ جس کے لیے ابو کہتے تھے کہ یہاں آ کر بیمار گاڑیاں خود اپنا دکھ درد بیان کر دیتی ہیں اور شفا حاصل کر کے جاتی ہیں۔ کوئی اس معیار کا دوسرا مکینک ہے ہی نہیں۔ مختلف آفرز ملی تھیں جنہیں امی نے قبول نہیں کیا تھا۔ شمائل سے انہوں نے کہا تھا۔

''بدقسمتی سے شمائل، ہم ایسے رشتوں سے محروم ہیں جو دل سے تعلق رکھتے

ہیں، میں تمہارے لیے کوئی بہتر گھرانہ تلاش کرنے پر خود کو معذور پاتی ہوں۔اس لیے تمہیں آزادی دے رہی ہوں۔میرے پاس بہت کچھ ہے اور مجھے تمہاری ملازمت کی ضرورت نہیں ہے، زمانہ بھول چکا ہے آزاد خیال لڑکیاں اکثر بہتر شوہر تلاش کر لیتی ہیں اس لیے میں تمہیں اجازت دیتی ہوں۔

وہ ان خیالات سے چونک پڑی تب اسے ان آنسوؤں کا احساس ہوا جو رخسار تر کر رہے تھے۔لیکن آنسو بہانا مسئلوں کا حل نہیں ہوتا۔ماں کی لاش غیروں کی تحویل میں پڑی تھی۔فیصل آباد کم سے کم وقت میں پہنچنا ضروری تھا۔وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور فون کے نزدیک پہنچ گئی۔دھندلائی ہوئی آنکھوں کو آستین سے صاف کر کے اس نے آفاق حیدر کے موبائل پر کال کیا تو جواب ملا۔

آپ کے مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا، براہ کرم کچھ دیر کے بعد رابطہ کیجئے۔

کئی بار کوشش کی لیکن ایک ہی جواب ملا تو اس نے فون بند کر دیا اور سوچنے لگی کہ اب کیا کرے۔فیصل آباد کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔بات ذہن میں آ گئی۔کسی فوری فلائٹ سے لاہور وہاں سے ٹیکسی کر کے فیصل آباد۔

یہ کام آسانی سے ہو گیا۔ایئر پورٹ تک سے اس نے آفاق کو کال کیا تھا لیکن آفاق نے شاید موبائل بند کیا ہوا تھا۔لاہور اور پھر ٹیکسی سے فیصل آباد۔ٹیکسی نے اسے فیصل آباد پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچا دیا۔پھر اس نے اسپیشل ڈیپارٹمنٹ کے انسپکٹر ریاض شاہ کو تلاش کیا اور اسے اپنے بارے میں بتایا۔

مجھے آپ سے ہمدردی ہے مس شمائل، آپ براہ کرم بیٹھئے۔

مگر آفیسر۔اچانک میری امی کا۔شمائل کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

انہوں نے خودکشی کی ہے۔

شمائل کے بدن میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔یہ

ناممکن ہے۔

''نہیں مس شمائل۔ایسا ہی ہے

''مگر آفیسر، اس کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ہم دونوں ماں بیٹی ہر لحاظ سے اپنی زندگی سے مطمئن تھے۔

''انہوں نے آپ کے نام ایک خط بھی چھوڑا ہے۔

''خط، شمائل نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''جی۔وہ آپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔لیکن اس سے پہلے آپ اپنی والدہ کی لاش دیکھ لیجئے۔

انسپکٹر ریاض شاہ اسے اپنے ساتھ مردہ خانے لے گیا جہاں زمرد جہاں کی لاش ایک سفید چادر سے ڈھکی رکھی تھی۔شمائل نے کانپتے دل کو سنبھال کر ماں کی لاش دیکھی اور اسے چکر آنے لگے۔چہرہ گہرا نیلا ہو رہا تھا۔ریاض شاہ کہہ رہا تھا۔۔

''انہوں نے ایک زود اثر زہر ''زیلوجن'' استعمال کیا ہے۔ہمیں زہر کی شیشی اور وہ گلاس حاصل ہو چکا ہے جس میں زہر کی گولیاں پانی میں حل کر کے اسے استعمال کیا گیا ہے۔لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھیجنا ہے۔بس آپ کا انتظار تھا۔

''پوسٹ مارٹم......!شمائل کے منہ سے سسکی نکلی۔'' کیا یہ ضروری ہے آفیسر!

''ہاں مس شمائل۔قانون کی ضرورت ہے۔

زمرد جہاں نے شمائل کے لیے جو خط چھوڑا تھا وہ بے حد مختصر تھا اور اس سے اس خودکشی کے اسباب پر کوئی روشنی نہیں پڑتی تھی۔اس نے لکھا تھا۔

جان سے زیادہ پیاری شمائل

مجھے معاف کر دینا۔میں زندگی کو اپنے اصولوں کے تحت گزارنے میں ناکام ہو گئی اور تم جانتی ہو کہ میں نے ہر حال میں اصولوں سے گریز نہیں کیا ہے۔بہترین طریقہ یہی ہے جو میں اپنا رہی ہوں۔تمہیں تنہا چھوڑنے کا افسوس ہے میں تمہیں بے

حد چاہتی ہوں۔

تمہاری امی

شمائل کا گھر فیصل آباد کے قدیم ترین محلے میں تھا اور اس وقت تعمیر ہوا تھا جب فیصل آباد لائل پور تھا۔ وہ پرانی طرز کا تیار ہوا تھا اور شمائل اس مکان میں پلی بڑھی تھی شاید یہی وجہ تھی کہ اسے کراچی جیسے جدید ترین شہر میں آفاق کی پرانے طرز کی کوٹھی بہت حسین لگی تھی اور وہ اس پر عاشق ہوگئی تھی۔ اپنے اس گھر سے شمائل کی زندگی بھر کی یادیں وابستہ تھیں۔ جب وہ دل گرفتہ تمام کاموں سے فارغ ہوکر اپنے گھر آئی تو دروازے پر برائے فروخت کا بورڈ دیکھ کر حیران رہ گئی۔

”ناممکن۔ اس کے منہ سے نکلا۔ امی نے اس گھر کو اپنی عبادت گاہ بنا رکھا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ اسے کبھی فروخت نہیں کریں گی کیونکہ اس کی ایک ایک اینٹ پر ان کی زندگی تحریر ہے پھر یہ بورڈ......؟

وہ تالا کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ ایک ایک لمحہ دھڑکتا گزر رہا تھا۔ گھر کی حالت حیران کر رہی تھی، کمرے بالکل خالی تھے۔ ان میں کوئی فرنیچر نہیں تھا۔ ڈیکوریشن کی تمام خوبصورت چیزیں غائب تھیں مکان بالکل ویران تھا کچھ بھی باقی نہیں تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح ایک ایک کمرے کو جھانک رہی تھی۔

میرے خدا کیا ہے یہ میں...... یوں لگ رہا تھا جیسے اچانک اس گھر پر کوئی تباہی نازل ہوئی ہے۔ کسی نے پورا گھر خالی کر دیا ہو۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اپنے بیڈروم میں پہنچی۔ یہاں بھی وہی منظر تھا۔ پورا کمرہ خالی تھا اور بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔

”آہ۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ آہ یہ کیا ہوا ہے۔ آخر۔ امی آپ نے مجھے فون کیا تھا۔ کچھ تو بتا دیتیں مجھے۔ کیا میں اسی قدر ناقابل اعتبار تھی آپ کے لیے۔ وہ رونے لگی۔ اس وقت کال بیل بجی اور وہ تیزی سے نیچے چل پڑی۔ اس وقت اسے کسی

کی ضرورت تھی کوئی بھی ہو، بس انسان ہو۔

دروازہ کھولا۔ چاچا رحیم الدین تھے۔ اس کے والد کے گہرے دوست خود بھی موٹر پارٹس کا کاروبار کرتے تھے۔

”سلام چاچا۔ آیئے۔ اس نے راستہ دیتے ہوئے کہا۔

”مجھے اس حادثے کے بارے میں بہت دیر سے معلوم ہوا۔ کیا بتاؤں کتنا افسوس ہوا ہے۔

آپ آگئے چاچا جی۔ مجھے بڑی ڈھارس ہوئی ہے۔ آہ چاچا دیکھئے میں کیسی اکیلی ہوگئی۔ ابو کے بعد امی......! وہ رونے لگی۔

صبر کرو شمائل۔ اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔

”آپ اس گھر کی حالت دیکھ رہے ہیں چاچا جی۔ کیا یہ گھر ایسا تھا۔ شمائل نے روتے ہوئے کہا۔ چاچا رحیم الدین کو دیکھ کر اس کے زخم تازہ ہوگئے تھے۔ رحیم چاچا اس کے والد کے گہرے اور قابل بھروسہ دوست تھے۔ ان کے انتقال کے بعد رحیم چاچا نے اس کے تمام معاملات کو سنبھالنے میں بڑی مدد کی تھی۔ خود امی بھی رحیم الدین پر بے حد بھروسہ کرتی تھیں۔

”چاچا ہمارے گھر کی یہ حالت کیسے ہوئی۔ امی نے خودکشی کیوں کی۔ آخر ایسے کیا حالات تھے۔ ہماری تو مالی حالت بھی ایسی نہیں تھی کہ ہمارا گھر اس طرح کا خالی ہوجاتا۔ اور پھر امی کی خودکشی۔ آہ۔ کاش میری سمجھ میں کچھ آجاتا۔

شمائل نے ڈبڈبائی آنکھوں سے رحیم الدین کو دیکھا اور رحیم الدین نے اچانک رخ بدل لیا۔ شمائل کو شبہ ہوا کہ کوئی خاص بات ہے اس نے کہا۔ چاچا جی۔ کیا بات ہے۔ آپ مجھے نہیں بتائیں گے۔ چاچا جی آپ بھی نہیں بتائیں گے۔

زمرد جہاں بیگم نے تمہیں بالکل نہیں بتایا کہ پچھلے دنوں یہاں کیا کیا ہوا ہے۔

بالکل نہیں۔ آپ بتایئے چاچا جی۔ کیا ہوا ہے یہاں۔ شمائل نے بے چینی سے

کہا۔

’’اوہ۔وہ شاید تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

’’مجھے بتایئے تو سہی۔کیا ہوا آخر۔پلیز چاچا۔شمائل نے شدید بے چینی سے کہا۔

رحیم شاہ تھوڑی دیر خاموش رہا،پھر بولا!تم یہ بتاؤ تم نے کبھی راؤ بدرالدین کا نام سنا ہے۔

راؤ بدرالدین؟نہیں،میں نے نہیں سنا۔

کچھ عرصہ پہلے اس نے تمہاری امی سے رابطہ قائم کر کے کہا کہ وہ تمہارے باپ کے گیراج کو خریدنا چاہتا ہے،تمہاری امی نے کہا کہ یہ ایک جذباتی مسئلہ ہے جس کی وجہ سے وہ اس جگہ کو نہیں بیچنا چاہتیں اور وہ جذباتی مسئلہ یہ ہے کہ وہ اس گیراج کے معیار کو نہیں گرانا چاہتی تھی۔دنیا جانتی ہے کہ حسین شاہ یعنی تمہارے باپ کی زندگی میں پورے پنجاب کے چوہدری اور جاگیردار آنکھیں بند کر کے یہاں اپنی گاڑیاں بھیج دیتے تھے اس یقین کے ساتھ کہ وہ ٹھیک ہو کر واپس آئیں گی۔اس معیار کا کوئی اور مکینک ہے۔تب راؤ بدرالدین نے کہا کہ وہ اس جگہ موٹر گیراج نہیں بنائے گا وعدہ کرتا ہے اس کے ساتھ ہی اس نے اس جگہ کی قیمت اصل قیمت سے زیادہ لگا دی۔تب تمہاری امی مجبور ہو گئیں۔اتنی بڑی رقم وہ کسی اور طرح نہیں حاصل کر سکتی تھیں ایک بار بہت مختصر الفاظ میں انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ تمہاری شادی ایک بہت بڑے خاندان میں کرنا چاہتی ہیں اور اس خاندان کے شایان شان شادی کرنے کے لیے انہیں بہت بڑی رقم درکار ہو گی۔

’’میرے خدا،میرے خدا،تو کیا امی نے۔

ہاں۔انہوں نے یہ سودا کر لیا۔اور راؤ بدرالدین نے انہیں کچھ رقم پیشگی ادا کر دی۔

اور انہوں نے مجھے بتایا تک نہیں۔

یہ میں نہیں جانتا۔بہر حال راؤ نے باقی رقم پچھلے ماہ ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

پھر کیا ہوا......؟

راؤ نے اس جگہ کا قبضہ لے لیا اور پھر نہ جانے کہاں سے اس نے ایسے قرض خواہ تلاش کر لیے جن کا تمہارے والد پر مجموعی طور پر اٹھائیس لاکھ کا قرض تھا۔ان تمام لوگوں نے تمہاری امی پر دھاوا بول دیا اور قرض کے تمام بل تردید ثبوت پیش کیے۔انہوں نے کہا کہ اب چونکہ گیراج فروخت ہو گیا ہے اس لیے ان کی رقم ادا کی جائے۔

زمرد جہاں بڑی مشکل کا شکار ہو گئیں۔وہ راؤ سے ملیں تو اس نے صاف انکار کر دیا کہ اب اسے اس کو اس سے دلچسپی نہیں ہے زیادہ سے زیادہ اس کی ایڈوانس دی ہوئی رقم واپس نہ کی جائے جیسا کہ اصول ہے۔بے چاری زمرد جہاں کیا کر سکتی تھی۔قرض خواہوں نے سب کچھ لے لیا۔گیراج،یہ مکان،فرنیچر،سب کچھ۔

’’آہ۔میری مظلوم ماں۔شمائل سسکیاں لے کر رونے لگی۔

’’یہی نہیں،بدرالدین نے اسے دھمکی دی تھی کہ وہ اس پر گھناؤنے الزام لگا کر جیل بھی بھجوا سکتا ہے۔زمرد جہاں بے حد خوفزدہ تھی اور......

آہ۔آہ۔کیا یہ باتیں مجھ سے چھپانے کی تھیں۔ہم مل کر کچھ تو کر سکتے تھے۔اس ذلیل شخص کے خلاف قانونی چارہ جوئی تو ہو سکتی تھی۔

گیراج اب بھی اس کے قبضے میں ہے۔اور اسے ایک اور بڑے آدمی کا تحفظ حاصل ہے جو بڑے اختیارات رکھتا ہے۔

امی کو مجھے یہ سب کچھ بتانا چاہیے تھا۔یہی ان کی سب سے بڑی غلطی تھی۔کہ جانے والدین اپنے آپ کو اپنے بچوں سے سپر کیوں سمجھتے ہیں حالانکہ جوان ذہن بہت بہتر سوچ سکتے ہیں۔

نہیں بیٹی تم واقعی کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔بلکہ کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

چاچا جی ۔ میں راؤ بدرالدین سے ملنا چاہتی ہوں ۔ آپ بتایئے وہ مجھے کہاں مل سکتا ہے۔

نہیں بیٹی ۔ ایسی کوئی کوشش نہ کرو۔

کیوں......؟

وہ بڑا طاقتور گروپ ہے۔ معمولی لوگ نہیں ہیں وہ۔

آپ مجھے ان کا پتہ بتائیں۔

راؤ بدرالدین کی حویلی تو پورے فیصل آباد میں مشہور ہے اس کا پتہ تم سے کیسے چھپا سکتا ہوں ۔ لیکن ایک بات ضرور کہوں گا بلکہ تمہیں سمجھاؤں گا کہ اس انداز میں مت سوچو۔''

آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں چاچا جی ۔ اس نے میری ماں کو قتل کیا ہے اور میں اسے چھوڑ دوں گی ۔ اسے میری ماں کو ہلاک کرنے کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔

O

اس سے قبل اس نے کسی تخریبی عمل کے بارے میں نہیں سوچا تھا ، اپنے اچھے مستقبل کے لیے آفاق کی قربت اور جذبات کی رو میں بہہ کر دور نکل جانا الگ بات تھی یا پھر دل کا یہ احساس کہ اگر آفاق کے والدین نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا تو وہ ان کا سامنا کرے گی یہ دونوں باتیں ایسی نہیں تھیں کہ ان میں کوئی سرکش سوچ شامل ہوتی لیکن راؤ بدرالدین سو فیصد اس کی ماں کا قاتل تھا ، اسے نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔

اس گھر میں اب کچھ بھی نہیں تھا ۔ اس نے رحیم الدین سے کہا۔

چاچا میں اب اس گھر میں کیا رہوں گی میں..........

میرے گھر چلو بیٹی۔

نہیں رحیم چاچا کسی ہوٹل میں ۔ رحیم چاچا کے اصرار کے باوجود وہ ان کے ساتھ نہیں گئی اور ایک قدرے بہتر ہوٹل میں منتقل ہو گئی ۔ اس نے خود کو پوری طرح

سنبھال لیا تھا ۔ یہ ایک مشکل کام بے شک تھا لیکن ماں نے یہی اسے اعتماد کا یہ سرمایہ دیا تھا ۔ یہاں سے اس نے سب سے پہلے مسٹر گورایہ کو فون کیا۔

مسٹر گورایہ میں فیصل آباد سے بول رہی ہوں۔

میں سی ایل آئی پر یہ نمبر دیکھ کر حیران ہوں ۔ آپ اچانک فیصل آباد۔

ایک ایمرجنسی کال پر مجھے آنا پڑا ، میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا ہے۔

شمائل کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

''ارے ۔ اوہ ۔ بہت افسوس ، بہت افسوس ہوا ۔ اللہ ان کی مغفرت کرے۔ یہاں کے معاملات سے آپ بے فکر رہیں ، میں سب سنبھال لوں گا ۔ آپ آرام سے سارے امور نمٹائیں۔

شکریہ گورایہ صاحب۔

دوسرا فون اس نے آفاق کو کیا۔

''ارے کہاں ہو بھئی ، ممی صبح سے تم سے بات کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں اور تمہارا کوئی پتہ ہی نہیں ہے ۔ وہ آج دوپہر کا کھانا تمہارے ساتھ کھانا چاہتی ہیں ۔ اور شاید تم سے شادی کے کچھ ضروری امور پر بات کرنا چاہتی ہیں مثلاً تمہاری پسند کے لباس اور زیورات ۔ آفاق کی آواز میں مسکراہٹ تھی۔

''آفاق ، میں فیصل آباد سے بول رہی ہوں۔

''ارے ۔ ایں ۔ فف فیصل آباد سے ۔ مگر تم وہاں کب گئیں اور کیوں۔

میری امی کا انتقال ہو گیا ۔ الفاظ اس کے حلق سے کانپنے لگے۔

''کیا ۔ آفاق کے لہجے میں شدید حیرت تھی ۔ بمشکل اس نے کہا ،'' لیکن شمائل کب......کیسے؟

شمائل فیصلہ نہیں کر سکی کہ کیا جواب دے ۔ آفاق نے اس خاموشی کو اس کے غم کا حصہ جانا ۔ اور بولا ۔ میرے خیال میں مجھے فوراً فیصل آباد پہنچنا چاہیے۔

''نہیں آفاق۔ میں نے یہاں تمام امور نمٹا لیے ہیں۔کل تدفین کے بعد میں واپس آجاؤں گی۔

لیکن تم وہاں اکیلی ہو، مجھے افسوس ہے کہ تم نے اطلاع ملتے ہی فیصل آباد جانے سے پہلے مجھے فون کیوں نہیں کر دیا۔

میں نے فون کیا تھا،تمہارا موبائل بند تھا۔

اومائی گاڈ۔شمائل میں۔میں ان حالات میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔

''فیصل آباد میرا آبائی شہر ہے آفاق، میں یہاں تنہا نہیں ہوں، پلیز، میرے اور تمہارے بارے میں مجھے اور امی کو معلوم تھا۔ابھی کوئی تمہیں نہیں جانتا۔مصلحتاً میں تمہیں ابھی کسی کے سامنے نہیں لانا چاہتی پلیز۔

او کے۔میں تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔تبھی تم سے امی کے انتقال کی تفصیل معلوم کروں گا۔

''ٹھیک ہے۔''

''میں تمہارے غم میں برابر کا شریک ہوں شمائل۔

''شکریہ آفاق۔'' شمائل نے فون بند کر دیا۔اور سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔آفاق کو کیا بتاؤں، یہ کہ امی نے خودکشی کی ہے، یہ بتاؤں کہ وہ ایک شیطان کے جال میں پھنس گئی تھیں یہ بتاؤں کہ میں نے اس شیطان سے انتقام لینے کا فیصلہ کیا ہے۔یہ جاننے کے بعد کیا آفاق مجھے تنہا چھوڑ دے گا کیا وہ اس آگ میں کودنا پسند کرے گا۔انتقام کی اس کوشش میں آگے کیا ہوگا یہ فیصلہ مشکل تھا، زندگی کے سنہرے دور کے لیے وہ امی کے خون کو تو معاف نہیں کر سکتی تھی۔

آخر کار اس نے راؤ بدرالدین سے ملنے کا وقت مقرر کر لیا اور کوئی ہتھیار اسے نہ مل سکا، لیکن اس نے مارکیٹ سے ایک خطرناک چھری ضرور خرید لی، بظاہر معمولی چیز تھی لیکن کام کے لیے بالکل ٹھیک، ویسے وہ راؤ بدرالدین کو قتل نہیں کرنا

چاہتی تھی بلکہ صرف اس سے اس کے جرم کا اعتراف کرانا چاہتی تھی، وہ اس سے قبول کرانا چاہتی تھی کہ اس نے اس کی ماں کے ساتھ فراڈ کیا ہے۔وہ اپنا جرم قبول کرے، اگر اس نے انکار کیا تو وہ اسے مجبور کرے گی کہ وہ اسے اپنے اعتراف کی تحریر دے۔ پھر وہ اس تحریر کو انسپکٹر ریاض شاہ کے پاس لے جا کر اسے گرفتار کرا دے گی۔کئی بار اس کے دل میں خیال آیا تھا کہ اپنی مدد کے لیے آفاق کو طلب کر لے۔لیکن یہ مناسب نہیں ہوگا۔وہ اس جھگڑے سے دور رہے تو اچھا ہے وہ بہت بڑے لوگ ہیں ایسے معمولی کام ان کی شایان شان نہیں تھے۔میں آفاق کو پورے واقعات کی تفصیل بتاؤں گی جب راؤ بدرالدین جیل میں ہوگا۔

مقررہ وقت پر وہ راؤ بدرالدین کے عالی شان مکان پر پہنچ گئی اس نے بیل بجائی، گھر میں مکمل سناٹا معلوم ہوتا تھا۔کچھ دیر گزر گئی۔شمائل کے اعصاب پر سخت دباؤ تھا۔

اچانک پورچ کی لائٹ جل اٹھی، وہ کوئی ملازم تھا جس نے اسے دیکھ کر

....

''کس سے ملنا چاہتی ہو بی بی صاحب۔

''راؤ بدرالدین سے۔''

''آیئے۔ملازم نے بدستور احترام سے کہا اور اسے اپنے ساتھ لے کر اندر چل پڑا۔شمائل نے سوچا کہ اس برے انسان کا ملازم ایک اچھا آدمی ہے۔ملازم اسے لے کر ایک عالی شان ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا جو بے حد قیمتی فرنیچر سے آراستہ تھا۔ہر چیز سے امیرانہ ٹھاٹ کا اظہار ہوتا تھا۔

آپ یہاں بیٹھو۔میں راؤ صاحب کو خبر دیتا ہوں، ملازم دروازے سے باہر نکل گیا اور شمائل سچویشن کا جائزہ لینے لگی۔راؤ بدرالدین اپنے مہمان سے بات چیت کرنے کے لیے کہاں بیٹھ سکتا ہے۔بیٹھتے ہوئے اس سے اس کا کتنا فاصلہ ہوگا۔

پھر جو شخص اندر داخل ہوا اسے دیکھ کر شمائل حیران رہ گئی۔ اس طرح کا کوئی شخص تو مشکل سے بدمعاش نظر آنا چاہیے تھا، لیکن جو شخص اس کے سامنے آیا تھا وہ خاص معزز شخصیت کا پروقار آدمی تھا۔ اس نے غور سے شمائل کو دیکھ کر کہا۔

''میرا نام راؤ بدرالدین ہے۔ میرے ملازم نے بتایا ہے کہ تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو۔

ہاں۔ میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں مسٹر بدرالدین۔ شمائل نے کہا۔

ضرور۔ وہ اطمینان سے اس صوفے پر بیٹھ گیا جس کی توقع شمائل نے کی تھی۔ اور جہاں تک شمائل کی آسان رسائی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ ہاں یہ تو بتاؤ تم چائے پیو گی یا کوئی ٹھنڈا مشروب۔ جب کہ میرے خیال میں تمہیں کافی پینی چاہئے۔ میں تمہیں بہت عمدہ کافی پلواتا ہوں۔

شکریہ مسٹر راؤ۔ مجھے کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔

اپنا تعارف مین کراؤں گی۔

میں حسین آٹوز کے مالک حسین شاہ کی بیٹی ہوں۔ میری ماں کا نام زمرد جہاں تھا۔

اوہ بی بی۔ زیادہ وقت نہیں ہوا مجھے کسی سے معلوم ہوا کہ تمہاری والدہ معاف کرنا کیا تم اس بات کی تصدیق کرو گی۔

مسٹر بدرالدین، آپ اچھی اداکاری کی ہے۔ آپ نے میری ماں کے ساتھ جو فراڈ کیا ہے اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ اور اب آپ کو اپنے اس جرم کا اعتراف کرنا ہوگا۔

بدرالدین نے چونک کر شمائل کو دیکھا اور اس کے چہرے سے شرافت کا خول اترنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس کی آنکھوں میں شیطانیت آتی جا رہی تھی اس نے کہا۔

بہت کم ایسا ہوا ہے بلکہ شاید ہوا ہی نہیں ہے کہ کسی نے میرے گھر میں

میرے لیے ایسا لہجہ اختیار کیا ہو، میں نے تمہارا یہ لہجہ تمہارے حسن اور جوانی کے رجسٹر میں درج کر دیا۔ کسی مناسب وقت حساب کتاب کر لیں گے۔

''نہیں اپنے جرم کا اعتراف کرنا ہوگا۔ اور وہ بھی تحریری طور پر۔ سمجھے۔ شمائل نے لہجہ بدل کر کہا۔

''ٹھیک ہے۔ اگر تم جرم کرنے کی دعوت دے رہی ہو تو یہ بھی کر لیں گے اور جب جرم کر لیں گے تو اعتراف بھی کر لیں گے۔ وہ شیطانی آواز میں مسکرا کر بولا'' پھر کہنے لگا'' اور جس جرم کی بات تم کر رہی ہو وہ ہم نے کیا ہی نہیں ہے۔

''تمہیں اپنے جرم کا تحریری اعتراف کرنا ہوگا۔ شمائل نے اچانک اپنے لباس سے چھری نکال لی اور بدرالدین نے چونک کر اسے دیکھا پھر ایک دم ہنس پڑا۔

''ارے یہ کیا ہے۔ چھری'' قتل کرو گی مجھے۔ اس سے۔ اس نے خوف سے کہا۔

''اگر ایسا کرنا پڑا تو ضرور کروں گی۔''

''کمال ہے خدا کی قسم کمال ہے۔ اچھا یہ بتاؤ مجھے کرنا کیا ہے؟۔

تمہیں لکھ کر دینا ہوگا کہ تم نے میری ماں کے ساتھ فراڈ کیا جس سے متاثر ہو کر وہ خودکشی کرنے پر مجبور ہوگئی۔

''اگر میں ایسا نہ کروں تو......؟

''تو یہ چھری تمہارے سینے میں اتر جائے گی۔''

''واہ۔ واہ۔ واہ۔ وہ تالیاں بجاتا ہوا بولا۔'' تم اس لرزتے ہوئے ہاتھ سے قتل کرو گی۔ ویسے ایک بات کہوں۔ میں تمہیں اپنے قتل کی اجازت دے سکتا ہوں۔ لیکن اس بے کار چھری کو پھینک کر اپنے حسن و جمال کے ہتھیار استعمال کرو...... اس نے جیب سے موبائل نکال کر کوئی نمبر ڈائل کیا۔ پھر بولا۔ میں میٹنگ میں ہوں، ہر ملاقاتی کو منع کر دو۔ کوئی اندر نہ آئے۔ پھر اس نے موبائل ایک طرف اچھال دیا اور

مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''میں نے تمہیں عزت واحترام کے ساتھ اپنی کوٹھی میں خوش آمدید کہا تھا۔ لیکن تمہاری دلکش باتوں نے میرا ذہن تبدیل کر دیا ہے۔ میں تمہیں تمہاری مطلوبہ تحریر نہیں دوں گا آؤ مجھے قتل کر دو۔ ویسے ایک بات کہوں۔ تمہاری ماں نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کی اتنی خوبصورت بیٹی بھی ہے۔ اوہو، میں نے منع کیا تھا کہ اس وقت......

اس نے اچانک چہرے کے تاثرات تبدیل کر کے پیچھے دیکھا اور شمائل بھی چونک کر پیچھے دیکھنے لگی۔ عین اس وقت اس کی کلائی پر ایک ضرب پڑی۔ اور چھری اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی۔ پھر فوراً ہی راؤ بدرالدین نے اسے اپنے، بازوؤں کی گرفت میں پکڑ لیا۔ اور اسے دھکیلتا ہوا ایک دیوار تک لے گیا۔ پھر اس نے اس کے بازو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لے کر اسے بے بس کر دیا۔

''چھوڑ دو مجھے۔ میں کہتی ہوں مجھے چھوڑ دو۔

واہ۔ تم کہتی ہو اور میں مان لیتا ہوں۔ نہیں بے بی تم تو میرا، بونس ہو، بونس سمجھتی ہو۔

لیکن اچانک شمائل نے اپنا سر پوری قوت سے راؤ کے منہ پر دے مارا جو اپنا چہرہ اس کے چہرے کے قریب لا رہا تھا۔ شمائل کا سر خود چکرا گیا تھا دوسری طرف اس کے سر کی ضرب بدرالدین کے ناک پر پڑی تھی۔ بدرالدین کی ناک سے خون کا فوارہ ابل پڑا وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر پیچھے ہٹا تو شمائل ایک دم دیوار سے ہٹ کر بھاگی لیکن بدرالدین نے اس عالم میں بھی اس کے پاؤں میں اپنی ٹانگ اڑا دی۔ شمائل کے ساتھ وہ خود بھی نیچے گرا تھا۔ خون کی چھینٹیں راؤ کی آنکھوں میں بھی پڑیں ادھر شمائل کی پسلیوں میں چوٹ لگی تھی اس نے کرب سے اپنے بدن کو موڑا اور اس لمحے اس کا ہاتھ چھری پر پڑا۔ بے اختیار اس نے چھری اپنے ہاتھ کی گرفت میں لی اور وحشت زدہ انداز میں یہ دیکھے بغیر کہ وہ راؤ کے جسم کے کونسے حصے کا نشانہ بنا رہی ہے، راؤ کے جسم

میں گھونپ دیا۔ ایک کربناک چیخ نے اس کے کان جھنجھنا دیئے اور خود اسے کمرہ گھومتا محسوس ہوا۔ اس چیخ سے اس کے اعصاب کشیدہ ہو گئے تھے۔

''سس۔ سور کی بچی۔ کتیا کی اولاد۔ تو نے۔ تو نے۔ یہ رواؤ کی گھٹی گھٹی آواز ابھری اور شمائل نے اسے دیکھا۔ چھری راؤ بدرالدین کے پہلو میں پیوست ہوئی تھی اور خون فوارے کی شکل میں اس کے لباس کو تر کرتا ہوا قالین پر گر رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر شمائل کو ایک اور اعصابی جھٹکا لگا لیکن اس جھٹکے نے اس کے بدن کو متحرک کر دیا اور وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

تت تم نے۔ خود۔ میں تو۔ میں تو تم سے صرف۔ ارے باپ رے۔ اس نے راؤ کے بدن کو جھٹکے کھاتے دیکھ کر خوفزدہ ہوتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ دروازے کی طرف لپکی۔ دروازہ کھول کر وہ باہر کی طرف دوڑنے لگی۔ دو تین ملازموں نے اسے حیرت سے دیکھا۔ لیکن کچھ سمجھ نہیں سکے تھے اس لیے کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ کوٹھی کے گیٹ سے باہر نکل آئی اور پھر ادھر ادھر دیکھتی ہوئی تیز تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ کوئی ترکیب، کوئی تدبیر دماغ میں نہیں آ رہی تھی۔ پھر وہ اس وقت چونکی جب اس نے اپنے سامنے وہ ہوٹل دیکھا جس میں اس نے قیام کیا تھا۔ اسے سکون محسوس ہوا کوئی جگہ ایسی ہے جہاں وہ آرام کر سکتی ہے۔ اپنے بستر پر گر کر اس نے چشم تصور سے راؤ بدرالدین کو دیکھا۔ ایک ایمبولینس اسے لے کر جا رہی تھی۔

میں اسے قتل تو نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اسے سزا ملنا ضروری تھا۔ یہ سزا۔ اف میرے خدا، ملازم تو مجھے پہچانتے ہیں۔ اب کیا ہو گا۔ کیا وہ مر جائے گا۔ اس کے بعد۔ اس کے بعد میرا کیا ہو گا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور نہ جانے کیسے اسے نیند آ گئی۔ بہت دیر تک سوتی رہی، پھر آنکھ کھل گئی۔ ساری دنیا اسے ویرانہ لگ رہی تھی۔ سارا ماحول بھائیں

بھائیں کرر ہا تھا۔ وہ پاؤں لٹکا کر بستر پر بیٹھ گئی۔ دیر تک اونگھتی رہی پھر خود کو سنبھال کر اٹھ گئی۔ نہ جانے کیا ہو رہا ہوگا۔ امی کا پوسٹ مارٹم ہو چکا ہوگا۔ انسپکٹر ریاض شاہ لاش تدفین کے لیے اس کے حوالے کرنا چاہتا ہوگا۔ اس سے رابطے کر رہا ہوگا۔ انسپکٹر۔ دفعتاً اس کا بدن کانپ گیا۔ وہ خود اب قاتلہ بن چکی تھی۔ لاش۔ انسپکٹر۔ بدرالدین۔ اس کا سانس گھٹنے لگا اور وہ بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کراچی۔ کراچی واپس چلے جانا چاہیے۔ وہاں روپوش ہو جانا چاہیے۔ ابھی کسی سے رابطے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ آفاق سے بھی نہیں۔ سب کچھ یہ معلوم ہونے کے بعد بہتر رہے گا کہ بدرالدین زندہ ہے یا مر گیا۔ آہ۔ اس کے لیے خود کو سنبھالنا پڑے گا۔ کوشش کرنی پڑے گی۔ اسے وہ ٹرین یاد آئی جو فیصل آباد سے کراچی کے لیے نئی نئی چلائی گئی تھی۔ اس کے بارے میں اس نے اخبار میں پڑھا تھا۔ توجہ اس لیے دے لی تھی کہ اس میں فیصل آباد کا نام تھا۔ پتہ نہیں کس وقت جاتی ہے۔ معلومات حاصل کرنے کے بجائے کیوں نہ ریلوے اسٹیشن چلا جائے۔ ہوٹل کے اس کمرے میں ہولتی رہے گی۔

بمشکل خود کو سنوارا۔ کھانے پینے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا طبیعت الٹ رہی تھی۔ ہوٹل کا بل دے کر باہر نکلی اور پھر ایک آٹو نے اسے اسٹیشن پہنچا دیا۔ اس دوران وہ اپنے اعصاب کو کنٹرول کرتی رہی تھی۔ ٹرین کے بارے میں معلومات حاصل کرنے پر پتہ چلا کہ خوش قسمتی سے وہ ایک گھنٹے کے بعد جائے گی۔ ٹکٹ خریدنے کے لیے کاؤنٹر پر پہنچ گئی۔ پھر اس کی نگاہ ایک طرف اٹھ گئی۔ دوسرے لمحے اسے اپنے بدن کا خون منجمد ہوتا محسوس ہوا۔ چار پانچ پولیس کانسٹیبل ایک آفیسر کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے سب کی نظریں اسی کی طرف تھیں اور وہ کچھ باتیں کر رہے تھے۔ پھر شائل نے انہیں اپنی طرف بڑھتے دیکھا اور ماحول اس کی آنکھوں سے دھندلا گیا۔ ہو گیا۔ کچھ ہو گیا۔ اس وقت اسے ایک کرخت آواز سنائی دی۔

''تمہارا نام شائل حسین ہے؟ کوشش کے باوجود اس کے حلق سے آواز نہ

نکل سکی۔ دوسری آواز نے کہا۔

''صاحب جی۔ حلیے پر پوری ہے۔ وہی لگتی ہے۔

لڑکی جواب دو۔ تم حسین آٹو گیراج کے مالک حسین شاہ کی بیٹی شائل ہو؟

''ہاں......ہاں......اس نے بمشکل کہا۔

پکڑلو اسے ہمارا اندازہ ٹھیک تھا یہ بھاگ رہی تھی۔ پولیس والوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ایک نے اس کے ہاتھ سے پرس چھین لیا۔ دوسرے نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دھکا دیا۔ اور بولا۔

چلو......ہم نے تمہیں ہتھکڑی نہیں لگائی ہے۔ کوئی حرکت کی تو ہاتھ مار کر حلیہ بگاڑ دیں گے۔

شائل آگے بڑھ گئی۔ اچانک وہ اپنے آپ سے بیگانہ ہو گئی اسے یوں لگا جیسے وہ خواب دیکھ رہی ہو۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کے ساتھ نہیں کسی اور کے ساتھ ہو رہا ہے، پولیس والوں نے کسی اور کو اپنے نرغے میں لیا ہوا ہے۔ لوگ اس منظر میں اسے نہیں کسی اور کو دیکھ رہے ہیں۔ پولیس والوں نے اسے جیپ میں بٹھایا اور خود اس کے چاروں طرف بیٹھ گئے۔ پھر جیپ چل پڑی۔ وہ کچھ نہیں دیکھ رہی تھی دماغ ابھی تک گم تھا۔ پھر اسے تھانے کی عمارت میں اتارا گیا تو وہ چونکی۔

یہ......یہ تم لوگ مجھے کہاں لے آئے؟

''پولیس اسٹیشن میڈم......آپ کا خیال تھا کہ ہم آپ کو فائیو اسٹار ہوٹل میں لے جائیں گے۔ ایک پولیس مین نے مذاق کرتے ہوئے کہا۔ اسے تھانہ انچارج کے کمرے میں لے جایا گیا۔ انچارج نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''حلیہ وہی ہے جو بتایا گیا تھا کیوں بی بی تمہارا نام شائل ہے''۔

او بٹھاؤ اسے۔ انچارج نے دوسرے جملے پولیس والوں سے کہے اور شائل کو بٹھا دیا گیا۔

''ہاں جی۔تم شمائل حسین ہو۔انچارج نے پھر کہا۔اور پھر اسسٹنٹ انسپکٹر کی طرف رخ کر کے بولا۔کہاں سے پکڑا تم نے اسے۔

''ریلوے اسٹیشن سے سر جی۔

''اوہو۔نکل رہی تھی۔کیوں۔

شمائل نے بمشکل اپنی گمشدہ آواز کو تلاش کیا۔یہ صرف ایک حادثہ تھا۔میں اسے مارنا نہیں چاہتی تھی۔

''تو پھر......؟

وہ۔وہ مجھے بے آبرو کرنا چاہتا تھا۔

''او پہلے تم یہ بتاؤ،تم شمائل حسین ہو؟

''ہاں۔''

''چلو اسے لاک اپ میں ڈالو۔انچارج نے کہا۔

نہیں میری ایک بات سنو۔وہ جلدی سے بولی۔

''سناؤ......؟

''میں ایک فون کرنا چاہتی ہوں۔مجھے فون کرنے کا حق حاصل ہے۔اس کا انداز جذباتی سا تھا۔

''گڈ بھئی......اور کون کون سے حق حاصل ہیں تمہیں؟

''براہ کرم مجھے فون کرنے دو۔

''کتنی بار لاک اپ میں رہ چکی ہو۔

دیکھو میرا مذاق مت اڑاؤ۔میں ایک باعزت لڑکی ہوں اور ایک اہم عہدے پر کام کرتی ہوں۔

کہاں......،انچارج نے پوچھا۔

''کراچی میں۔

شمائل کے یہ الفاظ شاید انچارج پر اثر انداز ہوئے تھے۔اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔نمبر بتاؤ۔''شمائل کو اس وقت بمشکل آفاق کا فون نمبر یاد آیا تھا۔انچارج نے نمبر ملایا۔دو تین بار کوشش کی پھر بولا۔

''کوئی فون نہیں اٹھا رہا۔لو دیکھ لو جھوٹ نہیں بول رہا۔شمائل کو پہلی بار آفاق پر جھلاہٹ ہوئی تھی۔

شمائل کو دوسرے کمرے میں لے جایا گیا جہاں اس کا چالان لکھا گیا انگلیوں کے نشانات لیے اور پھر اسے لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔

شمائل کو ایک گہرے سکوت کا احساس ہو رہا تھا جیسے کوئی بھاری مشین چلتے چلتے رک گئی ہو۔اس نے ابھی تک خود کو بدترین حالات میں گھرا ہوا نہیں محسوس کیا تھا۔لیکن ایک بے چینی اسے ضرور محسوس ہو رہی تھی۔آفاق اس کی طرف سے اتنا لاپرواہ کیوں ہو گیا۔اسے ہر حال میں اس کے لیے بے چین رہنا چاہیے تھا کہ کہیں اسے ان کی ضرورت نہ پڑ جائے۔

پہلی رات گزر گئی۔اسے دو کمبل دیئے گئے تھے۔غلیظ اور بدبودار ایک اوڑھنے کے لیے ایک بچھانے کے لیے۔لیکن وہ ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی رہی تھی۔رات بھر میں کئی بار اس کی آنکھیں چھم چھم برسی تھیں۔امی یاد آئی تھیں۔اپنی حالت کا اب اسے اندازہ ہو رہا تھا خود پر تو کبھی نہیں بیتی تھی لیکن بیشتر اخباری خبریں یاد آ رہی تھیں،وہ پھر قتل کی ملزمہ تھی اور ایسے ملزموں کے ساتھ نہ جانے کیا کیا ہوتا ہے۔پھانسی بجلی کی کرسی، ہینگ ٹل ڈیتھ،وہ بار بار کانپ اٹھتی تھی۔کیا ان حالات میں آفاق اس کی مدد کرے گا۔لیکن کیا مدد کرے گا۔اس نے ایک آدمی قتل کر دیا ہے۔آفاق اسے زندہ تو نہیں کر سکتا کہ اس کی زندگی بچ جائے گی۔

اس طرح کے خیالات میں صبح ہو گئی۔پہلی بار اسے ایک لیڈی کانسٹیبل نظر

آئی تھی جو اس کے لیے چائے اور دو باسی توس لائی تھی۔ کانسٹیبل نے لاک آپ کا دروازہ کھولا اور لیڈی کانسٹیبل نے برتن رکھ دیئے اور بولی۔

لو ناشتہ کرلو۔

''سنو، مجھے فون کرنا ہے۔

''تو میں کیا کروں؟ لیڈی کانسٹیبل نے کھردرے لہجے میں کہا۔

تم انچارج صاحب کو بتا دو۔

بتا دوں گی۔ کانسٹیبل بدستور کھردرے لہجے میں بولی اور لاک اپ سے باہر نکل گئی۔ پورا دن گزر گیا۔ دوپہر کو اور پھر شام کو اسے کھانا دیا گیا۔ پھر رات ہوگئی۔

دوسرے صبح پھر وہی کانسٹیبل آئی۔ اور اس نے اسے چائے کی ٹرے دیتے ہوئے کہا۔

او کھا لے کچھ۔ یہاں تیری ماں نہیں بیٹھی جو تجھے ترلے کر کے کھلائے گی۔ کل سے کچھ نہیں کھایا ہے مر جائے گی۔

میں فون کرنا چاہتی ہوں۔

چاہتی رہ، تیرے چاہنے سے کیا ہو سکتا ہے۔ میں نے انچارج جی کے کان میں ڈال دیا تھا۔ اور سن چائے جلدی پی لے۔ عدالت جانا ہے آج۔

اسے منہ ہاتھ دھونے کا موقع دیا گیا اور پھر پولیس کی گاڑی میں اسے عدالت لے جایا گیا۔ سب کچھ ایک سحر خواب کی مانند۔ کسی فلم کے منظر کی طرح۔ جج عدالت میں داخل ہوا تو سب نے کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ وہ پولیس کی تحویل میں باہر سے اندر کمرے کا منظر دیکھ رہی تھی جج صاحب کام نمٹانے لگے۔ لیڈی پولیس اس کے ہاتھوں میں لگی ہتھکڑیاں پکڑے کھڑی رہی۔ پھر اس نے بیلف کے منہ سے اپنا نام سنا۔ شمائل حسین۔

کانسٹیبل اسے لے کر اندر داخل ہوئیں اور اس کے ہاتھوں کی ہتھکڑیاں کھول دی گئیں۔ پھر اسے کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا۔ عمر رسیدہ جج نے نظریں اٹھا کر

اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا کیونکہ اس کے سامنے ہر طرح کے ملزم آتے رہتے تھے، خوش پوش، بد ہیئت،...... بدصورت۔ پیش کار نے شمائل کا چالان پیش کیا اور جج اس چالان کا معائنہ کرتا رہا۔ پھر اس نے گردن اٹھا کر دوبارہ شمائل کو پہلے کی نسبت غور سے دیکھا۔ شمائل کو یوں لگا جیسے جج اس سے صورت احوال معلوم کر رہا ہو۔

وہ یک دم بول پڑی......؟

''جناب عالی، یہ قتل میں نے نہیں کیا۔ یہ تو ایک حادثہ تھا۔ وہ مجھے بے آبرد کرنا چاہتا تھا۔ میں زمین پر گری تھی وہ بھی گرا تھا اور پھر وہ......

''ایک منٹ، ایک منٹ۔ ڈسٹرکٹ اٹارنی نے مدافعت کی۔'' جناب عالی، یہ عورت عدالت کا وقت ضائع کر رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خنجر سے مسلح یہ عورت چوری چھپے راؤ بدرالدین کے بنگلے میں داخل ہوئی، اس کی نیت چوری کی تھی، اچانک راؤ صاحب اس کے سامنے آئے اور انہوں نے اسے للکارا تو یہ بھاگنے لگی لیکن راؤ صاحب چونکہ دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے اور راستے میں تھے اس لیے اس نے ان پر خنجر سے وار کیا اور وہاں سے نکل بھاگی۔

شمائل کے ہوش اڑ گئے۔ ایک لمحے تک تو وہ آنکھیں اور منہ پھاڑے خود پر یہ انوکھا الزام لگانے والے کو دیکھتی رہی پھر پھٹی پھٹی آواز میں بولی۔

''یہ...... یہ تم کیا بات کہہ رہے ہو۔

''وہ بات جو ایک ٹھوس سچائی ہے۔ کورٹ آفیسر نے کہا۔ وہ خنجر موجود ہے جس سے اس نے ایک معزز شخص راؤ بدرالدین کو زخمی کیا۔ اس پر اس کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔

بدرالدین کو زخمی کرنے کے بعد اس نے وہاں سے قیمتی اشیاء چرائیں اور وہاں سے نکل گئی۔ یہ اقدام قتل اور ڈکیتی کی ملزمہ ہے۔ اسے اس جرم کی بدترین سزا دی

جائے۔

جج نے شمائل کی طرف دیکھا اور بولا۔تمہارا کوئی وکیل ہے۔

نہیں جناب عالی۔میں......

کیا تمہارے پاس وکیل کو ادا کرنے کے لیے رقم ہے......؟

جناب عالی۔یہ سارے الزامات جھوٹے ہیں۔

عدالت تمہیں ایک وکیل مہیا کرے گی۔تمہیں پانچ لاکھ روپے کی ضمانت دینا ہوگی ورنہ تمہیں جیل جانا ہوگا۔ہوں اگلا کیس۔

میری بات تو سنئے جناب۔میری حقیقت۔

کسی نے اس کی بات نہیں سنی اور اسے کمرے سے باہر لے آیا گیا۔پھر پولیس کی جیپ اسے لے کر چل پڑی۔وہ عجیب دغریب احساسات کا شکار تھی۔اس انوکھے اقدام نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔یہ کیا بکواس تھی۔کتنا گھٹیا الزام لگایا گیا تھا اس پر۔کس سے فریاد کرے۔کیا کرے۔

ایک بار پھر اسی لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ویسے عدالت کا رویہ بھی اسے بہتر نہیں لگا تھا۔کم از کم اس کی کچھ تو سنی جاتی۔وہ انہیں اپنی حقیقت بتاتی، یہ بتاتی کہ وہ چور ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ وہ ایک بہترین ملازمت کرتی ہے اور صاحب حیثیت ہے۔وہ بتاتی کہ اس کی ماں کو سازش کر کے خودکشی پر مجبور کیا گیا ہے اور ایسا کرنے والا راؤ بدر الدین ہے۔بہت سی باتیں بتانی تھیں اسے۔مگر اسے موقع ہی نہیں دیا گیا۔یہ موقع اسے کب دیا جائے گا۔دیا بھی جائے گا یا نہیں۔ایسا ہوتا تو نہیں ہے۔ٹکے ٹکے کے ملزم عدالتوں میں حلق پھاڑ پھاڑ کر چیختے دکھائے جاتے ہیں کیا یہ صرف فلموں میں ہی ہوتا ہے۔آہ کیا کہانی شروع ہوئی ہے۔اب یہ کس طرح آگے بڑھے گی۔

کہانی یوں آگے بڑھی کہ لاک اپ میں ایک شخص اس سے ملنے آیا۔اس کی عمر کوئی پینتیس یا اڑتیس سال کی ہوگی اور اس کے چہرے سے ذہانت ٹپکتی تھی۔اس کی آنکھوں کا رنگ بے حد خوبصورت چہرے کے نقوش بھی اچھے۔سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کی آنکھوں میں ہمدردی تھی۔

''میرا نام توصیف احمد شیخ ہے۔عدالت کی جانب سے مجھے تمہاری وکالت کے لیے متعین کیا گیا ہے۔ویسے میں تمہیں بتاؤں مس شمائل! کچھ واقعات میرے علم میں لائے گئے ہیں' ان کی تفصیل تو میں تم سے معلوم کروں گا ہی' لیکن اپنے تجربے کی بناء پر میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ تم صورت سے مجرم نظر نہیں آتیں۔بہر حال میں تمہارا وکیل ہوں۔''

''مسٹر توصیف! میں واقعی مجرم نہیں ہوں۔میں قسم کھاتی ہوں کہ میں مجرم نہیں ہوں۔''

''مجھے مکمل طور پر شروع سے آخر تک کے واقعات بتاؤ اور سنو میں اسی وقت بہتر طور پر تمہارا کیس لڑ سکتا ہوں جب تم مجھے ساری سچائیاں بتا دو۔''

اور شمائل نے اس طرح اپنے غم کی داستان اس کے گوش گزار کی جیسے اس کا سب سے ہمدرد آدمی اس کے سامنے ہو۔پتہ نہیں یہ وکیل کی پر اثر شخصیت تھی یا ایک

بھرا ہوا دل جو سب کچھ کہہ دینا چاہتا تھا اور کہہ رہا تھا۔

اس نے ساری تفصیل سنی اور پھر پرخیال انداز میں بولا۔

''بہت بری طرح پھنسایا گیا ہے تمہیں اور مجھے معاف کرنا' تم نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو اس جال کے حوالے کیا ہے۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔''

''خیر اس کا کیس بھی بہت زیادہ مضبوط نہیں ہے' لیکن بہر حال قاتلانہ حملہ تو ثابت ہو جاتا ہے ــــــ اور پھر تم خود سوچو جو کچھ اس نے تمہاری ماں کے ساتھ کیا' اگر وہ تحریری شکل میں تمہیں دے بھی دیتا' میرا مطلب ہے لکھ کر دے دیتا تو اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا تھا' وہ سیدھی سیدھی بات کہہ سکتا تھا کہ تم نے خنجر کی نوک پر اس سے یہ تحریر لکھوائی تھی۔

''واقعی آپ ٹھیک کہتے ہیں مسٹر توصیف' میں نے سوچا تھا کہ اگر میں اس طرح اس سے سچ اگلوانے میں کامیاب ہو گئی تو پھر اس کے خلاف تحقیقات ہو سکے گی۔''

''ایک بات بتایئے محترمہ شمائل' آپ اس مکان میں کس طرح داخل ہوئی تھیں۔''

''میں نے دروازے کی گھنٹی بجائی اور ایک ملازم مجھے اندر لے گیا۔''

''ہوں ــــــ جبکہ کوئی ملازم اس بات کا اعتراف نہیں کرتا کہ تم کھلے دروازے سے آئیں۔ راؤ بدرالدین کا بیان ہے کہ مکان کی پشت پر ایک ٹوٹی ہوئی کھڑکی موجود ہے اور یہ کھڑکی تم نے توڑی تھی' اور اسی سے تم اندر داخل ہوئیں۔ اس نے پولیس کو بیان دیا ہے کہ تم قیمتی اشیاء چوری کرتے ہوئے پکڑی گئیں اور جب اس نے تمہیں روکنے کی کوشش کی تو تم نے اس پر حملہ کر دیا۔''

''لیکن یہ جھوٹ ہے۔'' شمائل نے کہا۔

''اس کا بولا ہوا جھوٹ ہے اور مکان اس کا اپنا ہے' اور خنجر یا چھری تمہاری ہے' یہ بھی آسانی سے پتہ چل جائے گا کہ یہ چھری تم نے کہاں سے حاصل کی' ویسے معاف کرنا مس شمائل! تمہیں مشورہ دینے والا کوئی بھی نہیں تھا' کیا تمہیں اندازہ ہے کہ جس شخص پر تم نے حملہ کیا اور اسے زخمی کر دیا' اس کی اپنی حیثیت کیا ہے۔''

''میں اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی۔''

''یہی تو سب سے بڑی معاف کرنا بیوقوفی ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں وہ جس شخص کا دست راست ہے' یوں سمجھ لو نہ صرف فیصل آباد بلکہ اس کے آس پاس کے علاقوں پر اس کی حکومت ہے۔ یہاں کوئی اس کی مرضی کے بغیر سر بھی نہیں ہلا سکتا' اگر تمہیں کوئی عمارت تعمیر کرنے' سڑک بنانے' شراب خانہ قائم کرنے' جوئے اور منشیات کا اڈا چلانے کی اجازت چاہیے تو یہ اجازت تمہیں صرف چوہدری اللہ داد دے گا' اور بدرالدین اس کا خاص آدمی ہے' ایک طرح سے تم یہ سمجھ لو کہ چوہدری کی تنظیم بہت اہمیت کی حامل ہے اور تم نے ایک ایسے شخص سے اتنا بڑا کام کرانا چاہا' بتاؤ کیا یہ کوئی عقل کی بات تھی یا یہ کام اتنا آسان تھا۔''

شمائل جیسے گونگی ہو گئی تھی' اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ واقعی اس نے ایک ایسے کام میں ہاتھ ڈالا تھا جو اس کے شایان شان یا پھر یہ کہا جائے کہ اس کے بس کا نہیں تھا۔ شان و شوکت کی تو بات ہی خیر بالکل بے مقصد ہے' اصل میں اسے چاہیے تھا کہ ان حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد سب سے پہلے وہ آفاق حیدر سے رابطہ قائم کرتی' اسے صورت حال بتاتی اور ان سے مشورہ لیتی۔ اب تو وہ اس قابل بھی نہیں رہی تھی۔ بہر حال اس نے کہا۔

''میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے جلد بازی کی' لیکن یہ بتاؤ کیا تمہیں میری بات کا یقین ہے مسٹر توصیف۔ کیا تم میری مدد کر سکتے ہو؟''

''ہاں مجھے تمہاری بات کا یقین ہے اور میں تمہاری مدد کرنے کی پوری پوری

کوشش کروں گا۔ لیکن میں تمہیں ان لوگوں کے بارے میں بتا رہا ہوں انہیں کسی جرم میں پھانسنا انتہائی مشکل کام ہے۔ وہ بڑی پہنچ کے مالک ہے۔ بے شمار جج ان کی مرضی کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکتے۔ اور میں تمہیں سچ بتاؤں کہ اگر تم نے مقدمے پر اصرار کیا مس شائل تو وہ تمہیں اتنا گہرا دفن کر دیں گے کہ تم پھر کبھی دن کی روشنی نہیں دیکھ سکو گی۔"

"مقدمے پر اصرار کیا؟" شائل نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔ "اس بات کا کیا مطلب ہے مسٹر توصیف؟"

"میں نہیں چاہتا کہ تم باقاعدہ کسی مقدمے کے چکر میں پڑو۔ کیونکہ پھر سب کچھ تمہارے خلاف ہوگا۔ یہاں بے شمار افراد کچھ کرنے کے خواہش مند ہیں، لیکن جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ چوہدری گروپ انہیں کچھ نہیں کرنے دیتا، ہاں ایک شخص ایسا ہے، جسے خریدنے میں چوہدری گروپ کو کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔"

"وہ کون ہے۔"

"جج ہے وہ اور اس کا نام علی ضرغام ہے، اگر میں اس کا بندوبست کر سکا کہ اس کیس کی سماعت علی ضرغام کرے تو مجھے کسی حد تک یقین ہے کہ میں تمہارے لیے کچھ کر سکوں گا، حالانکہ یہ بات عام اخلاقی اصولوں کے خلاف ہے، لیکن میں علی ضرغام سے ذاتی طور پر ملاقات کروں گا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علی ضرغام کو چوہدری گروپ سے بے پناہ نفرت ہے اور اتنی ہی نفرت مجھے راؤ بدرالدین وغیرہ سے ہے۔"

"تو پھر۔"

"میں خفیہ طور پر علی ضرغام سے ملوں گا۔"

"ایک کام براہ کرم آپ اور کر دیجئے مسٹر توصیف۔"

"ہاں ہاں بولو تمہیں جو بھی چاہیے بتا دو، میں ذاتی طور پر بھی تم سے ہمدردی محسوس کر رہا ہوں، کیونکہ میں یہ بات بھی جانتا ہوں کہ تم اپنی سادگی میں اپنی گردن

میں موت کا پھندہ ڈال چکی ہو۔"

"میں کراچی فون کرنا چاہتی ہوں، مجھے اس کی کوئی مہلت نہیں دی گئی۔"

"نہیں یہ غلط ہے، میں اس کا بندوبست کرتا ہوں۔"

توصیف شیخ نے انچارج سے بات کی اور شائل کا کھانا انچارج کے کمرے میں پہنچا دیا۔

شائل نے آفاق حیدر کے موبائل پر فون کیا، لیکن یہ فون آفاق حیدر کے دفتر کے منیجر نے ریسیو کیا۔ اس نے کہا۔

"جی مس شائل، آفاق صاحب تو بزنس کے ایک ضروری سلسلے میں جاپان گئے ہوئے ہیں، موبائل میرے پاس ہے۔ جاپان میں ان سے ابھی کوئی رابطہ ممکن نہیں ہے۔"

"واپسی کب تک ہے۔؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن براہ کرم آپ اپنا کانٹیکٹ نمبر دے دیجئے، جیسے ہی وہ واپس آئے یا ان سے کوئی رابطہ ہوا میں آپ کو اس نمبر پر رنگ کرا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے، آپ براہ کرم جسے بھی موقع ملے انہیں میری اس کال کے بارے میں بتا دیجئے۔"

توصیف نے تھانہ انچارج سے بات کی اور کہا کہ اگر شائل کوئی اور فون کرنا چاہے تو وہ اس کی مدد کرے۔

بہرحال زندگی ایک عجیب مشکل مرحلے سے دوچار ہوگئی تھی۔ ماں سے تو خیر ہاتھ دھو ہی بیٹھی تھی۔ لگ رہا تھا کہ زندگی کے اس نئے سفر پر بھی نہ جا سکے گی، جس کا آغاز آفاق کے ساتھ ہونے والا تھا۔

آفاق کے اہل خاندان تو شاید اس سلسلے میں تیار ہی نہیں تھے۔ ان کے رویے سے پتہ چلتا تھا، لیکن اب تو انہیں مزید موقع مل جائے گا اور آفاق کے اندر یہ

تبدیلی کیسے رونما ہوگئی۔ کیا یہ صرف اتفاق ہے کہ اس کی ماں کے انتقال کی خبر سن کر بھی وہ اتنا مضطرب نہیں ہوا' جتنا شمائل کے خیال میں اسے مضطرب ہونا چاہیے تھا۔ بہر حال اب تو وقت سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا'

دوسرے دن توصیف شیخ دوبارہ اس سے ملنے آیا۔ اس کے چہرے پر ایک اطمینان رقصاں تھا۔ اس نے کہا۔

''مس شمائل۔ میں ابھی ابھی علی ضرغام سے مل کر آ رہا ہوں' میں نے اس سے بات کر لی ہے اور ہمارے درمیان بہت سے امور طے ہو گئے ہیں' میں نے جج علی ضرغام کو تمہاری پوری کہانی سنائی اور وہ تمہاری جانب سے اعتراف جرم قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔''

''اعتراف جرم۔'' شمائل آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ ''مگر میں نے تو ______''

''میری بات سنو۔'' توصیف نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکتے ہوئے کہا۔

''تمہارے اعتراف جرم کر لینے سے اس مقدمے کی پوزیشن تبدیل ہو جائے گی' کوئی تفتیش نہیں کی جائے گی' البتہ میں نے جج صاحب کو یہ بات سمجھا دی ہے کہ تم چور نہیں ہو بلکہ تمہارا مسئلہ بالکل مختلف تھا۔ لیکن قانون تو حقیقتوں کے ساتھ یا ثبوتوں کے ساتھ چلتا ہے' جج کو البتہ اس بات کا یقین ہے کہ راؤ بدرالدین کے بیانات غلط ہیں۔''

''لیکن مسٹر توصیف! اگر میں نے خود کو مجرمہ تسلیم کر لیا تو میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔'' شمائل نے پریشان ہو کر کہا۔

''تین مہینے کی سزا' صرف تین مہینے کی سزا' یہ تین مہینے کی سزا تمہیں دی جائے گی' اور بعد میں وہ اس سزا کو معطل کر دیں گے اور تم یہ تین مہینے جیل سے باہر گزار سکتی ہو۔''

''گویا میرا کیریئر تو تباہ ہو جائے گا۔''

''سنو۔'' توصیف اے شیخ نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''اگر وہ تمہارے اوپر مسلح ڈکیتی اور اقدام قتل کے الزام میں مقدمہ چلاتے ہیں تو جانتی ہو اس جرم کی سزا کیا ہوگی۔ دس سال قید بامشقت تک' سمجھ رہی ہو میری بات۔''

''دس سال قید بامشقت۔'' شمائل کی زبان سے نکلا۔

''ہاں اب فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔'' توصیف نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور پھر بولا۔

''میں تو تمہیں صرف اپنے بہترین مشورے دے سکتا ہوں' تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ اس کیس کو جج علی ضرغام کے پاس پہنچانے میں مجھے کتنی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا' میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں تاکہ میں علی ضرغام سے دوبارہ مل کر اسے یہ بتا سکوں کہ تم اس کے لیے تیار ہو گئی ہو۔ تاہم اگر تمہیں میری بات منظور نہیں ہے تو تمہارے لیے دوسرے وکیل کا بندوبست ہو جائے گا۔''

''نہیں مسٹر توصیف! مجھے آپ کی ایمانداری پر بھروسہ ہے' میں جس طرح آپ کہیں گے اس طرح کرنے کو تیار ہوں۔''

''گڈ ٹھیک ہے میں کام شروع کرتا ہوں۔''

توصیف کے جانے کے بعد ایک بار پھر اس پر مایوسیوں کا حملہ ہوا۔ اس وقت آفاق سب سے بڑی چیز تھی اس کے لیے' لیکن پتہ نہیں کیا ہوا ہے' اس نے خود ہی اپنے آپ کو اس سوال کا جواب بھی دے لیا' آفاق تو فوراً آنا چاہتا تھا لیکن وہی ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار ہو گئی تھی اور اس نے اسے منع کر دیا تھا۔

جب شمائل کو عدالت لے جایا جا رہا تھا تو اس نے ایک بار پھر تھانہ انچارج سے کراچی فون کرنے کی اجازت طلب کی' تھانہ انچارج بولا۔

''نہیں بی بی۔ یہ سرکاری فون ہے' اور ہمیں بھی جواب دینا ہوتے ہیں۔''

حالانکہ توصیف شیخ نے تھانہ انچارج سے بات کی تھی کہ اگر شمائل فون کرنا

چاہے تو اسے اس کی اجازت دے دی جائے' اس وقت تو انچارج نے مان لیا تھا' لیکن اب صاف انکار کر دیا تھا' شمائل بیچارگی سے آگے بڑھ کر پولیس کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ آخر کار اسے ایک بار پھر کمرۂ عدالت میں پیش کر دیا گیا۔

وہ خونخوار وکیل جو عدالت کی طرف سے ہوتا ہے اور جسے کورٹ آفیسر کہتے ہیں' کھڑا ہوا اسے کڑی نگاہوں سے گھور رہا تھا' دوسری طرف توصیف شیخ کھڑا ہوا تھا ۔کمرہ البتہ تبدیل تھا اور اس کے دروازے پر علی ضرغام لکھا ہوا تھا۔علی ضرغام عدالت کی کرسی پر موجود تھا۔ بھاری بھرکم شخصیت کا مالک عمر پچپن چھپن سال کی ہوگی۔وہ شمائل سے مخاطب ہوا اور بولا۔

''عدالت کو بتایا گیا ہے کہ ملزمہ اپنا بیان تبدیل کرنا چاہتی ہے اور اپنے جرم کا اعتراف کرنا چاہتی ہے' کیا یہ سچ ہے۔؟''

''جی ہاں جناب عالی۔'' شمائل نے کہا۔

''کیا فریقین اس بات سے متفق ہیں؟'' جج نے پوچھا۔

''جی ہاں جناب عالی۔'' کورٹ آفیسر نے کہا۔

جج تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

''ملزمہ نے اعتراف کر لیا ہے کہ اس نے شہر کے ایک ممتاز شہری کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ایک ایسے شہری کو جس کے رفاہی کارنامے اور نیک کام ایک مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ملزمہ نے اس شخص پر اس وقت ایک آبدار خنجر سے حملہ کیا ۔جب اس نے اسے اپنے گھر میں چوری کی کوشش کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا۔ چنانچہ اس جرم کی پاداش میں ملزمہ کو دس سال قید بامشقت کی سزا دی جاتی ہے۔''

جج نے فیصلہ لکھ دیا۔شمائل کو کمرۂ عدالت گھومتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ایک دم اسے لگا کہ اس کے ساتھ بھیانک مذاق کیا گیا ہے۔اس نے وکیل توصیف شیخ کی طرف گھوم کر دیکھا' لیکن توصیف شیخ نے رخ تبدیل کر لیا تھا' وہ اپنے کاغذات کو

بریف کیس میں رکھ رہا تھا۔

جج اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا' شمائل گونگی بنی ہوئی کھڑی تھی۔اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا' لیکن اب اتنی ناسمجھ بھی نہیں تھی وہ۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد سب کچھ اس کی سمجھ میں آ گیا۔اسے ایک گھناؤنی سازش کا نشانہ بنایا گیا تھا۔دفعتہً ہی وہ زور سے چیخی۔

''نہیں جناب عالی! ایک زبردست غلطی ہو گئی ہے۔'' لیکن شمائل کی چیخ سننے والا یہاں کوئی نہیں تھا۔وہ لوگ اسے تباہ کرنے میں مصروف تھے۔ بالکل اس طرح جس طرح انہوں نے اس کی ماں کو تباہ کر دیا تھا۔اور اچانک ہی جب دو لیڈی کانسٹیبل شمائل کے دائیں بائیں آ کھڑی ہوئیں تو شمائل کو احساس ہو گیا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ سارا کھیل ختم ہو چکا ہے۔

حالانکہ شمائل کوئی بہت بڑی شخصیت کی مالک نہیں تھی' لیکن اس کی شخصیت کو منظر عام پر لایا جا رہا تھا۔اس کے جرم اور اس کی سزا کی خبر کئی اخبارات نے چھاپی اور اس کی تصاویر بھی شائع کی گئیں۔ایک تصویر جو پولیس اسٹیشن پر لی گئی تھی' ملک کے بڑے بڑے اخبارات میں نمایاں طور پر شائع ہوئی اور پھر وہ اس وقت بھی حیران رہ گئی جب لاہور ٹیلی ویژن کے نمائندے اس کے پاس پہنچ گئے۔انہوں نے اس سے ملاقات کی کوششیں شروع کر دیں اور شمائل نیم دیوانی سی ہو گئی۔

بہرحال ان تمام کوششوں میں ایک دن اسے کال کرنے کی اجازت مل گئی اور اس نے آفاق حیدر کو آخر کار تلاش کر ہی لیا۔

''شمائل کیا یہ تم ہو۔؟'' آفاق حیدر کا لہجہ جس قدر سپاٹ تھا اسے سن کر شمائل دم بخود رہ گئی۔ پھر وہ بولی۔

''ہاں آفاق میں تم سے رابطہ قائم کرنے کی برابر کوشش کرتی رہی مگر''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ سب کیا ہے' اخبارات میں تمہارے بارے میں جو

کچھ شائع ہوا ہے‘ کیا وہ تصویر تمہاری ہے۔ کیا میں اس بات پر یقین کرلوں کہ کہ ______‘‘

’’نہیں آفاق غلط ہے۔ یقین کرو سب کچھ غلط ہے۔‘‘

’’مگر تم اس وقت کہاں ہو۔‘ آفاق نے سوال کیا۔

’’میں جیل میں ہوں اور وہ لوگ مجھے کسی نامعلوم جیل میں بھیج رہے ہیں جبکہ آفاق میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے‘ خدا کی قسم! ساری کہانی بنائی ہوئی ہے۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔‘‘

’’مگر اخبارات کی خبریں تو یوں ہیں کہ تم نے باقاعدہ عدالت میں جج کے سامنے اقرار جرم کیا ہے۔ تم نے کسی آدمی پر قاتلانہ حملہ کیا‘ کیا یہ صحیح ہے۔

’’میں نے اس پر چھری سے حملہ کیا تھا‘ مگر بات وہ نہیں تھی۔ جس طرح اسے پیش کیا گیا ہے‘ تم مجھ سے ملو تو میں تمہیں بتاؤں‘‘

’’تم صرف ایک بات کا جواب دو مجھے۔‘‘ آفاق حیدر نے بھاری آواز میں کہا۔

’’ہاں پوچھو پوچھو۔‘‘

’’کیا تم نے عدالت کے سامنے یہ اقرار کیا ہے جس کی تفصیل اخبارات نے دی ہے۔‘‘

’’ہاں ____ لیکن صرف اس لیے کیونکہ ____‘‘

’’اوہ میرے خدا۔ تم چور ہوسکتی ہو‘ کیسے ممکن ہے‘ تمہیں کچھ بھی چاہیے تھا‘ ایک بار تم مجھ سے کہتیں‘ کسی چیز کے حصول کے لیے تم نے ایک شخص کو ہلاک کرنے کی کوشش کی‘ مجھے یقین نہیں آتا‘ میرے والدین بھی حیران ہیں‘ کمال ہے‘ کیا تم نے اخبارات دیکھے۔؟‘‘

’’تمہاری خبر کے ساتھ گوریچہ خاندان کا حوالہ بھی دیا گیا ہے اور تمہارا مجھ

سے رابطہ منظر عام پر لایا گیا ہے‘ آج صبح کے اخبارات میں یہ تمام چیزیں چھپی ہیں۔‘‘

’’آفاق مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ پلیز یہاں آجاؤ‘ میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گی۔ تمہیں میری مدد کرنا ہوگی آفاق‘ میں جانتی ہوں تم سب کچھ ٹھیک کرسکتے ہو۔‘‘

’’سوری شائل! میں نہیں سمجھتا کہ میں اس معاملے میں کچھ کرسکتا ہوں‘ آفاق کی آواز میں کچھ ایسی بات تھی کہ ایک بار پھر شائل کانپ کر رہ گئی۔‘‘

’’آفاق ____‘‘ وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

’’تم نے عدالت کے سامنے ہر چیز کا اعتراف کرلیا ہے۔ میرا خاندان اس قسم کے معاملات میں ملوث ہونا کبھی پسند نہیں کرے گا اور اب مجھے ایک عجیب احساس ہو رہا ہے شائل‘ وہ یہ کہ اتنا عرصہ تمہارے ساتھ رہنے کے باوجود میں تمہیں جان نہیں سکا تھا۔

’’آفاق۔‘‘ شائل نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس نے اپنے آپ کو اس سے پہلے کبھی تنہا نہیں محسوس کیا تھا۔ وہ کہنے لگی۔

’’آفاق ____ بچے کا کیا ہوگا؟‘‘

’’تم اس سلسلے میں جو چاہو کرو‘ مجھے افسوس ہے شائل‘ میں نے بہت سے دروازے بند کردیے ہیں اور اب میں فون بند کر رہا ہوں۔‘‘

دوسرے دن جیل میں جو شخص اس سے ملنے آیا وہ اس کے باپ کا دوست رحیم شاہ تھا۔ رحیم شاہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے اور وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑا لگنے لگا تھا۔ وہ کمزور‘ بیمار اور بوڑھا نظر آرہا تھا۔

’’اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں اپنے دوست حسین شاہ اور بھابی زمرد حسین یا تمہیں بھول گیا تو بیٹا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اپنی کمزوری اور بے بسی کا اعتراف تو میں پہلے ہی کرچکا تھا اور میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا۔ جوش اور جذبات ہمیشہ نقصان کا باعث

ہوتے ہیں' تھوڑا سا سوچ لیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ لیکن میں تم سے کیا کہوں۔ اور میں نہیں جانتا کہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے کچھ بھی نہیں' حالانکہ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو کچھ ہوا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا' لیکن جو لوگ تمہارے دشمن بنے' خدا نے انہیں بہت بڑی طاقت دی ہے۔ اب یہ تو وہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے انسانوں پر انسانوں کو کیوں مسلط کر دیا ہے' ہم تو اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ ہمارا محافظ ہے۔ لیکن کبھی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بہر حال۔''

''میں صرف ایک سوال جاننا چاہتی ہوں رحیم الدین چاچا۔ وہ یہ کہ میری ماں کی تدفین کیسے اور کہاں ہوئی؟''

''سرکاری طور پر اسے دفن کر دیا گیا ہے اور اس کی تدفین میں خود میں بھی شریک ہوا تھا۔''

رحیم شاہ نے اسے اس قبرستان کے بارے میں بتایا' پھر بولا۔

''کیا تم اپنی ماں کی قبر پر جانا چاہتی ہو؟'' وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔

''کیا فائدہ؟''

''نہیں اگر تمہاری خواہش ہو تو میں جدوجہد کروں۔''

''نہیں۔ اپنی ماں کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے میں نے جس جدوجہد کا آغاز کیا تھا اس کے نتیجے میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوں۔ بس دیکھتی ہوں کہ آگے کیا ہوگا۔''

رحیم شاہ دکھ سے گردن ہلاتا ہوا چلا گیا تھا۔ ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ جس کی اطلاع ایک خونخوار شکل کی پولیس والے نے دی تھی۔

شمائل کے لیے اب سوچوں کے سوا اور کیا رہ گیا تھا' اسے اپنی اور آفاق حیدر کی گفتگو کا ایک ایک لفظ یاد تھا اور وہ اس پر غور کر رہی تھی۔ آفاق نے اسے وضاحت کا کوئی موقع ہی نہیں دیا تھا۔ بہت سے مسائل اس کے سامنے کھڑے تھے۔ خاص طور

سے وہ اپنے بچے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

کتنی ہی بار ٹیلی ویژن پر اور ایک آدھ بار فلم میں اس نے ان عورتوں کے بارے میں تفصیلات دیکھی اور پڑھی تھیں جنہوں نے جیلوں میں بچوں کو جنم دیا تھا۔ لیکن وہ ساری کہانیاں اس وقت زندگی سے اتنی دور تھیں کہ وہ ان کا حصہ بننے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی' اور اب اس کے ساتھ خود اس کے ساتھ ایسا ہو رہا تھا۔

آفاق نے بچے کی کوئی ذمے داری قبول نہیں کی تھی اور اس کے آگے شمائل کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ جو معصوم وجود اس کے شکم میں پرورش پا رہا تھا وہ بے شک ایک ایسا عمل تھا جس کے سلسلے میں شمائل نے بہت مختلف انداز میں سوچا تھا۔

اس نے یہ سوچا تھا کہ آفاق سے قربتوں کا جو نتیجہ ظاہر ہوگا وہ اس کے وجود کو اس خاندان میں مستحکم کر دے گا۔ آفاق خود اس کا فیصلہ کرے گا۔ لیکن آفاق نے آنکھیں پھیر لی تھیں۔ وہ اس بچے کو جنم دینا اور اس کی پرورش کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ بچے کو اس کے ساتھ رہنے بھی دیا جائے گا یا نہیں کیونکہ زندگی کے دس سال اسے جیل میں گزارنا ہوں گے۔

بے بسی کا بہترین اظہار آنسوؤں کے ذریعے ہوتا ہے اور آنسوؤں کا ذخیرہ اس کے پاس کافی حد تک موجود تھا۔

دوسرے دن صبح کو پانچ بجے ایک مرد گارڈ میٹرن کے ساتھ جیل کی اس کوٹھڑی میں داخل ہوا' اور اس نے شمائل کو بتایا کہ اسے یہاں سے ایک اور جیل میں منتقل کیا جا رہا ہے۔

شمائل بھلا اس سلسلے میں کیا احتجاج اور اعتراض کرتی' خاموشی سے گردن جھکا دی لیکن جب وہ زنانہ جیل کے کاریڈور میں سے گزر رہی تھی تو قیدی عورتیں اس پر طرح طرح کی آوازیں کسنے لگی تھیں۔

''جوان لڑکی! کہاں کہاں جارہی ہے۔؟''

''سنا ہے زبردست چور ہے۔ جیب کاٹتا آتا ہے یا گردن کاٹنا''

''تھوڑے دن تک رہائی مل جائے گی' موقع ہو تو مل لینا۔''

''جیل میں جا کر خوب مزے اڑانا''

''ایک بات میں تم سے کہوں ڈارلنگ۔'' ایک کوٹھری میں سے ایک عورت نے کہا۔ ''جس جیل میں تم جارہی ہو' وہاں ایک شخص کا تمہیں پتہ بتائے دیتی ہوں' اگر پتہ نہ معلوم ہو تو اس کا پتہ تلاش کر لینا۔ اس کا نام نام دلاور شاہ ہے' سچ مچ کا شاہ ہے وہ جرائم کی دنیا کا بادشاہ۔ اتنا طاقتور ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں' وہ تمہاری حفاظت بھی کرے گا اور مدد بھی' خاص طور سے جیل میں اس کی بہت سی کارکنیں پھیلی ہوئی ہیں' ان میں سے ایک کا نام میں تمہیں بتائے دیتی ہوں' اس کا نام دانیہ ہے۔ دانیہ ______''

عورتیں فضول باتیں کرتی رہیں' جب شائل باہر نکلی تو اس نے جیل کے احاطے میں ایک بس کھڑی دیکھی' جس میں بہت سی عورتیں پہلے ہی سے موجود تھیں۔ اسی بس میں شائل کو بھی سوار کرا دیا گیا اور بس روانہ ہوگئی۔

تھوڑی دیر تک تو شائل شدید ڈپریشن کا شکار رہی اور اس کے بعد اس نے اپنی ساتھی قیدیوں کے چہروں کا جائزہ لیا۔ ان سب کے چہروں پر مایوسی تھی۔ ان کی موجودہ زندگیوں کا خاتمہ ہو رہا تھا اور اب انہیں جانوروں کی طرح پنجرے میں بند ہو کر زندگی گزارنی تھی۔ خود اسے بھی۔

وہ اپنے آپ پر ہنسنے لگی۔ زندگی کا سب سے زیادہ ذلت آمیز اور سب سے زیادہ ناقابل یقین اور سب سے زیادہ المناک دور کا آغاز ہو چکا تھا۔

وہ ہنستے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اس بڑے اور عظیم الشان مکان کو دیکھ کر اس نے سوچا تھا کہ سنگ مرمر کی یہ حویلی اب اس کے قدموں تلے ہوگی۔ یہاں کے باورچی اور خاموش رہنے والے ملازم اس کے حکم کا انتظار کریں گے۔ لیکن نجانے اب

اسے کونسی حویلی ملنے والی ہے۔

وہ بڑی جیل کے دروازے سے اندر داخل ہوگئی' قیدیوں کو بھلا یہ بتانے کی کیا ضرورت ہے کہ انہوں نے یہ سفر کہاں سے کہاں تک کیا ہے۔ پانچ چھ گھنٹے کے اس سفر میں اسے کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کیونکہ جو بس اسے لے کر آئی تھی' اس میں باقاعدہ شیشوں کا انتظام نہیں تھا' بلکہ سروں سے اوپر کٹی ہوئی ایک جالی تھی' جس سے بیٹھے بیٹھے باہر نہیں دیکھا جا سکتا تھا بلکہ باہر دیکھنے کے لیے اٹھنا پڑتا تھا۔ لیکن اٹھنے کا تصور بھی خوفناک تھا کیونکہ جو خونخوار عورتیں قیدیوں کی نگرانی کے لیے بیٹھی ہوئی تھیں وہ ان کی ایک ایک جنبش پر نگاہ رکھ رہی تھیں۔ آخر کار ایک عظیم سفر ختم ہوا۔

شائل نے چونکہ جیل کی شکل دیکھ لی تھی اس لیے اس نئی اور وسیع و عریض جیل میں بس سے نیچے اترنے کے بعد وہاں کے جائزے نے اسے کسی نئے احساس کا شکار نہ ہونے دیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے یہ دو دراز فاصلہ طے کرا کر نئی جیل میں کیوں منتقل کیا گیا ہے۔ نہ ہی اس کی اپنی ساتھی قیدیوں سے کوئی بات چیت ہوئی تھی جو وہ ان سے اس بارے میں دریافت کرتی۔

ویسے بھی فائدہ کیا' زندگی کے دس سال' دس صدیاں' دس ہزار سال' سانسوں کی آخری حد جیل کے نام ہوگئی تھی' کیا پوچھنا کسی سے۔

آخر کار اسے دوسری قیدی عورتوں کے ساتھ سیل میں پہنچا دیا گیا۔ شائل کی زندگی کا سب سے زیادہ ذلت آمیز' سب سے زیادہ ناقابل یقین سب سے زیادہ المناک دور کا آغاز ہو چکا تھا۔ ویسے تو اب تک پے در پے حادثے گزرتے رہے تھے لیکن سب سے پہلے جس صدمے نے اس کے وجود کو لرزا کر رکھ دیا وہ یہ تھا کہ اسے اور اس کے ساتھ آنے والی دوسری عورتوں کو ہسپتال کے ڈاکٹر کے سامنے طبعی معائنے کے لیے پیش کیا گیا تو ڈاکٹر نے ان سب کو اپنے سارے کپڑے اتارنے کا حکم دیا۔

شائل کے علاوہ دوسری عورتیں بھی اس عجیب و غریب حکم پر ششدر رہ گئیں'

لیکن جب ساتھ کھڑی ہوئی ڈائن نما عورت کی زبان سے فحش گالیوں کا سیلاب امڈا اور اس نے چمڑے کا ایک ہنٹر سنبھالا تو عورتوں نے خاموشی سے ڈاکٹر کے حکم کی تعمیل کرنا شروع کر دی۔

شمائل کی آنکھوں میں ذلت کے شدید احساس کے باعث آنسو آ گئے۔

لیکن یہ جیل تھی‘ اب اسے خواب کا درجہ دینا بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ سکتے کے سے عالم میں تھی۔ پھر جس انداز سے اس کا طبی معائنہ کیا گیا وہ بھی بہت ہی عجیب تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک اسلامی ملک میں ایک تعلیم یافتہ شہری کے ساتھ ایسا سلوک بھی ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد اسے جیل کے وارڈن کے سامنے پیش کیا گیا۔

”تمہیں کسی بھی طرح کی کوئی ضرورت پیش آئے تو تم میرے پاس آ سکتی ہو۔“ وارڈن کو یہ الفاظ کہتے ہوئے خود بھی اس بات کا احساس ہوا تھا کہ اس کے یہ الفاظ کس قدر کھوکھلے بے معنی ہیں۔

وارڈن دیکھ رہا تھا کہ شمائل نوجوان اور خوبصورت عورت ہے اور اس کے لیے یہاں بے شمار خطرات موجود ہیں۔ پتہ نہیں کیوں وہ اس سلسلے میں تھوڑا سا نرم ہو گیا۔ اور اس نے ہمدردی سے شمائل کے بارے میں سوچا وہ جانتا تھا کہ جیل میں جو قیدی عورتیں ہیں وہ سب کی سب ہی معصوم صفت نہیں ہیں بلکہ ان میں کچھ تو اتنی خطرناک ہیں کہ ان کے بارے میں نجانے کیا کیا کہانیاں مشہور ہوئی ہیں۔

تشدد کا شکار ہونے والی عورتیں اپنی زبان بند رکھتی ہیں اور اگر کبھی ان میں سے کسی نے اپنی زبان کھولنے کی کوشش کی تو وہ پراسرار حالت میں مردہ ہی پائی گئی۔ وارڈن نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”اگر تمہارا ردعمل اچھا رہا تو تمہاری سزا کم سے کم ہو جائے گی۔“

”سر میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔“ وارڈن کے لہجے کی نرمی نے شمائل کی زبان

کو طاقت بخشی۔

”ہاں بولو۔“

”سر میں بے گناہ ہوں‘ یہ جگہ میرے لیے نہیں ہے۔“

وارڈن نے ایک بار پھر اسے ہمدرد نگاہوں سے دیکھا‘ یہ جملے وہ پہلے بھی بہت بار سن چکا تھا۔ اس نے بدستور نرم لہجے میں کہا۔

”عدالت نے تمہیں مجرم قرار دیا ہے بی بی‘ جو بہترین مشورہ میں تمہیں دے سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ پرسکون رہنے کی کوشش کرو اور حالات سے سمجھوتہ کر لو۔ اپنی سزا قبول کر لو گی تو زندگی تمہارے لیے آسان ہو جائے گی۔“

وہ خاموش ہو گئی۔ وارڈن نے اسے ٹھیک ہی مشورہ دیا تھا‘ لیکن دس سال۔

وہ یہ بھی جاننا چاہتی تھی کہ یہاں جیل میں اگر بچے کی پیدائش ہوئی تو اس کے بعد کیا ہو گا۔ کیا وہ لوگ بچہ اس سے چھین لیں گے۔ وہ تو اس لیے بچے کو پیدا کرنا چاہتی تھی کہ اس معصوم کی زندگی کیوں تباہ کی جائے جس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اپنی کوٹھری میں اس نے آفاق حیدر کے بارے میں سوچا‘ انسان سے بڑا درندہ اور کوئی ہو سکتا ہے اس کائنات میں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ گناہ میں نے ہی کیا ہے بلکہ صحیح معنوں میں گناہ تو میرا ہی ہے۔

میں نے بھی اپنے دل میں یہی سوچا تھا کہ آفاق کو اپنی زندگی کا ہر لمحہ سونپ کر میں اس کا دل جیت لوں گی اور وہ مجھے اپنانے پر مجبور ہو جائے گا۔ لیکن میری یہ سوچ ایک کمزور انسان کی طاقتور سوچ تھی۔ دو چیزیں متضاد ہو گئی تھیں۔ کمزوری اور طاقت۔ اپنی قوت کا تعین کرنے کے بعد اگر کوئی وار کیا جاتا ہے تو وہ زیادہ کارآمد ہوتا ہے بجائے اس کے کہ کمزور ہاتھوں سے کسی طاقتور کی گردن دبوچ لی جائے۔ لیکن آفاق ___ وقت تو مجھ پر سے گزر ہی جائے گا‘ جیسے بھی گزرنا ہے گزر ہی جائے گا‘ مگر تم انتہائی قابل نفرت ہو۔ میں اگر زندہ رہی اور حالات نے میرا ساتھ دیا تو بدلہ

لوں گی تم سے' آفاق۔ میں تم سے بدلہ لوں گی۔

اس جیل میں چونکہ بہت زیادہ قیدی تھے اور یہ محفوظ ترین جیل سمجھی جاتی تھی' اس لیے یہاں کے انتظامات بہت خراب تھے۔ یہاں جن بیرکوں میں ان لوگوں کو جگہ دی گئی تھی وہ گندے اور غلیظ اور انتہائی بدبودار تھے۔ یہاں مچھر اور چھوٹے لال بیگ وافر تعداد میں موجود تھے جبکہ پہلی جیل میں ایسا نہیں تھا۔

''وہ تمہارا بستر ہے۔'' سیل میں موجود ایک بھدی سی بدنما عورت نے گندے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔

''مجھے۔ مجھے یہاں سونا پڑے گا۔''

''تو پھر۔''

''نہیں میرا مطلب ہے یہ گدا' اس پر تو بڑے بڑے غلاظت کے دھبے پڑے ہوئے ہیں' ایک بات بتاؤ' مجھے نئے گدے کے لیے کس سے کہنا پڑے گا۔''

''خدا سے۔'' عورت نے کہا اور ہنستی ہوئی دوسری طرف مڑ گئی۔

پھر عورتیں اس سے اپنا تعارف کرانے لگیں اور اس سے اس کے بارے میں پوچھنے لگیں تو شمائل نے نڈھال لہجے میں کہا۔

''مجھے معاف کرنا میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔'' وہ گندے بستر کی طرف مڑی کچھ لمحوں تک اسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھتی رہی پھر خاموشی سے اس پر ڈھیر ہوگئی۔ اب کیا کیا جا سکتا تھا' سوائے اس کے کہ اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دے۔

اس نے آنکھیں بند کرلیں پھر گھنٹی بڑے زور زور سے بجی تو ایک ساتھی عورت نے کہا۔

''چلو اٹھو' لائن میں کھڑے ہونا ہے۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''یہاں کوئی اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ تمہیں بھوک ہے یا نہیں۔ لائن میں لگنا اور کھانے کے لیے شیڈ کے نیچے جانا ضروری ہے۔''

شمائل نے دوسری عورتوں کو لائن بناتے ہوئے دیکھا۔ ایک میٹرن نے اسے دور سے دیکھا اور بولی۔

''اے تو بہری ہے کیا' چل باہر نکل۔'' اس نے کئی گالیاں اسے دیں اور شمائل اٹھ کر باہر نکل آئی۔

''یہ تو زبردستی ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''خاموش رہو' لائن میں باتیں کرنا منع ہے۔''

پھر ان لوگوں کو اس شیڈ کے نیچے پہنچا دیا گیا جہاں زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانا پڑتا تھا۔ چنانچہ وہ بھی بیٹھ گئی اور دل میں سوچنے لگی کہ انسان کو یقینی طور پر اس کے گناہوں کی سزا ملتی ہے۔ میرے کون کون سے گناہ ایسے تھے جن کے عوض یہ سزا ملی۔ انسان بھلا اپنے گناہوں کو کہاں یاد رکھتا ہے۔

رات کو بستر پر لیٹ کر اس نے ایک بار پھر اپنے قاتلوں کی فہرست بنائی جنہوں نے اسے قتل کر دیا تھا' اس کی ماں کو قتل کر دیا تھا' کئی نام اس فہرست میں درج کیے گئے۔ پہلا نام راؤ بدرالدین' دوسرا نام چوہدری کرم داد' تیسرا نام توصیف اے شیخ' چوتھا نام آفاق حیدر۔

یہ چار تو بدترین دشمن ہی ہیں' انہیں دیکھنا ہے' لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دس سال کے بعد تو ماحول کا جغرافیہ ہی بدل چکا ہوگا۔ وہ خود کیا ہوگی' حالات کیا ہوں گے۔ نجانے کب تک وہ ان خیالات میں ڈوبی رہی۔ پھر اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔

رفتہ رفتہ شمائل کو جیل کے اندرونی حالات کا اندازہ ہوتا گیا' قیدی عورتوں میں کچھ ایسی تھیں جو جیل کی حکمراں تھیں۔ انہیں لیڈروں کی سی حیثیت حاصل تھی اور جیل کا عملہ ان کی بات مانتا تھا کیونکہ قیدیوں کے تعاون کے بغیر کسی بھی جیل کا نظام

نہیں چلایا جاسکتا۔ یہ وہ عورتیں تھیں جو باقی قیدی عورتوں کو کنٹرول میں رکھتی تھیں اور جیل کے عملے کو پریشانی سے بچاتی تھیں۔ اسے بھی کئی ایسی دوست مل گئیں اور طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ اور پھر پہلی بار اس کے کانوں میں فرار کا لفظ پڑا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں کوشش کرنے سے کیا نہیں ہو جاتا؟''

''مجھے ایک بات بتاؤ'' اس نے اپنی ایک ساتھی قیدی سے پوچھا۔

''ہاں بولو۔''

''تھوڑے عرصے کے بعد میں بچے کی ماں بن جاؤں گی' میرے بچے کا کیا ہوگا۔؟''

''کچھ نہیں تمہارے پاس ہی رہے گا۔

''کیا جیل میں ایسی عورتوں کی گنجائش ہوتی ہے۔؟''

''بہت سی ایسی ہیں' اتفاق ہے کہ یہاں کوئی نہیں ہے' بلکہ تمہیں دوسری بیرک میں منتقل کر دیا جائے گا' جہاں تمہیں اپنی جیسی دوسری عورتوں کے ساتھ رہنا ہوگا''

''وہ سوچنے لگی کہ کیا ہی انوکھی ماں ہے' وہ ایک ایسے بچے کی ماں جسے اپنی ماں کی وجہ سے پیدا ہونے سے پہلے ہی جیل میں سزا دے دی گئی ہے' آہ کیا واقعی' میرا بچہ میرے ساتھ زندگی کے دس سال جیل میں گزارے گا۔ کیا تربیت ہوگی اس کی' کیا سوچا تھا اپنی زندگی کے بارے میں' وہ لمحات جب آفاق حیدر نے کہا تھا کہ وہ فکر نہ کرے وہ اس سے شادی کرلے گا اور وہ مطمئن ہوگئی تھی۔ آفاق حیدر۔ اس نے دانت پیستے ہوئے سوچا۔

بہرحال اپنے سوچنے سے کیا ہوتا ہے ابھی تک تو کوئی ایسا ذریعہ ذہن میں نہیں آیا تھا جس سے یہ احساس ہوتا کہ دس سال سے پہلے اس زندگی سے رہائی ملے گی یا نہیں۔ بہت کٹھن وقت گزر رہا تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ اس کی عادی ہونے لگی۔ پھر

اس کی ملاقات ایک تقریباً پینسٹھ سالہ خاتون سے ہوئی۔ جیل کا لباس لیکن چہرے پر انتہائی پاکیزگی اور شرافت' جیل میں جتنی نماز پڑھنے کی اجازت مل جاتی تھی اس وقت میں نماز ضرور پڑھتی تھی' اتفاق سے شمائل کو اسی بیرک میں جگہ مل گئی۔ تب اس کی ملاقات عالیہ بیگم سے ہوئی۔

دل خود بخود اس بزرگ عورت کی جانب کھنچتا تھا' اپنا تو خیر اس کائنات میں کوئی رہا نہیں تھا' لیکن بعض چہرے اس طرح کے ہوتے ہیں کہ ان سے خواہ مخواہ ہی اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ عالیہ بیگم نے بھی محبت سے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

''بیٹی! غیر ضروری طور پر کسی سے مخاطب ہونا بعض اوقات تکلیف دہ بھی ہو جاتا ہے' کتنی ہی بار سوچا کہ تم سے بات چیت کروں۔

''آپ ویسے بھی بہت کم بولتی ہیں۔''

''ہاں بیٹے بس' زبان کے بہت سے فائدے اور بہت سے نقصانات ہیں' اسی زبان کا ہی شکار ہوئی ہوں' ویسے میں تمہیں ایک بات بتاؤں' کتنی سزا ہے تمہاری؟

''دس سال۔''

''کتنا وقت گزر چکا ہے۔؟''

''پتہ نہیں۔''

''بہت اچھی بات ہے' میں بھی تم سے یہی کہنا چاہتی تھی کہ دنوں کو گننا چھوڑ دو' باہر اگر کچھ ایسا چھوڑ بھی آئی ہو تو اسے یاد مت کرو' مرنا تو خیر ایک دن سب کو ہوتا ہے' لیکن ایک دن۔ لمحے لمحے مرنا بہتر نہیں ہوتا۔''

''آپ ٹھیک کہتی ہیں' ویسے آپ بتانا پسند کریں گی کہ آپ یہاں کیسے آئیں؟''

عالیہ بیگم کا چہرہ سنجیدہ ہی رہا' لیکن پھر رفتہ رفتہ اس کے ہونٹوں پہ زہریلی مسکراہٹ پھیلتی ہی چلی گئی۔

"نیکیوں کا شکار ہوئی۔" اس نے جواب دیا۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"کیا فائدہ۔ چھوڑو۔ میرا ماضی ایک زخم ہے اور میں نے اس زخم پر پھایہ رکھا ہوا ہے۔ پھایہ ہٹاؤں گی تو زخم کھل جائے گا۔ پھر مہینوں اذیت میں ڈوبی رہوں گی' ہاتھ جوڑ کر معافی چاہتی ہوں۔ البتہ کچھ نصیحتیں کروں تمہیں' دیکھو انسان کی فطرت میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں' اچھائی یا برائی۔ برائی کو اپنی زندگی کا حصہ مت بناؤ۔ برائی اس لیے نہ کرو کہ تمہارا دل برائی کرنے کو چاہا ہے۔ لیکن اچھائیوں کو اس طرح اپنے آپ پر سوار مت کرو کہ زندگی مذاق ہی بن کر رہ جائے۔ زندگی کو مذاق بنانا بہر طور کسی بھی طرح اچھا نہیں ہے۔ زندگی مذاق نہیں بنی چاہیے۔" وہ ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگئی اور اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"کوئی نقصان پہنچائے تو اپنے آپ کو اس کے لیے تر نوالہ مت بناؤ' کچھ نہیں ملتا' جیل ہل جاتی ہے۔" عالیہ بیگم کے چہرے پر ماضی کی تحریر نقش ہو رہی تھی۔ لیکن کسی کی ذات کے نقوش پڑھنا آسان نہیں ہوتا۔

البتہ شمائل کے دل میں یہ احساس پختہ ہوتا چلا گیا کہ اس نے بہتر زندگی حاصل کرنے کے لیے جو کچھ کیا تھا' وہ کامیاب تو نہیں ہو سکا لیکن گرے ہوئے لمحات نے اسے جو سبق دیا ہے' اس سبق کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

کچھ عرصے کے بعد اس کی جگہ تبدیل ہوگئی' اسے کپڑے دھونے کے کام پر لگا دیا گیا' اور اس کام کا تصور ہی بدترین تھا' وسیع اور گرم کمرہ' واشنگ مشینوں اور استری کے بورڈوں کا طومار' ہر طرف میلے کپڑوں کے ڈھیر۔ جو امڈے چلے آتے تھے۔ واشنگ مشین کا بھرنا اور انہیں خالی کرنا بھاری بھاری ٹوکروں کو استری کے بورڈوں کی طرف لے جانا اور ایک اکتا دینے والا اور بے حد تھکا دینے والا کام تھا۔

پھر کوئی بیس دن کے بعد اسے کیچن میں بھیج دیا گیا اور بالکل اتفاق تھا کہ

عالیہ بیگم وہاں پہلے سے موجود تھی۔ البتہ کچن کا کام جیل کے بہت اچھے کاموں میں سے تھا۔ کپڑے دھونے کے کام سے ہٹ کر اسے اس کام میں بڑا آرام ملا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ کچن کے لیے بازار سے سودا سلف آ جایا کرتا تھا۔ بعض چیزیں کاغذ کے لفافے میں بھی ہوا کرتی تھیں۔

ایک دن کچن کے لیے بازار سے کچھ سامان آیا۔ اتفاق کی بات تھی کہ جس لفافے میں کچن کے لیے کوئی چیز آئی' وہ کسی بڑے سالے کے کاغذ کا بنا ہوا تھا اور رسالے کا وہ صفحہ تھا جس میں نئے شادی شدہ جوڑوں کی تصویریں چھپی ہوا کرتی تھیں۔ شمائل کو بظاہر ایسی کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' لیکن جب لفافہ خالی کر کے اس نے کاغذ پھینکا تو کاغذ پر چھپی ہوئی رنگین تصویر اس کے سامنے آ گئی اور اس کی نگاہیں اس تصویر پر جم کر رہ گئیں۔

وہ آفاق حیدر کی شادی کی تصویر تھی' جس میں وہ اپنی دلہن کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ شمائل کے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ آفاق کو اس کی دلہن کے ساتھ دیکھ کر اسے شدید صدمہ ہوا تھا۔ وہ دیر تک دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اس تصویر کو دیکھتی رہی' پھر آنکھوں کے آنسو اندر کی تپش سے خشک ہو گئے۔ اس کے اندر ایک دھواں سا پیدا ہوا پھر یہ دھواں شعلوں میں تبدیل ہو گیا۔

اس شخص کے ساتھ اس نے زندگی گزارنے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن اس نے کتنی صفائی سے اس کی طرف سے پیٹھ موڑ لی تھی۔ اسے تباہ ہونے کے لیے اور اس کے بچے کو مرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ لیکن وہ دوسرا وقت تھا۔ وہ دوسری دنیا تھی۔ اب وقت بدل چکا تھا' جگہ بدل چکی تھی اور صورت حال مختلف ہوتی جا رہی تھی۔ عالیہ بیگم نے جو درس اسے دیا تھا وہ ان کی شخصیت سے بالکل مختلف تھا' لیکن حقیقتوں کے قریب۔ بہت دیر تک وہ جھلتی رہی' انتقام کے جذبے اس کے دل میں شدید ہو گئے تھے۔

◇◇◇

رانا سلطان احمد گورنمنٹ کا ایک انتہائی اعلیٰ افسر تھا۔ مختلف محکموں کے انسپکشن کی ذمے داری اس کے شانوں پر تھی۔ ہر محکمے کے بارے میں تفصیلی رپورٹ تیار کر کے وزارت داخلہ یا متعلقہ وزارت کے حوالے کرنا اس کی ذمے داری تھی۔ بڑی اعلیٰ شخصیت کا مالک تھا اور انتہائی صاحب اختیار تھا۔ ہر جگہ اس کا ہاتھ پہنچ سکتا تھا' شادی شدہ تھا لیکن بے اولاد تھا۔

نازیہ سلطان اس کے خاندان کی لڑکی تھی اور وہ شروع میں اس سے محبت کرتا تھا لیکن دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ شادی کے بعد ان کی ذہنی ہم آہنگی زیادہ بہتر نہ رہی' لیکن پھر بھی وقت گزار رہا تھا۔

سلطان احمد کو سب سے زیادہ دکھ اپنے بے اولاد ہونے کا تھا' نازیہ بھی اولاد چاہتی تھی' لیکن تقدیر کے فیصلے الگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ دونوں بس ایک دوسرے کا ساتھ نبھا رہے تھے' اکثر سرکاری دوروں میں نازیہ بھی سلطان احمد کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔ اس بار حکومت کی طرف سے اسے خواتین کی جیل کے معائنے کی ذمے داری دی گئی تھی۔ نازیہ خود بھی تیار ہو گئی تو سلطان احمد نے کہا۔

''وہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے نازیہ۔''

''تو ہم کون سی ساری اچھی جگہوں پر جاتے رہے ہیں' پاگل خانے کا جائزہ بھی

لیا ہے ہم نے۔'' نازیہ نے کہا اور ہنس پڑی' پھر بولی۔

''منع کر رہے ہیں مجھے وہاں لے جانے سے۔؟''

''بالکل نہیں' کبھی منع کیا ہے' چلو تیار ہو جاؤ۔''

آخر کار دونوں جیل پہنچ گئے۔ بہت وسیع و عریض جیل تھی اور اسے دو حصوں میں تقسیم کر کے بالکل الگ الگ کر دیا گیا تھا۔ مردوں کی طرف سے کسی بھی طرح کی مداخلت نہیں کی جا سکتی تھی۔ جیلر فیروز احمد نے ان کا پرتپاک استقبال کیا' منیجر نے اسے بتا دیا تھا کہ افسر اعلیٰ جیل کا معائنہ کرنے کے لیے آ رہا ہے۔

چنانچہ علی الصبح سورج نکلنے سے بہت پہلے جیل کی صفائی شروع ہو گئی تھی' قیدی عورتوں کو صاف لباس پہننے اور اپنے آپ کو سنوار کر رکھنے کی ہدایت کر دی گئی تھی ہر جگہ ڈسپلن نظر آ رہا تھا۔

انتظامیہ کو خوش اخلاقی کی ہدایت کی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ قیدیوں کے ساتھ اچھے سلوک کا مظاہرہ کریں۔ اس افسر اعلیٰ کے بارے میں سبھی جانتے تھے کہ بہت سخت ہے اور جیلر فیروز خان نہیں چاہتا تھا کہ آفیسر کی رپورٹ اس کے خلاف ہو۔

سلطان احمد کچھ لوگوں کے ساتھ اور نازیہ کے ساتھ جیل میں داخل ہو گیا۔ اس کا بہترین خیر مقدم کیا گیا تھا' قیدی عورتوں نے اسے اسلامی دی اور رانا سلطان مسکرا کر بیوی سے بولا۔

''دیکھا تم نے نازیہ۔ یہ فنکاری ہے ہمارے ہاں کے سرکاری محکموں کی' میں تمہیں ایک دلچسپ قصہ سناؤں۔ ایک ایسی جگہ جو اجاڑ اور ویران پڑی ہوئی تھی' لیکن شہر کے درمیان تھی حکومت کی نگاہوں میں آئی اور اس کے لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہاں ایک خوبصورت پارک بنایا جائے' ٹھیکے داروں کو پارک کا ٹھیکہ مل گیا۔ لاکھوں روپے کا ٹھیکہ۔ پارک بنانے کا کام شروع ہو گیا۔ لیکن کیا کام' وہاں ہلکی پھلکی کھاد ڈلوا دی گئی۔ باقی پیسے معمول کے مطابق ٹھیکے دار کھا گئے اور پھر متعلقہ محکمے کا افسر اعلیٰ

اور کچھ دوسرے افراد ایک وفد کی شکل میں پارک کا جائزہ لینے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ متعلقہ افراد کو اطلاع مل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے درجنوں ٹرک مختلف نرسریوں سے درخت اور پودے لے کر پہنچ گئے اور پھر اتنی برق رفتاری سے وہاں درخت رکھے گئے کہ قرب وجوار کے لوگ ششدر رہ گئے۔ صرف چار گھنٹے کے اندر پارک تیار کر دیا گیا اور آفیسران نے اس کارکردگی کی تعریف کی اور انسپکشن مکمل کر کے واپس آ گئے۔ تمام نرسریوں سے ٹھیکے پر یہ درخت لئے گئے تھے جو افسران کے جانے کے بعد واپس کر دیئے گئے۔ یہاں بھی وہی منظر نگاہوں کے سامنے ہے۔ تم ان قیدی عورتوں کو دیکھ رہی ہو بیچاریوں کو، پتہ نہیں کس کس طرح وقت گزارتی ہوں گی، لیکن اس وقت انہیں خوش وخرم رہنے کے انجکشن دیئے گئے ہیں، حالانکہ پتہ نہیں بیچاریوں نے کب سے صفائی کا آغاز کیا ہوگا۔'' نازیہ ہنسنے لگی پھر بولی۔

''سارا معاشرہ ایک ہی ھنگ پر اور ڈھب پر چل رہا ہے۔ میں ذرا ان قیدی عورتوں سے کچھ بات چیت کر لوں۔''

''جاؤ جاؤ۔ یہاں تمہاری حفاظت کا معقول بندوبست ہے۔''

نازیہ اپنی دو ساتھی عورتوں کے ساتھ جیل کے مختلف حصوں کا جائزہ لینے چل پڑی۔ نازیہ بیرکوں کا جائزہ لیتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ مختلف شعبوں سے گزرتی ہوئی وہ جیل کے کچن میں پہنچ گئی جہاں بے شمار قیدی عورتیں کھانا پکانے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔

وہ دلچسپی سے ان عوتوں کو دیکھنے لگی۔ بڑے بڑے خطرناک چہرے اور کہیں کہیں چہروں پر شرافت اور معصومیت بھی نظر آتی تھی۔ معصوم چہرے والیاں یہاں تک کیسے آ جاتی ہیں۔

پھر اس کی نگاہ ایک کم عمر لڑکی پر جا ٹکی، زیادہ عمر نہیں تھی۔ چہرے کے نقوش میں جیل کے ماحول کے باوجود جو ملامت اور ملاحت پائی جاتی تھی وہ اس بات کی مظہر

تھی کہ تعلیم یافتہ ہے اور تعلق کسی اچھے گھرانے سے ہے۔ نازیہ اس کے پاس پہنچ گئی اور اس نے بھی نرمی سے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''ہیلو۔'' لڑکی نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا آنکھیں بند کر کے گردن خم کی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

''ہیلو، میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔'' نازیہ بولی تو لڑکی نے چونک کر اسے دیکھا ایک لمحے تک دیکھتی رہی پھر اس کی نگاہیں میٹرن کی جانب اٹھ گئیں جو تھوڑے فاصلے پر قیدی عورتوں کے کاموں کی نگرانی کر رہی تھی۔ میٹرن اسی طرف متوجہ تھی۔ نازیہ کی نگاہیں بھی میٹرن کی جانب اٹھیں اور اس نے ہاتھ سے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ چونکہ جیل میں اعلان ہو چکا تھا کہ ایک افسر اعلیٰ جیل کا معائنہ کرنے آ رہا ہے، اس لیے سب مستعد تھے اور میٹرن کو افسر اعلیٰ کے ساتھ آنے والی اس خاتون کے بارے میں علم تھا کہ اس کا بھی کوئی گہرا تعلق ہی ہے اس افسر اعلیٰ سے چنانچہ وہ جلدی سے قریب پہنچ گئی۔

''میں ان سے کچھ باتیں کر سکتی ہوں۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ جاؤ شمائل بیگم صاحب سے باتیں کرو اپنا کام کسی اور کے سپرد کر دو، تم جاؤ میں دیکھ لیتی ہوں۔''

میٹرن نے شرافت سے کہا اور شمائل نے دونوں ہاتھ جھاڑن سے صاف کیے اور سوالیہ نگاہوں سے اس عورت کو دیکھتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ ایک لمحے کے اندر اندر اس کے دل میں یہ خیال ابھرا تھا کہ کیا نصیب لے کر آتی ہیں یہ کیسی شان سے زندگی گزارتی ہیں، آرزو تو سبھی کرتے ہیں ایسی زندگی گزارنے کی لیکن وہ کون لوگ ہوتے ہیں جنہیں اس کا موقع مل جاتا ہے، بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔ واقعی یہ لوگ اپنی تقدیر سونے کے قلم سے لکھوا کر لاتے ہیں۔ اس کی آنکھوں میں سفید محل گھوم گیا جس میں پہلی بار اور آخری بار داخل ہوتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ سنگ مرمر سے

بنا ہوا یہ فرش اب اس کے قدموں تلے ہوگا۔ سامنے آنے والی بیگم صاحبہ کی آواز نے اسے چونکا دیا' نازیہ کہہ رہی تھی۔

''کیا نام ہے تمہارا شملہ۔''

''نہیں۔ شمائل' یہ لوگ مجھے شملہ کہہ دیتے ہیں یہی ان کی مہربانی ہے۔''

''اوہ بڑا پیارا نام ہے شمائل' شمائل تمہارے لب و لہجے اور انداز سے پتہ چلتا ہے کہ تم پڑھی لکھی لڑکی ہو۔

''تھوڑی بہت۔''

''میرا نام نازیہ ہے اور میں ایک افسر اعلیٰ کی بیوی ہوں۔ سلطان احمد ہے میرے شوہر کا نام۔ ہم لوگ جیل کا معائنہ کرنے آئے ہیں شمائل' شمائل مجھے معاف کرنا میرا دل تم سے چند باتیں کرنے کو چاہتا ہے۔''

''جی فرمائیے۔''

''شمائل تم کس جرم کی پاداش میں سزا بھگت رہی ہو۔؟''

''دیکھئے یہ ہر ایک کے سامنے اپنا دکھ درد نہیں رونا چاہتی' لیکن آپ مجھے اچھی لگی ہیں' آپ نے پوچھا ہے کہ میں کس جرم کی پاداش میں سزا بھگت رہی ہوں تو خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہہ رہی ہوں کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا اور جو جرم میں نے نہیں کیا اس کی پاداش میں یہ سزا بھگت رہی ہوں۔

''اوہ۔ تمہارا شوہر' شوہر کہاں ہے تمہارا۔؟''

''نہیں ہے اب وہ اس دنیا میں۔'' شمائل نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''دیکھو مجھے معاف کرنا' بتا سکتی ہو کہ تمہارے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔''

''کیا تمہارا شوہر واقعی اس دنیا میں نہیں ہے۔؟''

''براہ کرم آپ مجھ سے کچھ نہ پوچھیں بیگم صاحبہ' ہاں اگر ہو سکے تو کبھی اپنی

دعاؤں میں اللہ سے اتنا ضرور کہہ دیں کہ اگر میں نے کوئی جرم نہیں کیا تو وہ میری رہائی کا بندوبست کر دے۔''

''اچھا یہ بتا دو کہ کتنے سال کی سزا ہوئی ہے تمہیں۔؟''

''دس سال کی۔''

''اوہ۔ اور ____ اور ____ اور'' نازیہ نے اس کے پھولے ہوئے بدن کی جانب اشارہ کیا۔

''ہاں ایک اور بدنصیب وجود میرے ساتھ جیل کی ہوا کھا رہا ہے' بس بیگم صاحبہ معافی چاہتی ہوں' طبیعت خراب ہو جائے گی میری اگر آپ نے مجھ سے اس سے زیادہ سوالات کئے۔''

''ہوں ہوں ٹھیک ہے۔ بہت بہت شکریہ۔'' نازیہ نے پر خیال نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور شمائل ایک جھٹکے سے گردن جھٹک کر واپس اپنے کام پر چلی گئی۔

بیڈروم میں نازیہ نے سلطان سے کہا۔ ''سلطان ایک بڑا ہی عجیب و غریب خیال میرے ذہن میں آیا ہے۔''

''مجھے پتہ ہے۔'' سلطان نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کیا پتہ ہے تمہیں۔؟''

''یہی کہ تمہارے ذہن میں ایک عجیب و غریب خیال آیا ہے۔'' سلطان بدستور ہنستے ہوئے بولا۔

''نہیں پلیز' سنجیدہ ہو جاؤ۔ آج میں نے جیل میں قیدی عورتوں کو دیکھا ہے۔ خداوند عالم ہر ایک کو برائیوں سے محفوظ رکھے' یہ کیسا بھیانک انداز ہے زندگی کا' ہم لوگ آزادی سے ہر جگہ آتے جاتے ہیں۔ گھومتے پھرتے ہیں زندگی میں تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں۔ ہنستے بولتے ہیں' اپنے عزیز و اقارب سے ملتے ہیں لیکن

جیل کی یہ قیدی عورتیں ان بیچاریوں کو صبح جاگنے کے بعد رات کو سونے تک ایک ہی انداز میں کام کرنا پڑتا ہے۔“

”ہاں یہ تو ہے واقعی‘ زندگی سے اگر آزادی کا لفظ نکل جائے تو بس اللہ تعالیٰ سے معافی ہی طلب کرنی چاہیے۔“

”سلطان‘ تم نے یہ پوچھا کہ وہ عجیب وغریب خیال کیا ہے۔“

”بس پوچھنے ہی والا تھا۔“ سلطان نے اپنی بیوی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”سلطان ہمارے ہاں اولاد نہیں ہے اور یہ بات حتمی طور پر طے ہو چکی ہے کہ ہم کبھی صاحب اولاد نہ ہو سکیں گے‘ ایک آدھ بار میری تم سے اس موضوع پر بھی بات ہوئی ہے کہ ہم کوئی بچہ یتیم خانے سے یا ہسپتال وغیرہ سے حاصل کر لیں کوئی لاوارث بچہ‘ اس مسئلے میں نہ مکمل طور پر تم سنجیدہ ہوئے اور نہ میں‘ آج جیل میں میں نے ایک لڑکی کو دیکھا‘ کیا خوبصورت چہرہ تھا‘ نرم ملائم‘ زندگی سے بھرپور اور خوبصورت‘ میرا اندازہ ہے کہ وہ عورت چھ سات ماہ کی حاملہ ہو گی گویا دو تین مہینے میں وہ صاحب اولاد ہو جائے گی ذرا سوچو کسی یتیم خانے سے کوئی لاوارث بچہ لے کر بہت سی ناتجربہ کاریوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ سلطان اگر وہ عورت ہمارے گھر آ جائے۔ تم جس قدر صاحب اختیار ہو یہ کام تم کرا سکتے ہو کہ اس کی بقیہ سزا معاف کرا لو‘ عورت کی ہم نگہداشت کریں گے‘ اس کی اولاد ہمارے ہی ہاں پیدا ہو گی‘ اس کے بعد ہم اس سے یہ طے کر لیں گے کہ اگر وہ لاوراث اور بے سہارا ہے تو پھر ہم اسے بھی اپنے ساتھ ہی رکھ لیں گے‘ لیکن شرط پر کہ وہ کبھی بچے پر حق نہ جتائے‘ سلطان کیا کہتے ہو۔“

”بابا میں اس کی سزا کیسے معاف کرا سکتا ہوں‘ یہ کوئی مذاق تو نہیں ہے۔“

”سلطان کرا سکتے ہو‘ یاد کرو‘ زیادہ عرصہ نہیں ہوا‘ سال سوا سال ہوا ہو گا‘ تم نے اس نوجوان لڑکے کو قید سے آزادی دلائی تھی۔ صرف اپنے اختیارات سے کام لے کر‘ آج تک تو اس سلسلے میں کوئی آواز نہیں اٹھی۔“

”ہاں وہ دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ اور جن لوگوں کو اس نے قتل کیا تھا وہ اس کی بہنوں کی آبرو کے درپے تھے۔ بات کچھ ایسی تھی کہ میرے دل کو بھی لگی اور میں نے یہ کام کرا لیا۔

”تو میرے لیے اتنا کام نہیں کراؤ گے تم۔“

”اور اگر وہ عورت تیار نہ ہوئی تو۔“

”ایک بار اور خفیہ طور پر جیل میں جاؤ‘ پہلے تو تم نے سرکاری طور پر جیل کا معائنہ کیا تھا۔ لیکن اب خفیہ طور پر جاؤ کوشش کرتے ہیں‘ باقی اللہ مالک ہے۔“

سلطان تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ ”دو چار ایسے معاملات نوٹ کیے ہیں میں نے جیل میں جن کی اگر رپورٹ کر دوں تو جیل کے افسر اعلیٰ کو معطل کیا جا سکتا ہے۔“

”سلطان پلیز یہ کام کرو۔“ نازیہ نے خوشامدانہ لہجے میں کہا اور سلطان پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

◊◊◊

جیل کے افسر اعلیٰ نے خوفزدہ نگاہوں سے سلطان احمد کو دیکھا اور پھر عاجزی سے بولا۔

"سر واقعی غلطی تو ہوئی ہے' لیکن سر اگر آپ مجھے صرف ایک وارننگ اشو کر دیں تو آپ یقین کریں کہ دوبارہ کبھی آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔"

"مگر میرے دوست تم پر چارج لگ جائے گا۔ وارننگ اشو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ رعایت کی اور تمہیں معطل نہیں کیا۔" افسر اعلیٰ نے ہاتھ جوڑ دیئے اور بولا۔

"اگر اس سے بھی زیادہ مہربانی کرنا چاہیں تو حضور کے اختیارات ہیں' آپ کو کون روک سکتا ہے۔؟"

"دیکھو دوست! دنیا کا کام کچھ لو اور کچھ دو پر ہی چلتا ہے' اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ یہ رعایت کر دوں تو ٹھیک ہے ہوسکتا ہے ایسا' لیکن اس کے بدلے میں۔"

"حضور آپ یقین کیجئے غریب آدمی ہوں' پھر بھی آپ حکم کریں' کیا خدمت کرنی ہوگی مجھے۔"

"پیسے نہیں چاہیے ہیں مجھے' اس دن معائنے کے دوران میری مسز آئی تھی'

کوئی قیدی عورت اسے پسند آ گئی ہے' دوبارہ ملنے کے بعد وہ اس سے بات کرے گی' اور پھر ہوسکتا ہے میں تم سے کہوں کہ اس قیدی عورت کو خاموشی سے میرے حوالے کر دو۔"

جیل کا افسر اعلیٰ منہ کھول کر رہ گیا۔ کچھ لمحے خاموش رہا پھر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"م ـــــ مگر حضور کون ہے۔؟"

"تمہیں یاد ہوگا تھوڑے عرصے قبل میں نے ایک لڑکے کو بھی تم سے مانگا تھا۔"

"یاد ہے حضور والا' مگر اس کا مسئلہ دوسرا تھا' اس کے قرب و جوار میں کوئی نہیں تھا۔ مجھے تو نفری پوری کرنی تھی' میں نے ایک نئے قیدی کا اندراج کر کے اس کی جگہ اس کا نام چپکا دیا' لیکن اگر جس کی آپ بات کر رہے ہیں وہ ایسی ہوئی۔"

"بات کر لیتے ہیں بات کر لیتے ہیں' پھر تمہیں معلوم ہوگا اس کے بارے میں۔ شمائل ہے اس کا نام' کچن میں کام کرتی ہے' اس وقت شاید اس کا قیدی نمبر بیالیس تھا' میرا مطلب ہے جس دن ہم آئے تھے اور میری مسز نے اسے دیکھا تھا۔"

"شمائل۔ جی جی۔ میں۔ آپ تشریف رکھیں میں رجسٹر منگواتا ہوں'" افسر اعلیٰ نے کہا۔ رجسٹر میں وہ شمائل کا نام دیکھنے لگا اور پھر اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آئے۔

"ہاں کوئی نہیں ہے اس کا آگے پیچھے' فیصل آباد کی رہنے والی ہے' ماں باپ مر چکے ہیں' خاندان میں اور کوئی نہیں ہے' یہ چل جائے گی سر۔ حالانکہ اس کی سزا دس سال ہے لیکن میں چھپر میں کام کر لوں گا۔ سر خدمت گار ہیں آپ کے' آپ بس ہم پر عنایت کی نظر رکھا کریں۔ آپ کے چھوٹے موٹے کام ہم کر دیا کریں گے۔"

"ٹھیک ہے' میں اپنی بیگم کے ساتھ تمہارے گھر پر آؤں گا اسے یہاں ذرا

بلوالینا' تھوڑی سی معلومات کرنی ہے اس سے اس کے بارے میں۔'' سلطان احمد نے کہا۔

نازیہ نے مسکراتے ہوئے شائل کا خیر مقدم کیا' شائل حیران حیران نظر آ رہی تھی۔ پہلا موقع تھا کہ اسے جیل کے افسر اعلیٰ کے گھر لایا گیا تھا' دو عورتیں اسے وہاں چھوڑ گئی تھیں جو اس کے لیے بالکل اجنبی تھیں' لیں' انتہائی دہشت ناک صورت کی مالک۔

پھر اسے ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا' اور ڈرائنگ روم میں اس سے نازیہ نے ملاقات کی وہ اس فیشن ایبل عورت کو پہچان گئی تھی' اس نے اسے سلام کیا تو نازیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم نے مجھ سے کہا تھا نا کہ میں تمہارے لیے دعا کروں کہ تمہیں جیل سے رہائی مل جائے بولو کہا تھا نا۔''

شائل کا دل بڑی تیزی سے دھڑکا' وہ سوچنے لگی کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے۔ نازیہ ہنس کر بولی۔

''لوگ مجھے مرشد کہتے ہیں' ان کا خیال ہے کہ میری دعائیں اکثر پوری ہو جاتی ہیں اور یہ اتفاق ہے کہ میں نے تمہارے لیے سچ مچ ہی دعا کر ڈالی' نکلو گی یہاں سے۔''

شائل کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی' نازیہ نے کہا۔

''بیٹھو بیٹھ جاؤ' اس دن میری تم سے بڑی مختصر بات چیت ہوئی اور اس سے زیادہ ہو بھی نہیں سکتی تھی' وہاں تمہارے علاوہ اور بہت سی عورتیں موجود تھیں۔ اچھا اب تم مجھے ایک بات کا جواب دو۔ تمہارے شوہر کا واقعی انتقال ہو چکا ہے۔''

''میرے لیے۔'' شائل نے جواب دیا۔

''کیا مطلب۔؟''

''میرا اب اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''طلاق۔؟''

''ہاں یہی سمجھو۔''

''گڈ۔ ماں باپ۔؟''

''نہیں۔''

''بہن بھائی۔؟''

''نہیں۔''

''قرب و جوار میں کوئی عزیز و اقارب۔؟''

''نہیں۔''

''ہوں' اچھا شائل تمہیں یہاں سے رہائی مل جائے تو میرے ساتھ رہو گی۔''

شائل نے ایک بار پھر حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔

''کیا رہائی ملنا ممکن ہے' میری سزا کے دورانیئے کا آپ کو علم ہے۔؟''

''ہاں ہے۔ اور سنو' میرا نام نازیہ ہے۔ تم مجھے باجی کہہ سکتی ہو یا نازیہ کہو' دونوں پر مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔''

''یہ کیسے ممکن ہے۔؟''

''اب بجائے اس کے کہ تم اس چکر میں پڑو کہ کیا ممکن ہے اور کیا ناممکن ہے یہ بتاؤ تم میرے ساتھ رہنا پسند کرو گی۔ دیکھو شائل جو کام میں کر رہی ہوں وہ معمولی نہیں ہے' میرے شوہر کو نجانے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑیں گے اس سلسلے میں' میں تمہیں آزاد کرا لوں گی۔ مجھے بتاؤ میرے ساتھ رہنا پسند کرو گی۔''

''دل و جان سے' یہ پوچھنے کی بات تو نہیں ہے۔''

''ہوں' لیکن شائل۔ کوئی بھی شخص بے لوث اور بے غرض نہیں ہوتا اس دنیا میں' میں تم سے اس کے بدلے میں جو کچھ مانگوں گی تم سمجھ لو وہ بہت زیادہ ہوگا' معاف

کرنا پہلے کہے دیتی ہوں' اگر میرے اور تمہارے درمیان یہ سودا پٹ گیا تو میں تمہیں یہاں سے نکال لوں گی۔''

''سودا۔'' شمائل متحیرانہ انداز میں بولی۔

''ہاں تمہیں اپنا یہ بچہ میرے حوالے کرنا ہوگا' میں لاولد ہوں بے اولاد ہوں اور آئندہ بھی مجھے امید نہیں ہے کہ میرے ہاں کبھی اولاد ہوگی' ڈاکٹر منع کر چکے ہیں' تمہیں اپنی رہائی کے بدلے اپنا بچہ میرے حوالے کرنا ہوگا' اسے میرے نام سے منسوب کرنا ہوگا۔''

''اور میں۔؟'' شمائل نے سوال کیا۔

''میرے ساتھ رہو گی' لیکن خبردار کبھی بچے کی دعوے دار نہ بننا۔'' عالیہ بیگم کے بہت سے الفاظ شمائل کو یاد آ گئے' دنیا نیکیوں کا گھر نہیں ہے' وقت اور حالات بدل چکے ہیں' برائیوں سے سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے' ورنہ سچ کو سننے والے ختم ہو چکے ہیں۔ ایک لمحے میں فیصلہ کرنا تھا' اس نے گردن جھکا کر کہا۔

''مجھے منظور ہے۔''

یہ بات جیل کا افسر اعلیٰ فیروز خان بھی جانتا تھا اور سلطان احمد بھی کہ ایسے کام کس طرح ہوتے ہیں۔ سلطان احمد نے فیروز خاں کو گرین سگنل دے دیا۔

''شمائل تیار ہے' باقی کام کا آغاز تم کر دو' یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ سب کچھ ممکن ہو جاتا ہے اور کہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔''

جیلر نے اپنے کام کا آغاز کر دیا' ایک بار پھر شمائل کو اس نے طلب کیا اور شمائل اس کے پاس پہنچ گئی۔

''سلطان احمد صاحب کی مسز نے تم سے جو بات کی تھی کیا تم نے اس سلسلے میں آمادگی کا اظہار کر دیا ہے۔

''جی سر۔ میں نے ہاں کہہ دیا ہے' اب اس کا ممکن ہونا یا نہ ہونا یہ آپ لوگ

زیادہ بہتر جانتے ہیں۔''

جیلر نے اسے اپنا منصوبہ سمجھایا اور کہا۔ ''بس یہی ایک طریقہ کار ہے جس سے تم اپنی خوش قسمتی کو آواز دے سکتی ہو' کیونکہ بظاہر اور کوئی ایسا طریقہ کار نہیں تھا۔''

بڑا پیچیدہ منصوبہ بنایا گیا تھا' شمائل جیل کے ہسپتال میں پہنچ گئی۔ اس نے بہترین اداکاری کر کے ایک شدید بیماری کے حملے کا اظہار کیا تھا اور اسے بادل نخواستہ جیل کے ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا' پھر اس کے بعد باقی کام کیا گیا۔

ایک اور قیدی عورت کو جس کا انتقال ہو چکا تھا شمائل کے نام سے دفن کر دیا گیا اور اس کے بارے میں چھان بین کر کے اس کا رجسٹر بند کر دیا گیا کیونکہ اس کی لاش کو وصول کرنے والا کوئی نہیں تھا' شمائل کو خفیہ طور پر جیل کی عمارت سے باہر نکال دیا گیا۔ سارے کام فیروز خان نے خود کئے تھے اور جب شمائل سلطان احمد کے گھر پہنچ گئی تو سلطان احمد نے فیروز خان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

''میری ضرورت کسی بھی سلسلے میں جب بھی پیش آئے مجھے بتا دینا میں اس سے گریز نہیں کروں گا۔''

''خادم ہیں جناب آپ کے' آئندہ بھی اگر ہماری کوئی ضرورت آپ کو پیش آئے تو ہمیں یاد کر لیجئے گا۔''

ایک ناقابل یقین کام ہوا تھا' دس سال کی سزا زندگی کا خاتمہ ہی کر دیتی ہے۔ خوش نصیب ہی ہوتے ہیں جو عقل و ہوش اور جسمانی تندرستی کے ساتھ اتنی سزا کاٹنے کے بعد واپس آ جاتے ہیں۔ شمائل نے تو اس سزا کے بہت مختصر لمحے کاٹے تھے' پانچ چھ مہینے ہوتے ہی کیا ہیں۔ وہ جیل سے باہر نکل آئی تھی۔ نازیہ سلطان نے اسے اپنی کوٹھی میں خوش آمدید کہا۔ راستے میں تمام انتظامات کر لئے گئے تھے۔ ایک قیمتی لباس نازیہ نے شمائل کے لیے بھیج دیا تھا جسے پہن کر شمائل سلطان احمد کی عالی شان کوٹھی میں داخل ہوئی تھی۔ ملازموں کو نازیہ نے بتا دیا تھا کہ اس کی کزن یہاں آ رہی

ہےاوراس کے ساتھ ہی رہے گی۔

بس اتنا مختصر ملازموں کو بتانا ہی صحیح تھا' نازیہ نے بڑی محبت سے شمائل کو گلے لگایا تھا اور اسے ایک عالی شان کمرے میں لے گئی تھی۔

''میں نے یہ کمرہ تمہارے لیے سجایا ہے شمائل' بلا تکلف اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی ہے تو مجھے بتا دینا۔'' شمائل نے نگاہیں اٹھا کر نازیہ کو دیکھا پھر مدہم لہجے میں بولی۔

''اور کتنا شرمسار کریں گی مجھے۔؟''

''نہیں شمائل شرمسار نہ ہو' تمہاری بہن ہوں' ایک بہن کی حیثیت سے تمہارے لیے سب کچھ کر رہی ہوں۔''

دل ہی دل میں شمائل نے سوچا کہ اب ان تلوں میں تیل نہیں ہے' عالیہ بیگم نے مجھے اس دنیا کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا ہے' میری ماں بھی اکثر مجھ سے دنیا داری کی باتیں کرتی تھی' لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ بہت سے معاملات میں وہ خود بھی ناتجربے کار تھی' وہ نہیں جانتی تھی کہ دنیا میں بسنے والے کتنے نقلی لوگ ہوتے ہیں۔ بے شک مجھے ایک اچھے مستقبل کی تلاش تھی اور اگر ایک اچھا شوہر مجھے میری پسند کی دنیا دے دیتی تو میں ایک آئیڈیل عورت بن کر دکھاتی جو اپنے گھر اور اپنے بچوں کو ملک و قوم کے لیے ایک مثال بنا کر پیش کرتی ہیں۔ بے شک ایک اچھی زندگی کی طلب میرا حق تھا اور اس میں میں نے کوئی فریب نہیں کیا' میں نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس سے کسی کو نقصان پہنچا ہو' لیکن مجھے کتنے لوگوں نے نقصان پہنچایا' پیس کر رکھ دیا کمبختوں نے' کوئی میری آبرو کے درپے ہو گیا تو کسی نے مجھ سے میری ماں کی زندگی چھین لی۔

میری ماں چھین لی مجھ سے اور اب جب ایک شیطان تخلیق کیا گیا ہے تو میں شیطان بن کر دکھاؤں گی' نہیں نازیہ بیگم! تم بھی مطلبی ہو' اپنے مطلب کے لیے تم نے

مجھے جیل سے نکالا ہے تمہارا شکریہ۔

تمہاری خواہش میں بے شک پوری کر دوں گی' خدا مجھے ایک پیارا سا خوبصورت بچہ دے' چاہے وہ بیٹی ہو یا بیٹا' مجھے اس سے غرض نہیں ہے۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ اس معصوم وجود کو بے گناہ موت کے گھاٹ نہیں اتارنا چاہیے تھا' یا پھر اس سے زیادہ میں اس کے لیے کیا کر سکتی تھی۔

اگر وہ جیل میں پیدا ہوتا اور میرے ساتھ زندگی کے نو سال کاٹتا تو وہ کیا بنتا' یا پھر اگر اسے جیل میں رہنے کی اجازت نہ ملتی تو کہاں رہ سکتا تھا وہ' ظاہر ہے کسی یتیم خانے میں۔ یا پھر کسی رفاہی ادارے میں وہ پروان چڑھتا' میرے بچے بات صرف تجھ پر احسان کی نہیں ہے' میں نے تجھ پر بھی احسان کیا ہے اور اپنے آپ پر بھی۔ بس ذرا وقت کے ساتھ ساتھ سفر کرنا ہے' وقت جو بھی لمحات مجھے دے سکے۔

اور اس نے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ وہ نازیہ سے غیر مخلص نہیں تھی' نازیہ اس کا خیال رکھتی تھی تو وہ بھی نازیہ کے پیروں ہی میں بیٹھی رہتی تھی۔ نازیہ نے اسے بہن کہنا شروع کر دیا تھا۔ پھر اس نے پہلی بار اس سے اس کے بارے میں سوال کیا۔

''کئی بار میرے اور سلطان کے درمیان یہ بات ہو چکی ہے' سلطان کی دلی خواہش ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ تمہارا ماضی کیا ہے' جو باتیں مختصر طور پر معلوم ہوئی ہیں وہ زیادہ تفصیلی نہیں ہیں' ہمیں پتہ چلا تھا کسی دولت مند آدمی نے تمہاری آبرو لوٹنے کی کوشش کی تھی اور تم نے اسے شدید زخمی کر دیا' قاتلانہ حملہ کیا اس پر اور اس نے تم پر ڈکیتی کا الزام لگایا' یہ بات نہ میں تسلیم کرتی ہوں اور نہ سلطان کہ تم ڈکیتی کی کوشش کر سکتی ہو' ہاں یہ بات ہمارے ذہن میں ضرور ہے کہ تمہارا شوہر آخر کہاں چلا گیا۔؟''

''ایک عجیب و غریب کہانی ہے میری' بس کیا بتاؤں نازیہ بہن شرم آتی ہے۔''

''جب نازیہ بہن کہتی ہو تو پھر شرمانے کی ضرورت نہیں ہے' بہنیں تو ایک

دوسرے کی زندگی بھر کی رازدار ہوتی ہیں۔"

"چھپ کر شادی کی تھی ہم دونوں نے کراچی میں ایک بینک میں ملازمت کرتی تھی میں‘ وہ مجھ سے بہت اچھی طرح ملتا تھا‘ میں نے اپنی ماں سے کہا کہ میری اس سے شادی کردی جائے‘ ماں نے اس رشتے کو قبول نہیں کیا تو میں نے کورٹ میرج کرلی اور اس کے بعد زیادہ دیر میرے ساتھ نہ رکا اور مجھے چھوڑ کر ملک سے باہر چلا گیا‘ میرے لیے میری اولاد گناہ بن گئی‘ دنیا کو کیا جواب دیتی چھپ کر شادی کی تھی‘ بس اتنی کہانی ہے میری‘ ماں غم کا شکار ہوگئی اور وہ شخص جس نے مجھ پر قاتلانہ حملے کا الزام لگایا میری ماں کی بہت بڑی رقم ہڑپ کرگیا تھا‘ جسے مانگنے میں اس کے پاس گئی تھی‘ اس نے رقم کا تو کوئی تذکرہ نہیں کیا‘ مجھ پر وحشیانہ حملہ کیا اور بڑی مشکل سے میں وہاں سے جان بچا کر بھاگی۔ ہاں میں نے اپنی مدافعت مین اس پر وار ضرور کیا تھا‘ لیکن ایسا نہیں جو کسی کی زندگی لے لے‘ وہ زندہ ہے مگر صاحب اختیار ہے اور ایسے صاحب اختیار لوگ ظاہر ہے اپنا بدلہ تو لیتے ہی ہیں۔"

نازیہ خاموشی سے اس کی کہانی سن رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"تم اگر چاہو تو میں سلطان سے بات کروں‘ اس کمبخت کا نام ونشان اور پتہ بتاؤ‘ سلطان بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں‘ وہ اسے ضرور سزا دلوادیں گے جواب میں وہ ہنسی اور بولی۔

"میں دوبارہ کسی مشکل میں نہیں پڑنا چاہتی اگر ہم نے اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی کوشش کی تو پھر یہی پوچھا جائے گا کہ یہ قدم کیوں اٹھایا گیا ہے اور اس طرح میری زندگی اور میری یہاں موجودگی کے انکشافات ہوسکتے ہیں۔"

"ارے باپ رے یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔" نازیہ نے دونوں کان پکڑ کر کہا۔

یہ گھر ہر طرح سے پرسکون تھا‘ اسے کوئی کام نہیں کرنے دیا جاتا تھا۔ ملازمہ

اس کا بھرپور طریقے سے خیال رکھتی تھی۔ شمائل ہر شخص کا گہرا جائزہ لے رہی تھی۔ ان لوگوں کا رویہ تو کچھ زیادہ ہی اچھا ہے وہ یہ بات بھی جانتی تھی کہ جس مقصد کے لیے نازیہ اسے اپنے گھر لائی ہے وہ بڑی تلخیوں کا حامل ہے‘ اصولی طور پر اسے اس بچے سے نجات حاصل کرلینی چاہیے تھی کیونکہ وہ اس کے مستقبل میں بہت بڑی رکاوٹ بن سکتا تھا۔

اس نے زندگی کے لیے جس مقصد کو چنا تھا وہ اس مقصد میں حائل ہوسکتا تھا‘ لیکن جو سہارا اسے ملا تھا وہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ فی الحال تو صرف ان نئے مہمان کا انتظار کرنا چاہیے اس کے بعد سوچا جائے گا کہ آگے کیا ہو۔ ٹھیک ٹھاک گھرانہ تھا۔ سلطان احمد ایک نرم مزاج انسان تھا‘ بیوی کے ساتھ بھی اس کا رویہ برا نہیں تھا۔

ایک بہت ہی اعلیٰ درجے کے ہسپتال میں اس کا چیک اپ کرایا گیا اور ایک بہترین ڈاکٹر اس کی ڈاکٹر بن گئی جو اسے بہتر مشورے دیتی رہی۔ نازیہ نے یہی کہا کہ شمائل اس کی کزن ہے اور وہ خود اس کی ساری ذمے داریاں سنبھالے گی۔

بہرحال وقت گزرتا چلا گیا اور آخرکار شمائل نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ بیٹے کی پیدائش کے بعد اس نے اس کا چہرہ دیکھا اور اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ گوریچہ خاندان کا ایک اور گوریچہ اس کے سامنے تھا۔ بالکل یوں لگا جیسے آفاق حیدر ننھی سی شکل اختیار کرکے اس کی آغوش میں آگرا ہے۔ اس کے نقوش اس قدر آفاق حیدر سے ملتے تھے کہ دیکھنے والا ایک لمحے میں اسے آفاق حیدر کی اولاد قرار دے سکتا تھا۔ پھر شمائل مسکرا پڑی۔

"واہ تقدیر تم لوگوں کے لیے کیسی سنگین دیواریں کھڑی کررہی ہے میرے دشمنو! دیکھو وقت کس طرح اپنے آپ کو ترتیب دیتا ہے۔ واہ یہ تو بہت اچھا ہوا‘ بزدلی یا کسی قسم کی جذباتی لغزش کا شکار ہوکر کھیل خراب نہیں کرنا چاہیے بڑی ہمت محنت اور ذہانت کے ساتھ ایک ایک قدم آگے بڑھانا ہوگا۔ میں اپنا مقصد حاصل کروں گی‘

سب کچھ چھین لیا مجھ سے۔ یہ تو نہیں چاہا تھا میں نے' میں تو زندگی میں ایک خوشگوار کیفیت کی منتظر تھی' لیکن زندگی نے مجھ سے میری شخصیت چھین کر مجھے تباہی کے غار میں ڈال دیا' لیکن یہ غار میرا مقدر نہیں ہے۔ میں تو اب ایک جنگجو ہوں جسے اپنے دشمنوں کی موت تک ہر لحاظ سے ثابت قدم رہنا ہے۔'' یہ تمام احساسات اس بچے کو دیکھ کر اس کے دل میں پیدا ہوئے تھے۔

جس وقت بچے کی پیدائش ہوئی نازیہ موجود نہیں تھی' اطلاع ملتے ہی وہ سیدھی ہسپتال دوڑی اور پھر اس نے اس طرح بچے کو اپنی آغوش میں لے لیا جیسے اپنی کوئی قیمتی شئے سامنے پڑی نہیں دیکھنا چاہتی ہو۔ نرس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بہت اچھی آنٹی ہیں آپ' اتنی چاہت ذرا کم ہی ہوتی ہے۔''

نازیہ نے نگاہیں اٹھا کر نرس کو دیکھا لیکن اس کے چہرے پر ان الفاظ سے خوشی کا کوئی تاثر پیدا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس کی آنکھوں میں نرس کے لیے نفرت کے جذبات امنڈ آئے تھے۔

شمائل نے ایک دم آنکھیں بند کر لیں' نازیہ کے چہرے کی کیفیت بچے کو گود میں لینے کا انداز بتا تا تھا کہ نازیہ اس سلسلے میں بہت جذباتی ہے۔ لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ کیا نازیہ کی برتری قبول کر لی جائے۔

ممکن ہو سکے گا میرے لیے' ماں ہوں' قدم قدم پر یہ احساس دل کو کچو کے دے گا کہ میں نے اپنی زندگی کے عیوض' اپنی قید کے طویل لمحات کے عیوض اپنی اولاد کو بیچ دیا ہے۔ عالیہ بیگم کے الفاظ پھر اس کے کانوں میں گردش کرنے لگے۔

''دنیا اپنے مقصد کے لیے ہر کام کرتی ہے' دوسرے کی زندگی موت سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی' اگر تم نے اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا تو دشمن تمہیں کھا جائیں گے' مقابلہ جاری رکھو' زندگی کے کسی بھی محاظ پر اپنے آپ کو ڈھیلا مت چھوڑو' بھول جاؤ کہ کوئی تمہارے ساتھ مخلص ہوگا۔ نازیہ کو تمہاری زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں

تھی وہ بے اولاد ہے' اور صرف اس بچے کے لیے اس نے تمہیں یہ مقام دیا ہے۔''

پھر ایک اور واقعہ ایسا ہوا جس نے شمائل کو بالکل ہی الجھا کر رکھ دیا۔ نازیہ اسے لے کر گھر آ گئی تھی۔ اس نے شروع ہی سے بچے کو شمائل کا دودھ نہیں پینے دیا تھا۔ ڈاکٹروں سے مشورہ کر کے اس نے کئی دودھ بدل بدل کر اسے پلائے تھے اور آخر کار ایک ڈبے کا دودھ بچے کو موافق آ گیا تھا۔ شمائل نے صرف ایک بار دبی دبی زبان سے کہا۔

''یہ دودھ بچے کو نقصان نہ پہنچائے' آپ اگر اجازت دیں تو میں۔''

''دیکھو شمائل' اچھا ہوا' تم نے خود اس بات کا اظہار کر دیا دیکھو برا مت ماننا میں یہ نہیں کہتی کہ میں نے تم پر کوئی احسان کیا ہے۔ لیکن ایک اچھا بزنس مین جب سودا کرتا ہے تو اس سودے کے ہر پہلو پر غور کر لیتا ہے' ہم نے تمہیں غفلت میں نہیں رکھا' ہم نے کہہ دیا تھا کہ تمہیں نئی زندگی سے روشناس کرایا جا رہا ہے اور اس بچے سے تمہیں کوئی واسطہ نہیں رکھنا ہوگا' ہمیں یہ بھی فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ہم تمہیں اپنے ساتھ رکھیں یا نہ رکھیں۔ یہ بات طے ہے شمائل کہ ہم تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے' بہت کچھ دیں گے تمہیں' لیکن تمہیں اس بچے کو بھولنا ہوگا' بالکل بھولنا ہوگا' میں چاہتی ہوں کہ کوئی تصور بھی نہ کر پائے کہ میں اس بچے کی ماں نہیں ہوں۔''

شمائل خاموش ہو گئی' ہسپتال میں اور ہسپتال سے واپس آتے ہوئے بھی اس نے بہت سے فیصلے کیے تھے' اس نے سوچا تھا کہ نازیہ کو کسی بھی قیمت پر اپنے آپ سے برگشتہ نہیں ہونے دے گی اور سر جھکا کر وہاں قیام کرے گی اور پھر وقت کا انتظار۔

وہ جو واقعہ پیش آیا تھا وہ یوں تھا کہ اس گفتگو کے کوئی چھ سات دن کے بعد نازیہ کی ایک دوست کہیں باہر سے اس سے ملنے آئی۔ اتنی ہی گہری دوست ہوگی کہ نازیہ نے اس سے حقیقت نہیں چھپائی تھی' یہ دوست جانتی تھی کہ نازیہ ماں بننے کے قابل نہیں ہے۔ پہلا سوال اس نے بڑے اچنبھے کے ساتھ یہی کیا تھا۔

''یہ بچہ کس کا ہے۔؟''

''میرا۔''

''ناممکن، مجھ سے مت اڑو۔ تم نے کہیں سے ایڈاپٹ کیا ہے۔؟''

''نہیں فصیحہ، میرا ہی بچہ ہے۔''

''ٹھیک ہے مجھے بہت زیادہ کرید نہیں ہے، لیکن میں یہ بات تسلیم نہیں کرتی۔''

''دیکھ رہی ہوں، اتنی ہی ضدی ہو جتنی پہلے تھیں۔''

''سو تو میں ہوں۔''

''ایک عجیب کہانی ہے اس بچے کی۔'' نازیہ نے فصیحہ کی پوری تفصیل بتا دی، فصیحہ بولی۔

''اور وہ عورت کہاں گئی، میرا مطلب ہے وہ قیدی عورت۔؟''

''یہیں ہے، میں اس کے بارے میں سوچ رہی ہوں کہ کیا کیا جائے، اچھی عورت ہے، میرے کسی مسئلے میں مداخلت نہیں کرتی، اس سے مجھے کوئی دقت نہیں ہو رہی۔''

''پاگل ہوئی ہو بالکل، سب سے پہلا کام اب یہ کرو کہ اسے اس شہر سے اتنی دور بھجوا دو کہ اس کا سایہ تک اس بچے تک نہ پہنچنے پائے، بلکہ معاف کرنا میں تمہیں بتائے دے رہی ہوں میں کسی کی برائی نہیں چاہتی، لیکن دوست میں تمہاری ہوں کسی اور کی نہیں۔ اس طرح کے واقعات کسی ایسے موقعے پر جا کر بڑے سنگین ہو جاتے ہیں، میں جانتی ہوں تم ایک جذباتی عورت ہو۔''

''سنگین سے تمہاری کیا مراد ہے۔؟'' نازیہ نے سوال کیا۔

''مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا مرحلہ بھی آ سکتا ہے۔ جب وہ عورت حقیقتوں کا انکشاف کر دے۔''

''تت ______ تو پھر۔''

''نہیں نازیہ، اگر مجھے کہنے کی اجازت دو تو میں تو تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتی ہوں، وہ یہ کہ اس کی چھٹی کر دو۔''

''چھٹی۔''

''ہاں ٹخ۔''

''یعنی اسے قتل کرا دوں۔''

''اگر اپنی زندگی میں سکھ چاہتی ہو۔''

''بابا۔ تم مجھے کوئی جرائم پیشہ عورت سمجھتی ہو، ایسا تو میں بالکل نہیں کر سکوں گی۔ ہاں اتنا ضرور کر سکتی ہوں کہ جس قدر جلد ممکن ہو اسے یہاں سے دفع کر دوں، یا پھر کسی سے کہہ دوں کہ کوئی کچھ لے دے کر اسے اپنے ساتھ لے جائے، باقی اس کی مرضی ہے جو اس کا دل چاہے کرے۔''

فصیحہ پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی تھی۔ یہ تمام گفتگو بالکل اتفاقیہ طور پر شمائل کے کانوں تک پہنچی تھی اور شمائل کچھ لمحے تک اپنی جگہ ساکت کھڑی رہ گئی تھی، واقعی عالیہ بیگم کی گفتگو کا ایک ایک لفظ درست ثابت ہو رہا تھا، لیکن شمائل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اس نے کہا۔

''نازیہ ______ تھی تو میں بھی ایک شریف زادی، اچھے گھر سے میرا تعلق تھا، اور ہو سکتا ہے اگر حالات سازگار ہوتے۔ آفاق حیدر مجھے مل جاتا تو میں پہلے سے بھی زیادہ اچھی عورت ہوتی، لیکن وقت نے مجھ سے میری ساری اچھائیاں چھین لی ہیں، اور اب میں ایک بری عورت ہوں، کچھ بھی کر سکتی ہوں، کچھ بھی۔'' اس نے دوبارہ کان فصیحہ اور نازیہ کے درمیان ہونے والی گفتگو پر لگا دیئے۔ فصیحہ کہہ رہی تھی۔

''دیکھو، میں اس بیچاری سے کوئی پرخاش نہیں رکھتی، لیکن وہ بہر حال ایک مجرمہ ہے، تھی یا بنا دی گئی تھی یہ الگ بات ہے، لیکن تم نے اسے جیل میں ہی پایا ہے،

میرا مطلب یہ ہے کہ وہ کبھی بھی تمہیں بلیک میل کر سکتی ہے۔ ٹھیک ہے تم اسے یہاں سے کہیں نکال دو، اس کا منہ بھی بھر دو، لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ کسی بھی وقت وہ تمہارے سامنے آ کر اپنا منہ کھول سکتی ہے۔ تمہیں بلیک میل کر سکتی ہے۔'' نازیہ پریشان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی، پھر بولی۔

''تم نے تو مجھے پریشان کر دیا ہے فصیحہ۔''

''نہیں۔ ہر پریشانی کا ایک حل ہوتا ہے، تمہیں غور کرنا پڑے گا میری باتوں پر، یہ ضروری ہے۔''

نازنیہ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔ فصیحہ نے کہا۔

''چلو چھوڑو، بعض اوقات کسی سے ہمدردی کا اظہار بھی اس کے لیے تکلیف کا باعث بن جاتا ہے۔ میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ تم پریشان ہو جاؤ۔''

''نہیں پریشانی کی بات تو ہے، غور کرنا پڑے گا، جائزہ لینا پڑے گا۔''

شائل نے دل میں سوچا کہ نازیہ بیگم جائزہ لو اور اچھی طرح لو، تم لوگوں نے مجھے جیل سے نکال کر مجھ پر احسان کیا ہے۔ مانتی ہوں تمہارا یہ احسان، لیکن یہ بات بھی میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس دنیا میں جینے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ ہمدردی اور محبت کے ہر احساس کو دماغ سے کھرچ پھینکو، بس وہ کرو جو اپنے مفاد میں ہو۔ عالیہ بیگم یہی کہتی ہے۔

اور بس اس کے بعد شائل نے اپنے رویے میں بہت سی تبدیلیاں کیں، تنہائی میں ایک بار اس نے اپنے بچے کے سامنے کھڑے ہو کر کہا، جس کا نام نازیہ نے نبیل رکھا تھا، وہ کہنے لگی۔

''نبیل۔ تمہارا ماضی بہت عجیب ہے، تمہاری نمود ایک غیر حقیقی عمل کے تحت ہوئی ہے۔ مجھے معاف کرنا میرے بیٹے، ماں کی حیثیت سے تمہیں زندگی کے آخری لمحے تک چاہوں گی، لیکن میں پہلی ماں ہوں، جسے اپنی بیٹے سے نفرت کا اظہار کرنا ہے

شدید تر محبت کے باوجود، اور اس نے اس کا آغاز کر دیا، نبیل زور زور سے رو رہا تھا، وہ سامنے سے گزر جاتی تو نازیہ ہی اس سے کہتی۔

''ارے شائل کیسی ماں ہو تم بچہ رو رہا ہے بلک بلک کر لیکن تم اس کی طرف توجہ بھی نہیں دے رہیں۔ اٹھا لو بھئی اسے۔''

''جی بیگم جی۔''

''کیا بیگم جی بیگم جی لگا رکھی ہے تم نے، بہنوں کی طرح ہو تم میری۔''

''آپ کی محبت ہے، آپ کا بے حد شکریہ۔''

''شائل میں نے محسوس کیا ہے کہ تم بچے پر زیادہ توجہ نہیں دیتیں۔''

''وجہ اس کی نازیہ بہن۔''

''کیا وجہ ہے۔؟''

''آپ مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گی۔''

''کیوں بھئی آخر کیوں۔''

''میں جب بھی اس بچے کی صورت پر نگاہ ڈالتی ہوں مجھے اس کا باپ یاد آ جاتا ہے، نازیہ بہن، اگر آپ میری ایک درخواست پر غور کر لیں تو میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔''

''ہاں ہاں بولو۔''

''آپ اس بات کو اپنے ذہن سے نکال دیجئے، میں تو نکال چکی ہوں کہ یہ میرے جسم سے وجود میں آیا ہے، میں اس بات کو اپنی زندگی کی آخری سانس تک کے لیے نظر انداز کر دینا چاہتی ہوں۔''

''میں تمہاری کیفیت سمجھ رہی ہوں شائل، ٹھیک ہے تم بے فکر رہو۔''

نازیہ کو شائل کی باتوں سے بے حد اطمینان ہوا تھا، فصیحہ جو زہر اس کے کانوں میں انڈیل گئی تھی اس کے اثرات زائل ہو گئے تھے، لیکن شائل اپنا کام بڑی

خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہی تھی۔

نازیہ پہلے بھی کچھ لاپرواہ سی عورت تھی۔ سلطان کے سارے کام ملازمین ہی کیا کرتے تھے اور شمائل نے دیکھا کہ سلطان ملازمین کے کاموں سے مطمئن نہیں ہوتا۔ سخت گیر آدمی نہیں تھا' نازیہ کو برا بھلا تو نہیں کہتا تھا لیکن شکایت ضرور کرتا تھا۔

''نازیہ پلیز' یار دیکھو' یہ میرے لباس ہیں' یار میری حیثیت دیکھو' باہر کی دنیا میں ایک مقام ہے میرا' لیکن گھر میں دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا ہے تم نے مجھے۔''

''بات کیا ہے۔؟''

''یہ کپڑے دیکھ رہی ہو میرے' یہ ٹائی دیکھ رہی ہو' ملازم وہ نہیں کر سکتے نازیہ' انہیں کیا تمیز ان ساری باتوں کی۔؟''

''میں خیال رکھوں گی۔''

نازیہ کہتی لیکن خیال رکھنا اس کی فطرت میں ہی نہیں تھا' البتہ شمائل کو فوراً ایک کارڈ مل گیا۔ بہت تعلیم یافتہ عورت تھی' مسائل اور وسائل سے واقف۔ چند ہی روز کے اندر اندر سلطان حیران رہ گیا۔

''بھئی ایسا لگتا ہے جیسے ہماری تازہ تازہ شادی ہوئی ہے اور تم ایک دوسری نازیہ کی شکل میں آئی ہو۔''

''کیوں۔؟''

''یہ ان دنوں جو کمال ہو رہا ہے۔''

''یہ کمال میرا نہیں بیچاری شمائل کا ہے۔ بہت اچھی عورت ہے وہ۔ ایک دفعہ سن لیا تھا آپ کے منہ سے۔ بس مجھ سے کہنے لگی کہ نازیہ بہن آپ فکر نہ کریں۔ سلطان صاحب کے معاملے میں میں خیال رکھوں گی۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کبھی خود کو منظر عام پر نہیں لاتی۔ خاموشی سے اپنا کام کر دیتی ہے۔''

سلطان گردن ہلا کر رہ گیا تھا' لیکن دل پر ایک نقش ضرور پیدا ہوا تھا اور اس

بات کو سننے کے بعد اس شام پہلی بار اس نے شمائل کو چور نگاہوں سے اور غور سے دیکھا تھا اور دیکھ کر حیرت سے اچھل پڑا تھا۔ اب تک اس نے شمائل کو کبھی اتنی گہری نگاہوں سے نہیں دیکھا تھا' یہ تو واقعی حسین ترین لڑکی تھی۔ ایک بچے کی پیدائش کے بعد اس کی جسمانی موزونیت اور چہرے کے بھرے بھرے پن میں جو نکھار آیا تھا وہ ناقابل یقین تھا' جب وہ جیل سے آئی تھی تو ایک مرجھائی ہوئی کلی کی مانند تھی' لیکن اب اس قدر تر و تازہ تھی کہ دیکھنے والے کی نگاہ اس کے چہرے سے لپٹ جائے' سلطان بہت دیر تک اسے دیکھتا رہا تھا۔

اور اس رات وہ اس کے بارے میں سوچتا بھی رہا تھا' پتہ نہیں کیا محسوس کرتی ہے یہاں' خوش بھی ہے یا نہیں' کس قدر زمے دار اور وفا شعار ہے' بڑی عجیب بات ہے' جسے زندگی کی ہر خوشی ہر سکھ مل جائے وہ اس بات سے گریزاں ہو جاتا ہے کہ اس سکھ اور خوشی کا ذریعہ کیا ہے' نازیہ صحیح معنوں میں کچھ بھی نہیں تھی' نہ وہ اس کے بچے کی ماں بن سکی نہ ہی اس کی ہمدرد اور اس کی خدمت گزار۔ یہ تو بس گزارنے والی بات ہے' ایسا ہونا تو نہیں چاہیے۔

بہر حال یہ پہلا نقش سلطان احمد کے ذہن پر تھا اور بالکل اتفاقیہ طور پر اس معاملے کو آگے بڑھنے کا موقع مل گیا' نازیہ کی خالہ زاد بہن کی شادی تھی۔ اس نے سلطان احمد سے کہا کہ وہ کم سے کم پندرہ دن کے لیے جائے گی۔

''پندرہ دن' اور میں یہاں کیا جھک ماروں گا۔؟''

''چھٹی لے لیں' میرے ساتھ چلیں۔''

''جی ہاں' ایسی ہی دلچسپ جگہ ہے وہ' اور ایسا ہی کسی دفتر کا کلرک ہوں' محترمہ ذمے داری ہے میری' کئی محکمے میرے تحت چلتے ہیں۔''

''مگر میں تو ضرور جاؤں گی اور پھر وہاں سارے کے سارے نبیل کو دیکھنے کی خواہش بھی رکھتے ہیں' ابھی تک نبیل میرے اہل خاندان سے نہیں ملا۔''

''ٹھیک ہے جایئے۔'' سلطان احمد نے کہا اور اور تیاریاں کرنے کے بعد نازیہ چلی گئی' اس نے کچھ بھی نہیں سوچا تھا کہ شائل اکیلی اس کے شوہر کے ساتھ رہے گی' یہ شاید لاپرواہی تھی یا پھر ذہنی پستی' لیکن شائل کے لیے یہ گولڈن چانس تھا۔ وہ اور کھل گئی' اس نے سلطان احمد کے ایک ایک لمحے کا خیال رکھنا شروع کر دیا۔

پھر تیسرے ہی دن سلطان احمد کو شدید بخار نے آ گھیرا' یہ بھی ایک عجیب کہانی تھی' یہ سلطان احمد کی پشتینی بیماری تھی کہ جب بھی اسے بخار آتا' وہ ذہنی طور پر آؤٹ ہو جاتا' شدید دیوانگی کا شکار' یہی کیفیت اس کے باپ کی اور پھر اس کے دادا کی ہوتی تھی۔

وہ بستر سے جالگا' ڈاکٹر نے دوائیں بے شک دے دی تھیں لیکن تیمارداری کی اشد ضرورت تھی اور شائل نے یہ راستہ بھی سنبھال لیا۔ البتہ شدید اور تیز بخار کے عالم میں جب سلطان کو پہلا دورہ پڑا تو اس نے شائل کو پیٹ ڈالا۔ اتنا مارا اسے کہ شائل کی پیشانی زخمی ہو گئی۔

یہ دیوانگی اور جنون کا عالم ہوتا تھا اور سارا وقت سلطان اپنے آپے میں نہیں ہوتا تھا' غالباً یہ اس کی دبی ہوئی شخصیت کا دوسرا روپ تھا کیونکہ پہلے روپ میں وہ ایک بہت ہی نرم خو اور حلیم فطرت کا مالک تھا۔ شائل کی پیشانی سے خون بہہ نکلا تھا' ملازموں نے اسے بتایا کہ بخار کے عالم میں صاحب پر ایسے دورے پڑا کرتے ہیں۔

بہرحال شائل نے اپنے ماتھے پر پٹی باندھ لی تھی۔ دوسری صبح سلطان کو ہوش آیا' بخار اتر گیا تھا۔ یہ دورہ بخار جانے کی علامت ہوتا تھا' لیکن شائل کی پیشانی پر بندھی پٹی دیکھ کر وہ دھک سے رہ گیا۔ اسے اپنے جنون کے عالم کے واقعات بھی یاد رہ جاتے تھے اور اسے یاد تھا کہ شائل اس کے پاؤں دبا رہی تھی کہ اچانک ہی اس کا دماغ آؤٹ ہو گیا' اس نے ایک زوردار لات شائل کو ماری' اور پھر بستر سے اٹھ کر اسے بری طرح پیٹنے لگا۔ اس نے شرمسار نگاہوں سے شائل کو دیکھا اور مدہم لہجے میں بولا۔

''شائل! بات سنیئے۔''

''جی سر۔''

''شائل کوئی ایسی تدبیر ہو سکتی ہے کہ آپ مجھے معاف کر دیں۔''

''نہیں سر۔ ملازم مجھے بتا چکے ہیں کہ بخار کے عالم میں آپ کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ یہ تو ایک مجبوری ہے۔ ہم اسے بیماری کا ہی نام دے سکتے ہیں۔''

''شائل! میں شاید زندگی بھر اپنے آپ کو اس بدتمیزی کے لیے معاف نہ کر سکوں' اگر آپ بڑائی سے کام لینا پسند کریں تو خدا کے واسطے مجھے معاف کر دیں' جو کچھ ہوا ہے آپ یقین کیجئے وہ واقعی صرف ایک بیماری تھی' میں نے جان بوجھ کر سب کچھ نہیں کیا' شائل میں سخت شرمندہ ہوں۔''

''اور اب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں' جس شخصیت کو آپ نے زندگی کے دس سال بخش دیئے ہیں' جس کی اولاد کو آپ نے اپنا نام دے کر اس کی توقیر بڑھا دی ہے' اس سے آپ اتنی سی بات کے لیے معافی مانگ رہے ہیں' سر آپ کی قسم میرے دل میں ذرہ برابر کوئی بات نہیں ہے' یہ تو ایک بیماری ہے' ایک مجبوری' آپ مجھ سے معافی مانگ کر مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔''

سلطان احمد کچھ اس طرح بے اختیار ہوا کہ اس نے آگے بڑھ کر شائل کو گلے لگا لیا' شائل پوری جان سے اس سے لپٹ گئی تھی اور بس ایسا ہی ایک لمحہ زندگی بن جاتا ہے' سلطان احمد نے اس کی ٹھوڑی سے اوپر اٹھائی اور بولا۔

''شائل کتنی اپنائیت ہے آپ کے اندر۔؟''

''سر میں تو صرف ایک بات کہوں گی' بات صرف دس سال کی ہی نہیں ہے' ہو سکتا ہے زندگی کے دو سال بھی میں زندہ رہ کر نہیں گزار سکتی' آپ مجھے کوئی بھی مقام دیں' لیکن میں اس زندگی کو آپ کی امانت سمجھتی ہوں۔ کیونکہ یہ سانس اور یہ سکون آپ نے ہی مجھے دیا ہے۔''

''شمائل، اتفاق کی بات ہے جب ہم اس درجے تک پہنچ چکے ہیں تو میں آج سے بہتر موقع اور اور کوئی نہیں پاؤں گا کہ آپ سے دل کی بات کہہ دوں، شمائل اب آپ بھی میری زندگی کا ایک حصہ بن چکی ہیں، مجھے حالات وواقعات کا اندازہ ہے، شمائل بہت جلد میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ میری زندگی کا مستقل حصہ بن جائیں۔''

شمائل نے گردن جھکا دی تھی۔ جو فاصلہ وہ سمجھتی تھی کہ برسوں میں طے ہوگا وہ لمحوں میں طے ہو گیا تھا۔

پھر نازیہ واپس آ گئی، ہنسی خوشی، نبیل کو اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے، اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ شمائل ایک بھرپور وار کر چکی ہے، یہاں کے حالات اس نے معمول کے مطابق پائے، شمائل اپنی اسی پراسرار خاموشی کے ساتھ گھر کے سارے کام سنبھالے ہوئے تھی۔ کچن، گھر کی صفائی، باہر کے لان وغیرہ ہر جگہ وہ اپنی ذہانت کے کرشمے دکھا رہی تھی، لیکن چند ہی دنوں کے بعد نازیہ کو احساس ہوا کہ سلطان احمد کا رویہ اس کے ساتھ بہتر نہیں رہا ہے۔

وہ حیران سی رہ گئی، اور پھر ایک دن اس نے سلطان احمد سے بات کر ہی لی۔

''یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے سلطان، ہر وقت اکھڑے اکھڑے سے رہتے ہو، ایسا لگتا ہے جیسے تم مجھ سے بیزار ہو گئے ہو۔''

سلطان نے گھور کر اسے دیکھا اور پھر بولا ''کیا چاہتی ہو تم۔؟''

''میں یہ چاہتی ہوں کہ تم مجھ پر پوری پوری توجہ دو، بیوی ہوں میں تمہاری، یہ کیا، دیر سے آئے، ضروریات سے فارغ ہوئے، بستر پر جا لیٹے، صبح کو اٹھے اور ڈیوٹی پر چلے گئے۔''

''دیکھو نازیہ! انسان کی برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے، ہر چیز کا ایک مقام ہوتا ہے، تم مجھے بتاؤ، تم میرے کس کام آتی ہو، گھر کی صفائی ستھرائی ملازم کرتے

ہیں، میرے ہر اچھے برے کا خیال شمائل رکھتی ہے، تم صرف اپنے شوق کی تکمیل کر رہی ہو۔''

''تمہیں مجھ سے شکایت پیدا ہو گئی ہے۔''

''ہو نہیں گئی ہے، ہمیشہ سے ہے، میں نے تم سے وہ بیوی جیسی بات ہی نہیں پائی، راج کرا دیا ہے میں نے تمہیں، لیکن مجھے ہمیشہ یوں لگا جیسے تم کسی چیز کو خاطر میں ہی نہیں لاتیں۔''

''وجہ ہے اس کی۔'' نازیہ نے پہلی بیوقوفی کی۔

''کیا وجہ ہے۔؟''

''اس لیے کہ میں بھی کسی بھٹیار خانے سے اٹھ کر یہاں تک نہیں آئی ہوں، تم بہت بڑے سرکاری افسر ہو، بہت بڑا مقام ہے تمہارا، لیکن جس گھر سے میں آئی ہوں، وہ بھی معمولی گھر نہیں ہے، تم سے اچھی ہی حیثیت ہے ہماری، میں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ جاہل عورتوں کی طرح تمہاری خدمت گزاری کروں گی تو اس خیال کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ذہن سے نکال دو، دس دس ملازم میرے اردگرد رہتے ہیں ہمیشہ جو میرے پاؤں کے ناخن سے لے کر سر کے بالوں تک کا خیال رکھتے تھے، میں خدمت کرانے کی عادی ہوں، خدمت کرنے کی عادی نہیں ہوں۔''

''ہاں یہ اندازہ تو مجھے ہو گیا تھا، لیکن کبھی میں نے اس پر غور نہیں کیا تھا، اب اس پر غور کرتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ تمہارے سلسلے میں بڑی حماقت کا ثبوت دیا میں نے۔ شروع ہی سے تمہیں تمہاری اوقات یاد دلا دینی چاہیے تھی۔''

''میری اوقات۔'' نازیہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''ہاں تمہاری اوقات۔''

''کیا اوقات ہے میری۔؟''

''دو کوڑی کی عورت، بلکہ نا عورت سمجھ رہی ہو نا تم، یہ اصطلاح میرے ذہن

میں ہمیشہ سے تمہارے لیے ہے' ناعورت' ناعورت' ناعورت' تم عورت ہو ہی نہیں' کیا خوبی ہے تمہارے اندر' تم مجھے میری اولاد تک نہیں دے سکیں اور غیر کا خون پال رہی ہو۔''

''اگر ایسی بات ہے تو تم مجھے طلاق دے دو۔'' نازیہ بپھر کر بولی۔

''لکھ کر دو مجھے یہ بات۔'' سلطان احمد غرایا۔

''ہاں ہاں لکھ دیتی ہوں۔''

''لکھو۔'' سلطان احمد نے کہا اور نازیہ رائٹنگ ٹیبل پر پہنچ گئی۔ وہ بھی خاصی جنونی تھی' اس نے کاغذ پر لکھ کر دیا۔

میں تم سے طلاق چاہتی ہوں سلطان احمد' میں تم سے طلاق چاہتی ہوں سمجھے اور اگر تم نے مجھے طلاق نہ دی تو میں خودکشی کر لوں گی یا تمہیں ختم کر دوں گی' سمجھے۔''

وہ دیوانگی کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ نیچے اس نے اپنے دستخط کر دیئے اور کاغذ سلطان احمد کے حوالے کر دیا۔ سلطان احمد نے کاغذ پر نگاہ ڈالی اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔

اس دوران شمائل کا کہیں آس پاس پتہ نہیں تھا۔ لیکن وہ بیوقوف نہیں تھی' ان دونوں کی گفتگو سننے کے لیے اس نے ایک بہتر جگہ منتخب کر لی تھی۔ سلطان احمد کمرے سے نکل آیا' اس نے وہ کاغذ تہہ کر کے اپنے لباس میں رکھ لیا تھا' یہ حقیقت تھی کہ وہ بہت بڑی حیثیت کا مالک تھا' لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ اس کی بیوی نے اسے کبھی وہ عزت نہیں دی تھی جس کا وہ مستحق تھا' نازیہ کا تعلق بھی ایک بڑے گھر سے تھا' والدین کھاتے پیتے کاروباری لوگ تھے' مالی طور پر بے حد مضبوط۔

نازیہ کے ہاں اولاد نہیں پیدا ہوئی تھی۔ بہت سارے ٹیسٹ کرانے کے بعد ڈاکٹروں نے یہی کہا تھا کہ خود نازیہ بانجھ ہے اور اولاد پیدا نہیں کر سکتی' جبکہ سلطان احمد میں ایسی کوئی خرابی نہیں ہے' لیکن سلطان احمد نے دو تین بار کی گفتگو میں اس بات

کو نظر انداز کر دیا تھا۔ بلکہ نازیہ نے اس سے خود کہا تھا کہ سلطان کیا تم اولاد کے لیے دوسری شادی کرو گے۔ سلطان نے ہنستے ہوئے مذاق میں کہا تھا کہ وہ خود کیا کہتی ہے اس بارے میں۔

''صرف یہی کہتی ہوں کہ اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو صرف اسے ہی ختم نہیں کروں گی جس سے تم اولاد کی خواہش کرو گے بلکہ تم دونوں کو زندہ جلا دوں گی۔''

سلطان کو یہ الفاظ برے لگے تھے۔ نازیہ کو اس قدر سخت لہجہ اختیار کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا' لیکن فطرتاً ٹھنڈا آدمی تھا' ٹال گیا تھا۔ اب صورت حال بالکل مختلف ہو گئی تھی۔ اسے لمحہ لمحہ یہ احساس ہوتا تھا کہ نازیہ نے اس کی شرافت سے غلط فائدہ اٹھایا ہے' ہمیشہ اسے ذلیل و خوار کیا ہے۔ صرف اس بنیاد پر کہ وہ ایک بڑے گھرانے کی لڑکی ہے۔

حالانکہ سلطان اس گھرانے کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا اور اب صورت حال بدل گئی تھی۔ شمائل نے اسے یہ احساس دلایا تھا کہ وہ قابل عزت بھی ہے اور قابل محبت بھی' چنانچہ سلطان کا موڈ ایک دم تبدیل ہو گیا تھا' اب وہ ہر مسئلے کو فیس کر سکتا تھا۔

ادھر نازیہ غصے میں ڈوبی ہوئی اپنا سامان باندھ رہی تھی اور اس کے بعد وہ نبیل کو کندھے سے لگا کر اپنا سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکلی' یہ وہ موقع تھا جب سلطان اس راہداری میں موجود تھا جس سے گزر کر نازیہ کو گیٹ تک جانا تھا۔ سلطان اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''اس بچے کو تم نے اپنے کندھے سے کیوں لگا رکھا ہے۔؟''

''کیوں' اسے کون روک سکتا ہے میرے ساتھ جانے سے۔؟''

''پاگل ہو گئی ہو نا۔ دماغ ٹھیک کرنا آتا ہے مجھے' لاؤ اسے مجھے دو۔''

''نہیں دوں گی' یہ میرا بچہ ہے۔''

''شرم نہیں آتی یہ کہتے ہوئے' غیرت نہیں آتی تمہیں۔؟''

''ہاں ہاں غیرت آتی ہے مجھے' تم پر غیرت آتی ہے' ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔''

''بی بی جو کچھ کیا ہے میرے تعاون سے کیا ہے تم نے' بھلا اس کا کیا سوال ہے کہ یہ بچہ تم لے جاؤ' یہ تو تمہارے حق مہر میں بھی نہیں لکھا۔'' سلطان نے آگے بڑھ کر نبیل کو نازیہ کی گود سے چھین لیا۔ نازیہ سلطان پر جھپٹے مار رہی تھی اور جب وہ حد سے آگے بڑھنے لگی تو سلطان نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا وہ جھکی تو سلطان کی لات اس کی کمر پر پڑی۔ اور نازیہ دور جا گری۔ وہ زار و قطار رونے لگی تھی' سلطان نے اسے کہا۔

''اگر تم اس سے زیادہ بری درگت کرانا چاہتی ہو تو صحن میں لے جا کر نوکروں کے سامنے اتنے جوتے لگاؤں گا کہ تمہارا دماغ ٹھیک ہو جائے گا۔'' نازیہ نے خونی نگاہوں سے سلطان کو دیکھا' اپنی جگہ سے اٹھی اور سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گئی' باہر جا کر اس نے ایک ٹیکسی روکی اور ریلوے اسٹیشن چل پڑی۔

دور سے شمائل یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی' اس کا چہرہ بھی لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

''بالکل اتنی بری نہیں تھی میں' بالکل اتنی بری نہیں تھی' میں نے ایک اچھے مستقبل کی خواہش کی تھی' اگر آفاق حیدر مجھے اپنی زندگی میں شامل کر لیتا تو میں ایک آئیڈیل بیوی بن کر اسے دکھاتی' اس کے والدین میرے کتنے ہی مخالف کیوں نہ ہوتے۔ رفتہ رفتہ میں انہیں اس پر آمادہ کر لیتی کہ وہ مجھ سے محبت کریں' آفاق میرے پہلے قاتل تم ہو' میرا دوسرا قاتل توصیف اے شیخ' ہاں میں اسے دوسرا قاتل ہی کہوں گی' وہ صحیح معنوں میں دوسرے نمبر پر ہے کیونکہ اس نے مجھے ایسا دھوکا دیا تھا جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی اور میرا تیسرا قاتل بدرالدین ہے' وہ دوہرے قتل کا مجرم ہے' میری ماں کو تو اس نے قتل کیا ہی تھا' لیکن اس نے مجھے بھی قتل کر دیا' بہر حال انسان جینے کی جدوجہد کرتا ہے' معاف کرنا نازیہ یہ تمہاری سیٹ مجھے چاہیے تھی۔

سلطان احمد جانتا تھا کہ نازیہ کے والدین خاموش نہیں بیٹھیں گے' وہ اس بات کا بھرپور نوٹس لیں گے اور اسے مجبور کریں گے' سلطان اس قدر بے اختیار نہیں تھا کہ ان سے کسی طرح کا خوف کھاتا' کچھ اخلاقیات تھیں اور کچھ ماضی کی شرم جس کی وجہ سے وہ کوئی بہت سخت قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا' ساری باتیں اپنی جگہ تھیں' لیکن سب سے بڑا تحفظ اسے شمائل کو دینا تھا۔

دولت مند آدمی تھا' فوری طور پر اس نے شمائل کو اس گھر سے علیحدہ رکھنے کا فیصلہ کیا۔ شمائل نے جس طرح اس پر اپنی شخصیت کا تسلط قائم کیا تھا وہ بہت پائیدار تھا' بے شمار گھرانوں میں ایسا ہوتا ہے' مرد برے نہیں ہوتے' لیکن بیویاں ان کی شخصیت کو مکمل طور پر نہیں سمجھ پاتیں۔ بات صرف اتنی سی نہیں ہے کہ آپ کسی شوہر کی بیوی بن جائیں۔ بیوی بن جانے کے بعد زندگی کا جو عمل شروع ہوتا ہے وہ بڑی بنیادی حیثیت رکھتا ہے' اور وہاں سے صحیح معنوں میں آپ کا مستقبل بنتا ہے۔

ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں' بہت سے لوگ ہر حالت میں گزارہ کرنے کے قائل ہوتے ہیں' بہت سے لوگ اختلاف رکھتے ہیں مگر اس کا اظہار نہیں کر پاتے اور یہ صورت حال بہت زیادہ خطرناک ہوتی ہے کیونکہ یہ اختلافات ان کے دل میں جمع ہوتے چلے جاتے ہیں اور پھر جب گنجائش ختم ہو جاتی ہے تو وہ عام لوگوں سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔

سلطان احمد بھی اسی ٹائپ کا آدمی تھا' شمائل بچے کی دیکھ بھال کر رہی تھی بچے سے اسے بے پناہ محبت تھی' ہاں جب وہ اس کے نقوش پر غور کرتی تو نفرت کی ایک لہر اس کے دل سے گزر جاتی' بچے کے لیے نہیں' بچے کے باپ کے لیے' بہت عرصے تک مجاہدہ کیا تھا اس نے۔ یہ صبر معمولی کام نہیں تھا جو اتنے دن تک اس نے کیا تھا اور آخر کار وہ اس میں کامیاب ہو گئی تھی۔ نبیل دوبارہ اس کی آغوش میں پہنچ گیا تھا اور اس نے ایک مضبوط شخص کا سہارا لے کر اپنے آپ کو مضبوط انداز میں مستحکم کر لیا تھا'

سارا جھگڑا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا' سلطان احمد جب اس کے پاس پہنچا تو اس کے چہرے پر عجیب سی کیفیت تھی۔

''شمائل۔ تمہیں نازیہ کے بارے میں معلوم ہے۔؟''

شمائل نے گردن جھکالی' سلطان احمد بولا۔

''جواب دو' معلوم ہے یا نہیں۔''

''جی جی معلوم ہے۔''

''زیادتی کی اس نے میرے ساتھ' دل کی بات بتانا میری مجبوری ہے' شمائل میں کوئی برا انسان نہیں ہوں' بے حیثیت بھی نہیں ہوں' برائی کے راستے اپنانا چاہتا تو اتنا آگے بڑھ سکتا تھا کہ لوگ میری برائیوں کی مثال دیتے کیونکہ میرے پاس ذرائع بھی تھے' لیکن میں نے خود کو ایک برا انسان نہیں بنایا اور گزارہ کیا' یہ بات میں اب بھی کہتا ہوں کہ مجھے اولاد کی بہت زیادہ ضرورت نہیں محسوس ہوتی تھی' لیکن کبھی کبھی میرے دل میں بھی یہ خیال اٹھتا تھا کہ دنیا جس انداز میں آگے بڑھتی ہے میرا انداز اس سے مختلف ہے' بہر حال چونکہ یہ نازیہ کا قصور بھی نہیں تھا' اس کی بیماری تھی' میں نے کبھی اسے اس کا احساس نہیں ہونے دیا اور بھرپور تحفظ دیا' بہرحال ایسی صورت میں اسے میرے ساتھ تعاون کرنا چاہیے تھا لیکن جیسا کہ میں نے تم سے کہا بعض خواتین ایسی ہوتی ہیں جو ہر چیز کو اپنا حق سمجھتی ہیں' چاہے ان کا انداز فکر غلط ہی کیوں نہ ہو۔ شمائل! نازیہ اس معاملے میں کبھی ایک اچھی عورت نہیں رہی اور آج وہی ہوا جو پہلے بھی کبھی کسی وقت ہو سکتا تھا' لیکن اب ہو گیا ہے' میں چھچھوری فطرت کا مالک نہیں ہوں' میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا اور شمائل معاف کرنا' یہ کام میں نے تمہارے سہارے پر کیا ہے' میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے شمائل کہ اب تک میں نے تمہیں جس انداز میں دیکھا ہے' اس نے مجھے کئی بار اس حسرت کا شکار کیا کہ کاش تم میری زندگی کا حصہ ہوتیں۔ اور اب جو اچانک میرے اور تمہارے درمیان ایک قدرتی ربط پیدا ہوا

اس نے ایک بار پھر میرے دل میں یہ آرزو روشن کر دی ہے کہ تم میری زندگی میں شامل ہو جاؤ اور میں تمہارے ساتھ ایک حسین وقت گزاروں' نبیل ہمارے درمیان رہے گا مگر نازیہ کی کیا مجال کہ وہ اسے چھین سکے۔ وہ تمہارا بچہ ہے' وہ ہمارا بچہ ہوگا' میں کبھی اسے یہ احساس نہیں ہونے دوں گا کہ میں اس کا سگا باپ نہیں ہوں' میری بات سمجھ رہی ہو نا شمائل۔''

''جی۔'' شمائل گردن جھکا کر بولی۔ دل ہی دل میں وہ بے حد خوش ہو رہی تھی' سلطان نے آخری بات کہی۔

''نازیہ آسانی سے خاموش نہیں بیٹھے گی' کم از کم اس وقت تک جب تک کہ میں اسے طلاق نہیں دے دوں گا' میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی نہ ہونے پائے چنانچہ میں تمہیں ایک الگ گھر میں منتقل کر رہا ہوں عارضی طور پر' حالات ہموار ہو جائیں گے تو میں تمہیں واپس یہاں لے آؤں گا' اور شمائل اس کے بعد ہم دونوں اس قدرتی قانون کے تحت ایک دوسرے سے منسلک ہو جائیں گے۔ شمائل بس ایک سوال کروں گا تم سے جس کا تمہیں جواب دینا ہے۔ تم نے میری یہ ساری باتیں سن لیں' تمہیں میری کسی بات پر اعتراض تو نہیں ہے۔

''نہیں۔'' شمائل نے جواب دیا۔

نازیہ نے اپنے گھر جا کر والدین کو پوری کہانی سنائی' اس کے بھائی تو بڑے جوش میں آئے اور انہوں نے سلطان احمد سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا' طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے وہ' لیکن نازیہ کے والد نے کہا۔

''بیوقوفی کی کسی حرکت کی اجازت نہیں دے سکتا میں' تم لوگ اس کی حیثیت کو نہیں جانتے۔''

''تو ہم بھی کوئی گھاس کھودنے والے نہیں ہیں' ٹھیک ہے وہ بہت بڑا سرکاری عہدے دار ہے' لیکن بات تو قاعدے کی ہے' جو کچھ اس نے کیا ہے اس میں

کوئی شرافت تو نہیں تھی۔''

''پھر بھی میں سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہتا ہوں' نازیہ تم یہ بتاؤ کیا تم اس کے ساتھ رہنا پسند کرو گی۔؟''

''بالکل نہیں ڈیڈی' ہرگز نہیں' کیا سمجھتا ہے وہ مجھے' اس نے تھپڑ مارا ہے میرے منہ پر' میں بتا نہیں سکتی آپ کو' لات مار کر گرایا ہے اس نے مجھے' میں ______ میں اس کا خون پینا چاہتی ہوں' اس کے علاوہ مجھے اس سے اور کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ سمجھتا کیا کہ وہ اپنے آپ کو۔''

''ذرا تھوڑے دن تک انتظار کرو غور کرو' ہوسکتا ہے خود اس کا دماغ ٹھکانے آئے اور وہ تمہیں لینے آجائے۔''

بہر حال باپ نے سب کو ٹھنڈا کیا اور کوئی دس دن تک انتظار کیا گیا۔ لیکن گیارہویں دن جو صورت حال پیش آئی تو وہ بڑی سنگین تھی۔ نازیہ کو باقاعدہ طلاق کے کاغذات پہنچ گئے تھے اور ان کاغذات کو دیکھ کر سب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

''سلطان احمد نے طلاق بھیجی ہے۔''

''دیکھا آپ نے ڈیڈی' بڑے صلح جو بنتے تھے آپ' دیکھ لیا ڈیڈی یہ بے عزتی آپ کی وجہ سے ہوئی ہے ہماری۔''

''کیا بکواس کرتے ہو' کیسی بے عزتی۔''

''ہماری طرف سے یہ طلاق ہونی چاہیے تھی' ہمیں اس کی شکل پر تھوکنا چاہیے تھا۔ ہمیں پرزور لہجے میں اس سے کہنا چاہیے تھا کہ ہماری بہن کو طلاق دے لیکن یہاں ہمیں آپ کی وجہ سے ذلیل ہونا پڑا ہے۔''

''آؤ اس سے بات کرتے ہیں' اسے یہ کاغذات واپس لینا ہوں گے۔'' نازیہ کو بھی ساتھ لیا گیا تھا۔

سلطان احمد جانتا تھا کہ اب اس کے اس دوسرے قدم کاری ایکشن ضرور ہوگا' چنانچہ وہ انتظار میں تھا' ٹیلی فون تک نہیں کیا ان لوگوں نے اسے' اور نازیہ سمیت اس کے گھر پہنچ گئے' نازیہ درحقیقت بری طرح بپھری ہوئی تھی۔ شوہر سے محبت تو خیر اسے ضرور ہوگی' لیکن اس کا انداز ایک بگڑی ہوئی امیرزادی کا سا تھا اور اس وقت وہ شدید ردعمل کا شکار تھی۔

سلطان احمد نے سرد انداز میں ان کا خیر مقدم کیا۔ نازیہ کے والد نے اس سے کہا۔

''سلطان یہ اچانک تمہیں کیا ہوا۔ ہم تو تم پر بہت ناز کرتے تھے کہ ہمارا داماد بہت حلیم الطبع اور نفیس انسان ہے' نازیہ کہتی ہے تم نے اسے تھپڑ مارا' اس کی کمر پر لات ماری اور اسے گھر سے نکال دیا' کیا یہ سب کچھ سچ ہے۔؟''

''ہر چیز کا ایک پس منظر ہوتا ہے محترم' میں آپ کا اب بھی اسی درجے احترام کرتا ہوں۔''

''احترام تو میرا خیر تم اتنا کرتے ہو جتنا ہمیں معلوم ہے' تم اگر چاہتے تو ہمیں اس بارے میں اطلاع دے سکتے تھے۔''

''سنیئے' محترم بزرگ' ڈیڈی تو میں آپ کو کہہ نہیں سکتا کیونکہ جس رشتے سے میں آپ کو ڈیڈی کہتا تھا وہ رشتہ ختم ہو گیا ہے۔''

''دو کاغذ پر تحریر لکھ کر بھیج دینے سے رشتے ختم نہیں ہوتے۔''

''نہیں۔ وہ رشتہ یقینی اور قانونی طور پر ختم ہو چکا ہے اور اب اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔''

''اور اس کی وجہ عورت ہے جس کا بچہ تم نے گود لیا تھا۔''

''میں آپ کو اپنی ذاتیات میں مداخلت کی کوئی اجازت نہیں دے سکتا' نازیہ اگر کوئی ایسا قدم اٹھانا چاہتی ہے جو میرے خلاف ہو تو اس کی آپ کو بھرپور

اجازت دیتا ہوں، لیکن اس کے جواب میں ایک اور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ جب دشمنی کا آغاز کیا جاتا ہے تو کسی رعایت کی توقع رکھنا بالکل غلط ہوگا، نازیہ نے اگر ان تمام حقیقتوں کو آشکارا کیا جو ہیں اور بالکل ٹھیک ہیں تو میں آپ لوگوں کو ایک ایسے جال میں پھنسادوں گا کہ آپ لوگ کوڑی کوڑی کے محتاج ہو جائیں گے اور بے عزتی الگ ہوگی آپ کی، میں نے کبھی اس لہجے میں کسی سے گفتگو نہیں کی لیکن ہر انسان کو اپنی مدافعت کا حق ہے۔ نازیہ نے یہ گنجائش نہیں چھوڑی کہ میں کسی رعایت کو سامنے رکھوں۔''

''ارے ہم بھی چوہے نہیں ہیں، دیکھ لیں گے کیا کرتے ہو تم۔؟''

''دیکھئے یہاں سے آپ اپنے قدموں سے واپس نہیں جاسکیں گے۔ پولیس آپ کو ہتھکڑی لگا کر لے جائے گی۔ یہ بات آپ اپنے ذہن میں بٹھا لیجئے اور محترم بزرگ میں کوئی رعایت نہیں کروں گا اس سلسلے میں، ورنہ آپ اپنے ان پلوں کو سنبھال لیجئے۔'' سلطان احمد آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔

''حرام زادو! میں نے تم سے کہا تھا کہ میری آواز پر اپنی آواز بلند کرنے کی کوشش مت کرو۔ سمجھ رہے ہو نا تم۔'' نازیہ کے والد نے اپنے بیٹوں کو ڈانٹا۔

''شکریہ۔ تو میں آپ سے یہ عرض کر رہا تھا کہ میں نے جتنے عرصے نازیہ کے ساتھ وقت گزارا اس میں نازیہ کو کبھی ایسا کوئی موقع نہیں دیا جس پر انہیں مجھ سے شکایت ہو۔ انہیں شکایت ہوئی اور انہوں نے اس قدر برا رویہ اختیار کیا کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی، اگر میں قصور وار ہوتا تو اس بات کی گنجائش چھوڑتا کہ معافی تلافی سے کام چل جائے، لیکن ایسی گنجائش رہی نہیں، آپ لوگ اگر چاہیں تو بات ختم کر کے جا سکتے ہیں اور اگر آپ کو اس کی خواہش ہو کہ کوئی اور قدم اٹھائیں تو میں آپ کو دعوت دیتا ہوں ضرور اٹھائیے۔''

''نبیل کہاں ہے۔؟'' نازیہ نے سوال کیا۔

''وہ آپ کی ملکیت نہیں ہے نازیہ، وہ آپ کی اولاد نہیں ہے، جس کی اولاد تھی میں نے اسے اس کے حوالے کر کے اس سے معذرت کر لی، وہ گھر سے چلی گئی۔''

''کیا۔؟'' نازیہ چونک پڑی۔

''جی۔ اب وہ اس گھر میں نہیں ہے۔''

''مم ____ مگر ____''

''کچھ نہیں نازیہ، میرا خیال ہے محترم بزرگ، میں آپ کو بہت وقت دے چکا ہوں، میری طرف سے اس اجازت کے بعد آپ براہ کرم تشریف لے جائیے کیونکہ مجھے بھی جانا ہے۔ گارڈ!'' سلطان احمد نے آواز دی اور دو مسلح گارڈ اندر آ گئے۔

''معزز مہمانوں کو عزت کے ساتھ باہر چھوڑ آؤ۔'' گارڈ ان کے سامنے آ گئے تھے۔

اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ یہ لوگ وہاں سے رخصت ہو جائیں۔

◇◇◇

نازیہ نے شمائل کو ایک حقیر شخصیت تصور کیا تھا' اس کے اندر چھپے ہوئے طوفانوں تک تو نازیہ کا تصور بھی نہیں پہنچ سکا تھا' بہر حال شمائل نے نازیہ کو تنکوں سے اڑا دیا تھا اور نازیہ پاؤں پٹخ کر رہ گئی تھی۔ سلطان احمد کے اختیارات کے سامنے نازیہ کے دولت مند والدین کی بھی ایک نہ چل سکی تھی' کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے تھے وہ سلطان کا اور سر پٹخ کر بیٹھ گئے تھے۔

ادھر سلطان احمد جو فطری طور پر برا انسان نہیں تھا' لیکن اس قدر بھلا بھی نہیں کہ دنیا اسے چاٹ کر رکھ دے' اپنے ہر طرح کے مسائل سے نمٹنا جانتا تھا۔ نازیہ بانجھ تھی' سلطان احمد نے ایک شریف شوہر کی طرح اس کے بے اولاد ہونے کو نظر انداز کر دیا تھا' لیکن نازیہ اپنے آپ کو کسی طور کمتر نہیں سمجھتی تھی' اولاد نہیں ہوئی نہ سہی' کسی کو کیا حق ہے کہ اس پر نکتہ چینی کرے۔

سلطان احمد کو اس نے کبھی وہ حیثیت نہیں دی تھی جو وفا شعار بیویاں اپنی محبتوں کے سہارے شوہر کو دیا کرتی ہیں۔ بس روا روی کی بات تھی اور جب سلطان احمد نے ایک خوبصورت عورت کو اس قدر خدمت گزار پایا تو اس نے سوچا کہ یہ عورت اس کی بیوی کیوں نہ ہو اور نتیجے میں جس طرح وہ اپنی ہر ضرورت پوری کر لیا کرتا تھا اسی طرح اس نے نازیہ کو جھٹک کر شمائل کو اپنا لیا۔

شمائل کو اس نے اپنے معیار کے مطابق لانا چاہا تو اس میں اسے کوئی دقت نہ ہوئی۔ ایک تعلیم یافتہ ہی نہیں بلکہ بینک کے ایک افسر اعلیٰ کی حیثیت سے کام کرنے والی لڑکی اس کی بیوی بنی تھی۔ نازیہ تو اس کے قدموں کی خاک بھی نہیں تھی۔ شمائل نے اس طرح اپنا روپ بدلا کہ خود سلطان کو حیران کر کے رکھ دیا۔ وہ بہترین انگلش بولتی تھی' بہترین میک اپ کرتی تھی' اس نے اس طرح اپنے گھر کا سیٹ اپ سنبھالا کہ سلطان ہر لمحہ خوشی سے دوچار ہونے لگا۔

نازیہ سے اس نے یہی کہا تھا کہ وہ اپنے بچے کو لے کر چلی گئی' لیکن اسے زیادہ پروا نہیں تھی' نازیہ کو طلاق دے دی' بات ختم ہو گئی' اب کسی کو کیا حق ہے کہ اس پر نکتہ چینی کرے۔

چنانچہ وہ شمائل کو نبیل کے ساتھ اپنے گھر میں لے آیا اور شمائل نے اپنی وہ آرزو پوری کر لی جو سنگ مرمر کے محل میں جانے کی تھی' بے شک یہ محل سنگ مرمر کا نہیں تھا' لیکن یہ اس کی خوشیوں کا محل تھا۔ اس نے آفاق حیدر سے محبت کی تھی اور اس کی زندگی میں شامل ہونا چاہا تھا۔

بے شک اس میں اس کی خواہشوں کی طلب تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی آفاق زندگی کے پہلے انسان کی طرح اس کے دل میں بھی اتر گیا تھا اور اگر سارے کام معمول کے مطابق ہو جاتے تو یقینی طور پر گزرنے والے وقت میں آفاق کے والدین بھی اس سے نامطمئن نہ ہوتے' لیکن یہ کام نہیں ہو سکا تھا اور اب وہ سلطان کو اپنی توجہ دے رہی تھی۔

لیکن اس سلسلے کو وہ کبھی نظر انداز نہ کر سکتی تھی جس کا تعلق اس کے دشمنوں سے تھا' صحیح معنوں میں ایک مقصد اس کی زندگی کا بن چکا تھا' اسے اب صرف ایک آسودہ گھر کی ہی ضرورت نہیں رہی تھی' ماں کی تصویر اس کی آنکھوں میں گردش کرتی رہتی تھی جیسے اسے اس کی زندگی کا مقصد یاد دلاتی ہو اور اس نے ماں سے وعدہ کیا تھا

کہ وہ اپنی عیش گاہ میں رہ کر ماں کی موت کو نظر انداز نہیں کرے گی' لیکن ہر کام قدم بہ قدم ہی ہوتا ہے' بھاگ کر کسی ایسی چیز کو نہیں پکڑا جا سکتا' اس کے لیے وقت اور موقع کا انتظار بھی کرنا ہوتا ہے اور کاوشیں بھی۔

اپنے پہلے قدم کے طور پر اس نے سلطان احمد پر اپنا تسلط جمانے کے لیے اس قدر شدید محنت کی کہ سلطان بھی شرمندہ ہو گیا۔

''میں کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں شمائل' تم نے تو میری زندگی ہی بدل دی' میں نے تو زندگی کو صرف اتنا ہی سمجھا تھا جتنا نازیہ مجھے سمجھاتی تھی' میں سچ کہہ رہا ہوں' بچے سے مجھے دلچسپی نہیں رہی تھی اور میں نے زندگی کو اسی خول میں قید کر لیا تھا' لیکن اب یوں لگتا ہے جیسے میں نے زندگی کے وہ چند سال تمہارے بغیر رہ کر کھوئے ہیں۔''

''وجہ صرف ایک ہے سلطان' وہ یہ کہ تم انتہائی نفیس انسان ہو اور یہ تمہاری نفاست ہے کہ تم ہر چیز کو پیار سے اپنا لیتے ہو۔''

''اگر ایسا ہے بھی تو یقین کرو شمائل۔ تم نے مجھے ایسا بنایا ہے۔'' سلطان کہتا۔

نبیل کی پرورش بہت اچھے انداز میں ہو رہی تھی' لیکن شمائل نے اسے بھی اپنی ذات پر مسلط نہیں کیا تھا۔ اسے نبیل کی شکل میں آفاق حیدر کی شکل نظر آتی تو وہ اپنے بیٹے سے بھی بد دل ہو جاتی اور پھر بہت سے خوف بھی دامن گیر تھے' وہ انہی کوششوں میں مصروف تھی کہ اگر کبھی سلطان پر ساری حقیقتوں کا انکشاف ہو جائے تو صورت حال اس حد تک خراب نہ ہو سکے کہ سنبھالنا مشکل ہو جائے' سلطان اسے ہر حال میں قبول کرے اور اپنی ان کوششوں میں وہ کامیاب بھی ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اس نے پہلی بار سلطان کی نبض پر ہاتھ رکھا۔

''تم نے کبھی میرے ماضی کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی سلطان۔''

''کیوں' کیوں کوشش نہیں کی' کچھ تم نے بتایا' کچھ اس وقت معلوم ہوا جب تمہیں جیل سے نکالنے کی بات ہوئی تھی' کافی تھا۔''

''پھر بھی تم مجھے جیل سے نکال کر لائے تھے۔ ہو سکتا ہے میرے ماضی میں کوئی ایسی بات ہو جس کی وجہ سے میں جیل تک پہنچی۔''

''اگر تھی بھی کوئی ایسی بات تو میں اس کے بارے میں جاننا نہیں چاہتا' اور ایک بات پر یقین کر لو' اگر جان بھی لوں گا تو نظر انداز کر دوں گا چونکہ تم اس قدر اچھی ہو کہ اگر کوئی برائی بھی تمہاری ذات سے منسوب ہے تو اس میں تمہارا قصور نہیں ہوگا۔''

شمائل بیوقوف نہیں تھی کہ ان الفاظ سے پگھل جاتی اور ساری حقیقت آشکارا کر دیتی۔ بڑا تجربہ ہو چکا تھا اسے زندگی کا' انسان اس قدر کمزور ہے کہ لمحوں میں بھٹک سکتا ہے۔ سلطان کچھ بھی کہہ رہا ہے' لیکن جب اسے معلوم ہوگا کہ ایک اتنے بڑے آدمی کی ناجائز اولاد کو وہ باپ کا نام دے کر پال رہا ہے تو وہ ضرور برگشتہ ہو جائے گا اور مختلف تجربات سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ سلطان واقعی ایک ناکارہ شخصیت ہے' وہ ایک اچھا شوہر تو ہے' اس نے اسے ایک اچھی زندگی تو دے دی ہے' لیکن اس کے اپنے مقصد' اپنے مشن میں وہ کسی بھی طرح اس کا ساتھی نہیں بن سکتا تو شمائل مایوس ہو گئی۔

اب اس نے سوچا کہ آگے قدم بڑھنا چاہیے' نبیل کو تو گورنس کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا' سلطان کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا' ویسے بھی نبیل اس کی اولاد تو تھا نہیں' باقی اسے اولاد کی کوئی پرواہ اور ضرورت بھی نہیں تھی۔ نام کے لیے نبیل کافی ہے۔

شمائل نے قدم آگے بڑھائے اور اس کی خواہش پر سلطان نے اسے ایک گولف کلب کا ممبر بنا دیا۔ اب وہ باقاعدگی سے گولف کھیلنے جاتی تھی' اس نے اپنی شناسائیاں بھی بڑھانا شروع کر دی تھیں' رفتہ رفتہ قدم آگے بڑھانے میں مصروف تھی' گولف کلب' اس کے علاوہ دوسرے مشاغل بھی۔

لاہور اور کراچی اس کے لیے ایک بالکل عام سی چیز بن گئی' سلطان نے اسے بھرپور آزادی دی تھی' اکثر وہ جب بھی کہیں کا دورہ کرتا تو اسے اپنے ساتھ رکھتا اور وہ سلطان کو کبھی مایوس بھی نہیں کرتی تھی' اس کے دوست سلطان کو مبارک باد دیتے تھے کہ اسے اتنی اچھی بیوی ملی ہے اور سلطان اس کی طرف سے مکمل طور پر مطمئن ہو چکا تھا۔

ایک دفعہ وہ کراچی کے ایک شاندار ہوٹل میں مقیم تھے' سلطان سرکاری مصروفیات میں لگا ہوا تھا اور وہ اپنے طور پر مصروف تھی کہ ہوٹل کے کمرے میں ایک شخص نے اس سے ملاقات کی' بہت ہی خوبصورت شخصیت کا مالک تھا' بُھرا بھرا روشن چہرہ کشادہ پیشانی۔ کشادہ آنکھیں۔ بلند و بالا قامت' انتہائی خوش لباس۔

''میڈم' میرا نام شکیب ہے۔'' اس نے کہا۔

''جی فرمایئے' کسی کام سے آئے ہیں میرے پاس۔''

''ہاں۔ انتہائی ضرور کام سے۔'' شکیب نے جواب دیا۔

''براہ کرم تشریف رکھئے۔''

''شکریہ۔''

''کہاں سے تشریف لائے ہیں آپ۔؟''

''کینیڈا سے۔''

''جی۔ براہ راست۔''

''جی بالکل' میرا مطلب ہے کینیڈا سے براہ راست آیا ہوں' یہاں ایک ہوٹل میں مقیم ہوں' آپ کی تلاش کر رہا تھا' پتہ چلا کہ آپ تو اس وقت کراچی ہی میں ہیں' معلومات حاصل کر کے آپ سے ملنے آ گیا۔''

''جی فرمایئے کیا کام ہے مجھ سے آپ کو۔ اور کس حوالے سے جانتے ہیں آپ مجھے۔؟''

''سلطان احمد صاحب کی مسز کی حیثیت سے' آپ نازیہ کو تو جانتی ہی ہیں' سلطان احمد صاحب کی پہلی بیگم جنہیں سلطان احمد نے طلاق دے دی تھی' وہ اپنے ماموں کے پاس کینیڈا پہنچ گئیں۔ والدین نے انہیں ان کی ذہنی کیفیت سے متاثر ہو کر کینیڈا بھجوا دیا اور اب وہ وہیں رہتی ہیں۔

کینیڈا میں میری ملاقات ان سے ہوئی اور کچھ ہی دنوں کے اندر ہم لوگ ایک دوسرے سے کافی بے تکلف ہو گئے۔ نازیہ بیگم نے مجھے اپنی دکھ بھری داستان سناتے ہوئے آپ کے بارے میں تفصیل بتائی اور بتایا کہ آپ کو جیل سے نکالا گیا تھا صرف اس لیے کہ آپ ایک بچے کی ماں بننے والی تھیں اور نازیہ بے اولاد تھی' لیکن آپ نے بڑی خوبصورتی سے نازیہ سے اپنے بچے کی قیمت وصول کر لی' اصل اور منافع سب آپ کا ہو گیا اور نازیہ بیچاری منہ پیٹتی رہ گئی۔

بات بڑی دلچسپ تھی' اب میں اپنے تعارف کے دوسرے حصے کا آغاز کر رہا ہوں' نسلاً تو یہیں کا باشندہ ہوں' کینیڈا چلا گیا تھا' وہاں کی نیشنلٹی حاصل کرنے کے لیے نجانے کیا کیا پاپڑ بیلے' بہت سی کوششیں کیں اور عام قسم کے معصوم لوگوں کی طرح میں بھی بھٹک گیا اور مجھے اندازہ ہوا کہ جرم کی دنیا میں خطرہ صرف ایک ہے اور فائدے بے شمار۔

خطرہ یہ ہے کہ سزائے موت ہو جاتی ہے یا جیل ہو جاتی ہے اور فائدے یہ کہ اگر کام بن جائے تو وارے نیارے' اعلیٰ درجے کی زندگی' چنانچہ وہاں باقاعدہ کرائم کلب میں تربیت حاصل کی' حیرت ہوئی ہو گی آپ کو لیکن میں آپ کو سچ بتا رہا ہوں کہ وہاں ایک ایسی زیر زمین دنیا موجود ہے جہاں آپ کی پسند کے مطابق جرائم کی تربیت دی جاتی ہے۔

آپ اپنے رجحان کے مطابق اپنا موضوع منتخب کر لیں کہ آپ کس طرح کے جرائم پسند کرتے ہیں' قتل و غارتگری' اسمگلنگ' بلیک میلنگ یا اور بہت سے

دوسرے طریقے، چنانچہ میں نے وہاں بلیک میلنگ کی تربیت حاصل کی، یہ سب سے اچھا اور مہذب طریقہ جرم ہے، آپ کو تھوڑی سی ذہنی ورزش کرنا پڑتی ہے اور آپ کے کچھ ایسے ٹھکانے بن جاتے ہیں جہاں سے آپ کی تمام تر ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں، چنانچہ معاف کیجئے گا میڈم، میں آپ کو بلیک میل کرنا چاہتا ہوں۔''

شائل اب اس قدر مضبوط اعصاب کی مالک ہو چکی تھی کہ کوئی اس کی طرف دیکھ کر سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس حسین چہرے کے پیچھے اس قدر پختہ کار عورت ہوگی وہ شکیب کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور شکیب مسکرا رہا تھا۔ پھر شکیب نے شائل کی آنکھوں میں دیکھا اور اس کی مسکراہٹ ایک دم سکڑ گئی۔

''جرائم کی دنیا میں بہت سی تربیتیں دی جاتی ہیں اور ان میں ایک تربیت چہرہ شناسی کی بھی ہے، میں نے اپنا تعارف کرا کر آپ کو جو کچھ بتایا اور جو کچھ کہا اس نے آپ کے اعصاب پر کوئی اثر نہیں ڈالا' میں نے آپ کی آنکھیں اور چہرے کے عضلات دیکھے، وہ انتہائی سخت گیر ہیں، میڈم اتنی بھرپور کیفیت ایسے کسی انسان کی ہوتی ہے جو بہت ہی سخت دل اور مضبوط اعصاب کا مالک ہو اور ایسا انسان کسی کے ٹرانس میں نہیں آتا' اور اگر وہ کوشش کرے تو اپنے مدمقابل کو ختم بھی کر دیتا ہے' میڈم میں اپنے آپ کو بہت زیادہ ذہین ثابت کرنے کی کوشش نہیں کر رہا' واقعی میں آپ کو بلیک میل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہاں آنے کے بعد میں نے اپنی تربیت کے مطابق آپ کی ہسٹری کو کھنگالا ہے۔ بتانا چاہتا ہوں آپ کو آپ کے بارے میں کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیں گی۔''

شکیب نے ایک بار پھر اس امید کے ساتھ شائل کی طرف دیکھا کہ شاید اب اس چہرے میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہو' لیکن شائل سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی، شکیب بولا۔

''آپ کا تعلق فیصل آباد سے ہے' آپ کے والد ایک موٹر گیراج کے مالک

تھے' اور پھر آپ وہاں سے اپنے والد کے انتقال کے بعد کراچی منتقل ہو گئیں' جہاں آپ نے ایک بینک میں ملازمت حاصل کر لی۔''

''مسٹر شکیب! کیا آپ اپنی یہ بکواس بند نہیں کریں گے۔ فضول باتوں سے گریز کیجئے' اپنے بارے میں بتایئے' میرے بارے میں تو بقول آپ کے آپ نے اتنی چھان بین کی ہے' خود اپنے بارے میں آپ تھوڑی سی تفصیل مجھے بتایئے۔''

''ویری گڈ! اسے جان کر آپ کیا کریں گی۔؟''

''تو پھر آپ ایسا کیجئے دفع ہو جایئے یہاں سے' اور آپ کو جو کرنا ہے کیجئے' دیکھئے! کچھ حقائق میں آپ کے سامنے لے آتی ہوں وہ بھی ایک نظریے کے تحت' آپ جانتے ہیں میرے شوہر کس عہدے پر ہیں۔ آپ قبر کی گہرائیوں میں بھی نہیں چھپ سکیں گے اور انہیں میرے اوپر مکمل اعتماد ہے' سمجھ رہے نا آپ' اگر آپ کو یقین نہ آئے تو آپ ایسا کیجئے کہ آج شام چھ بجے آ جایئے' میرے شوہر کچھ سرکاری مصروفیات میں الجھے ہوئے ہیں' لیکن چھ بجے وہ آپ کو یہیں مل جائیں گے' میں آپ کو کچھ تجربات کرائے دیتی ہوں۔'' شکیب کے حوصلے پست ہوتے جا رہے تھے' مدمقابل اس قدر سنگین صورت حال کا مالک ہوگا اس کا اسے اندازہ نہیں تھا' پھر بھی اس نے کہا۔

''اپنے شوہر کے سامنے مجھے بلا کر آپ کیا کریں گی۔؟''

''میں آپ سے درخواست کروں گی کہ میرے بارے میں سارا کچا چٹھا آپ میرے شوہر کو بتا دیجئے' میں واقعی آپ کو دعوت دیتی ہوں۔ آپ ایسا کر ڈالئے' صرف اتنا کرنے کے میں آپ کو پچاس ہزار روپے دیتی ہوں' آپ اتنا کر ڈالئے۔''

''آپ کے خیال میں اس کا کیا ردعمل ہوگا۔؟''

''کچھ نہیں' وہ آپ کو یہاں سے واپس نہیں جانے دیں گے اور اس کے بعد آپ باقی ساری زندگی جیل میں گزاریں گے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پچاس ہزار روپے تو

آپ کے ہو ہی گئے' باقی آپ جو بھی مناسب سمجھیں طے کر لیں۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ آپ کے شوہر کو یہ تمام تفصیلات معلوم ہیں''

''اب کیا آپ اپنے آپ کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ میں آپ کو ساری باتوں کے جواب دوں۔''

''دیکھئے محترمہ' آپ خود سوچئے کہ آپ کے بارے میں یہ تفصیلات منظر عام پر آئیں اور خاص طور سے یہ پتہ چلا کہ آپ کو جیل سے سزا معاف کرا کر یہاں تک لایا گیا ہے تو خود مسٹر سلطان کی کیا پوزیشن ہوگی آپ کو اس کا اندازہ ہے۔'' شمائل ہنس پڑی پھر بولی۔

''کینیڈا کے کرائم کلب میں آپ نے تربیت حاصل کی ہے۔ کیا وہاں بھی آپ کی طرح گدھے ہی ہوا کرتے ہیں' آپ کینیڈا سے یہ منصوبہ لے کر آئے ہیں اور نازیہ سے آپ کو ان کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوئیں آپ کے خیال میں نازیہ کی اور اس کے والدین کی کیا حیثیت ہے یہاں پر۔ پہلے آپ کو یہ معلوم کرنا چاہیے تھا کہ نازیہ کے والدین میرے خلاف کوئی کارروائی کرنے میں کامیاب کیوں نہیں ہو سکے' جائیے شکیب صاحب بہت چھوٹی سی عمر ہے آپ کی' کیوں بقیہ زندگی کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بسر کرنا چاہتے ہیں' میں آپ کو دس منٹ دیتی ہوں یہاں سے جانے کے لیے اور یہ دس منٹ اس لیے دے رہی ہوں کہ اگر عقل آپ کا ساتھ دے اور آپ یہاں کچھ کرنا چاہیں تو میرے تعاون سے کریں۔''

شکیب کے حوصلے واقعی پست ہو گئے تھے' اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کوئی باقاعدہ جرائم پیشہ نہیں تھا' بس اس طرح کے نوجوانوں میں سے تھا جو کچھ کر تو لیا کرتے ہیں لیکن بہت اعلیٰ پیمانے پر نہیں۔ ان کی کارکردگی خراب نہیں ہوتی' لیکن بہت بھاری منصوبہ بندیاں نہیں کر پاتے وہ۔ نازیہ سے ملاقات ہوئی۔ بھٹکی ہوئی لڑکی تھی' خوش شکل تھی' حالات کا شکار تھی۔ شکیب کے جال میں پھنس کر اس نے تمام تفصیلات شکیب

کو بتا دیں۔ شکیب تو خیر اس کے لیے کیا کرتا' اپنے لیے منصوبہ بنا کر وہ پاکستان آ گیا' لیکن جس شخصیت کے خلاف منصوبہ بنا کر آیا تھا وہ اس کی توقع سے کہیں زیادہ آگے کی چیز نکلی اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ آگے کیا کرنا چاہیے۔ شمائل نے کہا۔

''جی شکیب صاحب! تو کیا فیصلہ کیا آپ نے' ٹھنڈے ٹھنڈے جا رہے ہیں یہاں سے یا کچھ کھانے کمانے کا ارادہ ہے۔''

''کھک۔ کھانے کمانے کا۔''

''جی ہاں' ایک بلیک میلر کی حیثیت سے ہی سہی' میں آپ کی سرپرستی کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' شکیب چند لمحے سوچتا رہا پھر ایک دم ہنس پڑا پھر بولا۔

''چلئے ٹھیک ہے' وہ جو کہتے ہیں نا کہ بہرحال استاد کی جگہ خالی ہوتی ہے' سوچ کر کچھ آئے تھے' لیکن آپ استادی دکھا گئیں۔''

''احتیاط رکھئے' احتیاط رکھئے' تکلف کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب تعلقات بہتر ہو جاتے ہیں۔''

''امکانات ہیں تعلقات کی بہتری کے۔؟''

''ہاں ہیں' آپ میرے مہرے بن کر یہاں آرام کی زندگی گزار سکتے ہیں' اگر کوئی ٹارگٹ ہے آپ کا کچھ رقم وغیرہ حاصل کرنے کے سلسلے میں تو مجھے بتائیے' میں کوشش کروں گی کہ آپ کا وہ ٹارگٹ پورا ہو جائے' لیکن ایک بات سن لیجئے شکیب صاحب' آپ کو خود میرے جال میں پھنسنا ہوگا۔''

''واہ۔ آپ نے میرے الفاظ مجھے واپس لوٹا دیئے ہیں۔''

''آپ کے الفاظ۔؟''

''جی ہاں۔''

''کونسے۔ ذرا بتائیے؟''

''میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں آپ کو بلیک میل کرنا چاہتا ہوں۔''

''ہاں پھر۔''

''اور آپ نے کہا کہ مجھے آپ کے جال میں پھنسنا ہوگا۔'' اس بار شمائل ہنسی تھی' اس نے کہا۔

''ہاں میں نے جو کہا ہے وہ ایک سچ ہوگا جبکہ آپ اپنی کوشش میں ناکام ہو گئے۔''

''کس طرح مجھے آپ کے جال میں پھنسنا ہوگا۔؟''

''ایک تحریر دینا ہوگی آپ کو میری مرضی کے مطابق' میں ڈکٹیٹ کراؤں گی اور آپ اپنے ہاتھ سے لکھیں گے' دستخط کریں گے' اس سے یوں ہوگا کہ آپ میری خواہش کے مطابق عمل کریں گے' اور اگر آپ نے منحرف ہونے کی کوشش کی تو پاکستان کی کوئی بھی عمدہ جیل آپ کا استقبال کرے گی۔''

''اور اگر میں خاموشی سے یہاں سے بھاگ جاؤں' تو۔؟''

''بھاگ جایئے' ابھی بھاگ سکتے ہیں' میں بھلا آپ کو کیا روکوں گی' نہ میرے پاس آپ کے خلاف کوئی ثبوت ہے۔''

شکیب اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔''شمائل صاحبہ! نازیہ بیوقوف تھی جو اس نے آپ جیسی خاتون سے ٹکرانے کی کوشش کی۔''

''نہیں اس نے مجھ سے ٹکرانے کی کوشش نہیں کی' ایسا کرتی تو اسے زندگی بھر افسوس رہتا۔''

''میں آپ کی خواہش کے مطابق وہ تحریر دینے پر تیار ہوں۔'' شکیب نے کہا۔

◊◊◊

''حقیقت یہ ہے کہ اب تم سے اتنا عرصے دور رہنے کو دل نہیں چاہتا لیکن چونکہ یہ ایک ایسا اہم سرکاری مسئلہ ہے جس میں میں تنہا بلکہ ایک نورکنی وفد کے ساتھ دنیا کے سولہ ملکوں میں جا رہا ہوں' اب مجھے بتاؤ۔ کیا کرنا چاہیے۔''

''نہیں سلطان' یہ تو سب زندگی کے معاملات ہیں' کرنا پڑتا ہے تم خوشی سے جاؤ' میرے لیے جو سیٹ اپ تم نے بنا دیا ہے' مجھے اس میں وقت گزارنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی' بلکہ اچھا ہے یہ ڈھائی تین مہینے کی جدائی ہمارے دلوں میں محبت کے شعلے بھڑکا دے گی۔''

سلطان ہنسنے لگا تھا' پھر اس نے کہا۔''ٹھیک ہے' تم نے مجھے حوصلہ دیا ہے۔''

سلطان اس نورکنی وفد کے ساتھ سولہ ملکوں کے دورے پر چلا گیا اور شمائل کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا' اس نے دل میں کہا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے ایک مشرقی عورت کی طرح صرف آفاق حیدر کو اپنے دل و دماغ میں رکھا تھا۔ اس کے بعد تو سارے راستے انتقام کے راستے ہیں' میں تم سے معافی چاہتی ہوں سلطان' بہت اچھے انسان ہو تم' لیکن میرے ذہن میں تمہارے لیے وہ مقام نہیں ہے۔ سوری مائی ڈیئر سوری۔

شکیب غیر مطمئن نہیں تھا' بلاشک وشبہ شمائل ایک خطرناک عورت تھی اور

اگر شکیب اپنے آپ کو بہت آگے کی چیز سمجھ کر براہ راست اس پر کام شروع کر دیتا تو تھوڑے ہی دنوں میں اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا وہ قدم اس کی زندگی کے لیے بے حد بھیانک ہوتا۔

سلطان احمد کی شخصیت معمولی شخصیت نہیں تھی اور اس نے شمائل کو اپنے حلقوں میں اس طرح روشناس کرا دیا تھا کہ شمائل خود بھی اس کے برابر اختیارات کی مالک ہو گئی تھی، کوئی محکمہ اور کوئی ادارہ ایسا نہیں تھا جس کے سربراہان سے شمائل کی واقفیت نہ ہوتی، وہ ان حلقوں میں بہت زیادہ مشہور تھی۔ اور شکیب اس سے دور دور رہ کر اپنا کام کر رہا تھا۔

پچھلے کچھ دنوں قبل شمائل نے اسے ایک پراجیکٹ دیا تھا اور یہ شمائل کی اپنی تلاش تھی، اس نے شکیب سے کہا تھا۔

"میرا خیال ہے تمہاری پہلی آمدنی شروع ہونے جا رہی ہے۔"

"اب مجھے اس کی بہت زیادہ پرواہ نہیں ہے شمائل، آپ نے جو زندگی میرے لیے مہیا کر دی ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ بھی معمولی نہیں ہے۔"

شمائل مسکرا کر خاموش ہو گئی، پھر اس نے کہا۔ "یہ شخص جس کا نام چوہدری کرم داد ہے، یوں سمجھ لو کنگ میکر ہے، جوئے، فحاشی کے اڈے، اسمگلنگ اور نجانے کیا کیا کچھ جتنے کالے دھندے ہیں یہ ان کی سرپرستی کرتا ہے اور راؤ بدرالدین اس کا خاص آدمی ہے، چوہدری کرم داد کے بارے میں مجھے خاصی تفصیلات معلوم ہو چکی ہیں، اب جو اصل مسئلہ ہے وہ میں تمہیں بتا رہی ہوں، اصل مسئلہ یہ ہے کہ لاہور کے ایک بہت ہی قیمتی علاقے میں زمینوں کا ایک وسیع ٹکڑا ہے، جملہ تمہیں عجیب لگا ہو گا وسیع اور ٹکڑا، لیکن وہ علاقہ بہت وسعتوں میں پھیلا ہوا ہے اور نیا ایئرپورٹ بن جانے کے بعد بہت قیمتی تصور کیا جا رہا ہے، چوہدری کرم داد نے وہ جگہ اس طرح محفوظ کر دی ہے کہ کوئی اسے استعمال نہ کر سکے، اور کچھ وقت گزرنے کا انتظار کر رہا ہے، یہ بات راؤ بدرالدین کو معلوم

ہے اور دونوں کے درمیان خفیہ طریقے سے بات چیت چل رہی ہے کہ آگے اس زمین کا انہیں کیا کرنا ہے، تم ایک خفیہ پارٹی کی طرف سے راؤ بدرالدین کو اس زمین کی خریداری کی آفر دو اور اس سے کہو کہ وہ پارٹی جو یہ زمین خریدنا چاہتی ہے اس قدر صاحب اختیار ہے کہ چوہدری کرم داد اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، بات صرف ان کاغذات کی ہے جو چوہدری کرم داد نے خفیہ طور پر حاصل کر کے بدرالدین کے پاس محفوظ کر دیئے ہیں، بدرالدین کو دس کروڑ کی آفر دے دو، میرا خیال ہے کروڑوں کیا اربوں روپے کی یہ زمین بدرالدین کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، کیونکہ چوہدری کرم داد بدرالدین کو اس کا کچھ بھی نہیں دے گا تھوڑے بہت پیسوں کے سوا، بدرالدین کو آمادہ کرنا تمہاری ذمے داری ہے۔" اور شکیب اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

اب ہر شخصیت شمائل جیسی تو نہیں ہوتی، راؤ بدرالدین کو شکیب نے آسانی سے اپنے چنگل میں پھانس لیا، ساری سودے بازی ہوئی، شمائل نے اپنے اختیارات سے کام لے کر ان کاغذات کی تکمیل میں راؤ بدرالدین کی مدد کی جن کے تحت زمین کے سودے ہو سکتے تھے اور راؤ بدرالدین کو یقین ہو گیا کہ واقعی جو پارٹی یہ ایجنٹ لے کر آیا ہے وہ اسی قدر مضبوط ہے کہ یہ کام ہو سکتا ہے۔

بڑی غور و خوض کرنے کے بعد وہ باقاعدہ راؤ بدرالدین کی ٹوہ میں لگ گیا اور اس کے مشاغل معلوم کرتا رہا، پھر لاہور جم خانہ میں اس نے راؤ بدرالدین سے ملاقات کی۔

"میرا نام شکیب احمد درانی ہے، آپ نے محسوس نہیں کیا ہو گا، لیکن میں کئی دن سے آپ کا پیچھا کر رہا ہوں۔" راؤ بدرالدین نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا پھر بولا۔

"وجہ۔۔؟"

"بس یوں سمجھ لیجیے میری اور آپ کی دونوں کی خوش قسمتی ساتھ ساتھ سفر

کر رہی ہے۔''

''بات مختصر کرو۔'' راؤ بدرالدین نے کہا۔

''سیکٹر تیرہ سو ایک' وہ زمین آپ لوگوں نے میرا مطلب ہے چوہدری کرم داد نے اور آپ نے فروخت شدہ دکھائی ہے' جبکہ زمین ابھی تک کسی کے قبضے میں نہیں ہے' اگر آپ چاہتے ہیں راؤ صاحب کہ اس زمین کے دس کروڑ روپے آپ کما لیں تو بیس پرسنٹ کمیشن پر میں آپ کی وہ زمین فروخت کرانے کے لیے تیار ہوں' لیکن یہ بات چوہدری کرم داد کے علم میں نہیں آنی چاہیے کیونکہ زمین کی قیمت بہرحال بہت زیادہ ہے' ہاں اتنا آپ سمجھتے ہیں کہ چوہدری کرم داد نے آپ کو اس سوڈے میں شامل نہیں کیا ہے جبکہ آپ کے باقی تمام معاملات میں چوہدری صاحب کا پچھتر فیصد حصہ ہمیشہ ہوتا ہے۔'' راؤ بدرالدین کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ ''کون ہو تم۔؟''

''جانے دیجیے راؤ صاحب۔ کھرا سودا کرتا ہوں۔ دس کروڑ کا بیس پرسنٹ۔ دس پرسنٹ ایڈوانس۔ اور دس پرسنٹ باقی سارے کام ہونے کے بعد۔''

راؤ بدرالدین کچھ دیر تک سوچتا رہا' بہت بڑی رقم کا لالچ تھا' کہنے لگا

''لیکن وہ زمین کون اپنے قبضے میں رکھ سکے گا۔ چوہدری کرم داد
''

''وہ پارٹی چوہدری کرم داد سے بھی بڑی ہے' اور اگر زمین کے وہ کاغذات جن میں آپ لوگوں نے اسے سرکاری طور پر فروخت شدہ قرار دیا ہے ہمارے قبضے میں آ جائیں تو بات ختم ہو جاتی ہے۔''

''ذرا پریشانی کی بات ہے چونکہ چوہدری صاحب نے وہ کاغذات میری تحویل میں دیئے ہیں۔''

''جب اس کی تحقیقات ہو تو آپ کہہ دیجیے کہ کاغذات چوری ہو گئے تھے'

باقی سارے معاملات ہم دیکھ لیں گے۔''

''مجھے سوچنے کا موقع دو۔''

''جیسا آپ پسند کریں۔''

راؤ بدرالدین شکیب کے جال میں آ گیا اور اس نے وہ کاغذات شکیب کے حوالے کر دیئے اور ان کے بدلے اسے دس کروڑ روپے کے چیک ادا کر دیئے گئے جو سو فیصدی جعلی تھے' لیکن اس طرح کہ جب راؤ بدرالدین نے انہیں اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرایا تو بینک کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔

چونکہ شمائل خود بینکنگ سے واقفیت رکھتی تھی اور یہ جانتی تھی کہ بینک کس طرح اصل حقیقت کو پکڑے گا' لیکن کچھ عرصے کے بعد۔ اور جب اس نے شکیب کو اپنی یہ منصوبہ بندی بتائی تو شکیب نے دونوں کان پکڑ لئے تھے اور ہنس کر کہا تھا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ میری تقدیر ہی اچھی ہے جو میں نے آپ سے تعاون کا فیصلہ کر لیا ورنہ میرا جو حشر ہونا تھا اب مجھے اس کا بخوبی اندازہ ہو رہا ہے۔'' شمائل ہنس کر خاموش ہو گئی تھی۔

شکیب کا کمیشن اسے ادا کر دیا گیا' بدرالدین تھوڑا سا مضطرب تھا' لیکن جس پارٹی نے اس سے ڈیل کی تھی اس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہ ہر طرح کے معاملات سے نمٹ لے گی' البتہ بدرالدین سوچ رہا تھا کہ اب کاغذات کی چوری کے لیے کوئی اچھا سا ڈرامہ بنا دینا چاہیے۔ اس وقت وہ لاہور گولف کلب میں گولف کھیل رہا تھا کہ اس نے شمائل کو دیکھا۔ وہ ٹھٹک کر رک گیا اور حیران ہو کر شمائل کی صورت دیکھنے لگا پھر اس نے اپنے ایک ساتھی کو طلب کر کے کہا۔

''ذرا اس لڑکی کو دیکھو میں اس سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی سر۔ مگر نجانے یہ کون ہے۔''

''آؤ۔'' راؤ بدرالدین نے کہا اور آگے بڑھ کر شمائل کے پاس پہنچ گیا' پھر

اس نے بڑی بے تکلفی کے انداز میں اسے پکارا۔ ''ہیلو شائل۔''

شائل نے اسے چونک کر دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر شناسا سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''ہیلو راؤ صاحب۔''

''اس کا مطلب ہے کہ میں نے ٹھیک پہچانا۔؟''

''جی بالکل' بالکل۔''

''مگر تم نے تو اپنا حلیہ ہی بدل لیا اور میں نے تو سنا تھا کہ تمہیں ______''

''صرف سنا تھا۔ جو کام آپ نے خود کرایا ہے راؤ صاحب' اس کے بارے میں اس طرح کے الفاظ استعمال کرنا عجیب سی بات نہیں ہے۔''

''ہاں میرا مطلب ہے دس سال کی سزا ہوئی تھی تمہیں۔ ابھی تو کچھ دن بھی نہیں گزرے۔''

''دوبارہ اندر چلی جاؤں۔؟''

''نن ____ نہیں بھئی' ہمیں اس سے کیا فائدہ ہوگا' ہاں تمہارے باہر رہنے سے ہمیں فائدہ ہو سکتا ہے' اگر تم دوبارہ چھری لے کر ہم پر نہ چڑھ دوڑو ویسے تم نے کمال کا حلیہ اپنایا ہے۔''

''آپ کو پسند آیا۔؟''

''ہمیں پسند آنے نہ آنے سے کیا' ہم تو اس وقت بھی تمہیں ایک بڑا مقام دینا چاہتے تھے۔''

''غلطی آپ نے کی تھی راؤ صاحب ورنہ سارے معاملے ہموار ہو سکتے تھے۔''

''مثلاً۔؟''

''کم از کم آپ اس بات کا اعتراف کر لیتے کہ آپ نے میرے باپ کا گیراج اور وہ زمین غاصبانہ طور پر بلکہ فراڈ کر کے میری ماں سے حاصل کی تھی' جس کی

وجہ سے میری ماں کو خودکشی کرنا پڑی' ماں نے خودکشی کی تھی' ظاہر ہے میرا جذباتی ہونا تو فطری بات تھی' ہاں اگر آپ یہ اعتراف کر کے مجھ سے ہمدردی کرتے تو شاید میرے دل میں آپ کے لیئے کوئی جگہ پیدا ہو جاتی۔''

''اچھا فرض کرو اعتراف کر لیتے تب بھی تمہیں اس سے کوئی فائدہ تو نہ ہوتا۔''

''فائدہ آپ کو ہوتا' میری ماں نے تو مجھے بتائے بغیر خودکشی کر لی' اگر وہ اپنے اس مسئلے میں مجھے شامل کر لیتی تو شاید آپ سے ملاقات کرنے کے بعد کوئی حل نکل آتا۔''

''ہوں تب تو واقعی مجھ سے غلطی ہوئی' اب یہ بتاؤ تم سے تفصیلی ملاقات کب اور کہاں ہو سکتی ہے۔؟''

''اس کا فیصلہ ابھی نہیں ہو سکتا' میں خود آپ سے رابطہ قائم کروں گی'

''وعدہ ہے۔؟''

''ہاں راؤ صاحب' اگر آپ کی زندگی رہی تو۔''

''مطلب' کیا مجھے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے تم نے۔؟''

''میرا منصوبہ تو کامیاب ہو چکا ہے۔'' شائل نے ہنس کر کہا اور واپسی کے لیے مڑ گئی۔

راؤ بدرالدین سوچ میں ڈوب گیا تھا' پھر اس نے گردن جھٹک کر کہا۔

''تجھے ایک بار حاصل کر لوں اس کے بعد تیرا صحیح ٹھکانہ جیل میں ہی ہوگا۔ یہ میرا عہد ہے۔''

دونوں دھماکے ایک ساتھ ہوئے تھے' متعلقہ ادارے کے دو افراد چوہدری کرم داد کے پاس آئے تھے' یہ دونوں اس ادارے کے بہت ہی اہم رکن تھے' جس کی ذمے داریاں زمینوں وغیرہ کی ہوا کرتی ہیں' ان میں سے ایک۔ نے چوہدری کرم داد کو

اطلاع دی۔

''یہ آپ نے کیا کیا چوہدری صاحب' ہمیں خبر بھی نہیں کی اور زمینیں فروخت کردیں۔''

''تم مجھ سے باز پرس کرنے آئے ہو۔''

''نہیں چوہدری صاحب معافی چاہتے ہیں' اصل میں بات یہ ہے کہ ہم نے بڑا رسک لے کر ان زمینوں کے کاغذات اس طرح تیار کئے تھے کہ بات ذرا گول مول ہی رہے' اور جب بھی آپ انہیں اپنے قبضے میں لینا چاہیں باقی کام مکمل کرلیا جائے۔ وہ کاغذات کچھ اس طرح کے تھے چوہدری صاحب کہ کوئی بھی شخص ان زمینوں کی دعوے داری ظاہر کرے تو وہ کاغذات اسے ان زمینوں کا مالک قرار دے سکتے ہیں۔''

''اوہو اپنی اپنی کئے جارہے ہو' میں کہتا ہوں ہوا کیا ہے۔؟''

''سر جی زمینیں فروخت کردی گئی ہیں' کاغذات ہمارے ادارے میں داخل کئے گئے ہیں اور زمینوں کا قبضہ لینے کا دعویٰ کیا گیا ہے' ہم تو پاگل ہوگئے ہیں' سیدھے آپ کے پاس دوڑے چلے آئے ہیں۔''

''کس گدھے کے بچے نے یہ جرأت کی ہے۔؟''

''صاحب جی تفصیلات لائے ہیں آپ کے پاس۔ یہ کاغذات راؤ بدر الدین نے ان کے حوالے کئے ہیں' باقاعدہ خریداری کے کاغذات موجود ہیں۔''

''راؤ بدرالدین نے ذرا دکھاؤ۔'' چوہدری کرم داد نے کہا اور چوہدری کرم داد کو وہ فائل پیش کردی گئی' چوہدری دیر تک اس کا مطالعہ کرتا رہا تھا' پھر اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

''کوئی بہت بڑی سازش ہوئی ہے' معلومات حاصل کرتا ہوں' لیکن غذات تو راؤ بدرال ین کے پاس ہی تھے۔ انہیں باہر نہیں جانا چاہیے تھا' اچھا تم ایک

کام کرو' اس مسئلے کو ابھی دباؤ' میں دیکھتا ہوں اور تمہیں اطلاع دوں گا۔''

''بات یہ ہے چوہدری صاحب کہ ہم بھی بے موت مارے جائیں گے۔''

''اوئیں مارے جاؤ گے یار' جب میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم بے فکر رہو' میں دیکھ لوں گا' ابھی زمینیں کسی کے نام منتقل نہیں کرنی ہیں' جب تک کہ میری طرف سے گرین سوئچ نہ دبایا جائے او کے۔''

''ٹھیک ہے چوہدری صاحب جب آپ ذمے داری لے رہے ہیں تو ہمیں یقین ہے کہ آپ ٹھیک ہی کریں گے۔''

دوسرا دھماکہ اس بینک کے افسر کا تھا جہاں دس کروڑ روپے کے چیک جمع کرائے گئے تھے' افسر اعلیٰ نے خود چوہدری کرم داد سے ملاقات کی تھی اور دوسرا انکشاف کیا تھا۔

''چوہدری صاحب! دس کروڑ روپے کے جعلی چیک راؤ بدر الدین کے اکاؤنٹ میں جمع کرائے گئے ہیں' راؤ صاحب چونکہ آپ کے آدمی ہیں ہم آپ کی اجازت کے بغیر کوئی کاروائی نہیں کرسکتے تھے۔ راؤ صاحب سے ہم نے سوال کیا کہ راؤ صاحب کیا یہ اماؤنٹ آپ کے اکاؤنٹ میں آپ کے علم سے ہے' تو راؤ صاحب نے کہا شاید ہمارا دماغ خراب ہوگیا ہے ظاہر ہے بینک سلپ وغیرہ سب انہی کی ہے۔ ہم نے راؤ بدرالدین صاحب کو تو کچھ نہیں بتایا' آپ کو اطلاع دینے آگئے اب جو بھی آپ کا حکم ہو۔'' چوہدری کرم داد تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

''سنو ابھی تمہیں یہ سارا معاملہ دبانا ہے' کیا وہ چیک بدر الدین کے اکاؤنٹ میں جمع کردیئے گئے۔؟''

''جمع تو پہلے ہی ہوگئے ہیں جناب' انکشاف بعد میں ہوا ہے' بڑی مشکل پیش آجائے گی' جعلی چیک اور وہ بھی اتنی بڑی مالیت کے۔''

پھر بھی آفیسر تمہیں اس مسئلے کو دو تین دن تک دبانا ہے' میں تمام ذمے داری

قبول کرتا ہوں۔“

راؤ بدر الدین کچھ غیر مطمئن سا تھا یہ سودا کرنے کے بعد وہ متضاد کیفیت کا شکار تھا اور اپنے ذہنی ہیجان سے نمٹ رہا تھا اور پھر شمائل اسے نظر آئی‘ کیا حسن تھا کتنا بدل لیا تھا اس نے اپنے آپ کو مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ جیل سے رہا کیسے ہوگئی‘ اس بارے میں تفصیلات معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔شمائل کے الفاظ بھی اسے پریشان کررہے تھے‘ ایسی کامیاب مسکراہٹیں انہی چہروں پر دیکھی جاسکتی ہیں جو واقعی کامیابی سے وار کرچکے ہوں۔

شمائل نے راؤ بدر الدین سے جو کچھ کہا تھا راؤ بدر الدین اس کا مطلب نکالنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔فیصل آباد واپس آچکا تھا اور اپنے چھوٹے موٹے کام سرانجام دے رہا تھا کہ اسی رات اسے اپنے خاص دوست توصیف اے شیخ کا فون موصول ہوا۔

”راؤ صاحب! میں توصیف بول رہا ہوں۔“

”ہاں وکیل صاحب بولو خیریت تو ہے۔؟“

”راؤ صاحب ہے تو خیریت ہی‘ لیکن آپ سے ہمیں یہ امید نہیں تھی۔“

”کیا کہہ رہے ہو توصیف‘ بات سمجھا کر کہا کرو‘ پہلے بھی تم سے کتنی بار کہا ہے کہ میرا دماغ الجھنا برداشت نہیں کرتا۔“

”راؤ صاحب‘ دس کروڑ آپ اکیلے ہضم کرگئے‘ ہمیں خوشبو تک نہ دی‘ یہ اچھی بات نہیں ہے‘ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض یہ ہے کہ اس زمین کے مسئلے میں چوہدری صاحب نے ہمیں بھی خبر دی تھی اور کہا تھا کہ جب ان کا سودا کریں گے تو مل بانٹ کر کھائیں گے‘ آپ کو شاید اس بات کا علم نہیں ہے کہ جو کاغذات چوہدری صاحب نے آپ کے پاس رکھوائے تھے وہ میں نے ہی تیار کیے تھے اور بڑی محنت سے تیار کیے تھے‘ ایک خاص قانونی نکتہ نکال کر جس کے تحت وہ زمینیں محفوظ تھیں۔

ابھی ویسے اس کا سودا ہونا بھی نہیں چاہیے تھا۔“

”توصیف! یہ بتاؤ تمہیں اس بارے میں اطلاع کہاں سے ملی۔؟“

”جانے دیجئے ان باتوں کو۔ بہرحال ہم بھی وکیل ہیں۔آپ لوگوں کے لیے خدمت سرانجام دیتے رہے ہیں۔ ہمارا حصہ نکال دیجئے بات ختم ہوجاتی ہے‘“

”تم مجھ سے ملو تو سہی‘ بات کروں گا میں تم سے۔“

”جب آپ حکم کریں آجاؤں۔“

”میں تمہیں فون کرکے بتادوں گا۔“

”ٹھیک ہے راؤ صاحب‘ مگر ذرا خیال رکھئے گا‘ ہم بھی آپ کے دسترخوان کے ساتھی ہیں۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔“ راؤ بدر الدین نے فون بند کردیا۔

پھر دو دن مزید گزر گئے‘ راؤ بدر الدین ایک عجیب سی بے کلی محسوس کررہا تھا‘ کئی مسئلے اس کے ذہن میں تھے‘ توصیف اے شیخ کا کیا کرنا ہے‘ اس کے علاوہ چوہدری کرم داد اور پھر شمائل‘ اس نے سوچا کہ کام کا آغاز کردینا چاہیے‘ کسی بھی مسئلے کو بہت زیادہ دیر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے ہاتھ کٹا بیٹھے‘ کچھ کرلینا بہت ضروری ہے‘ چنانچہ وہ اپنی منصوبہ بندی کرنے لگا کہ آغاز کہاں سے کرے۔توصیف سے وعدہ کیا تھا کہ فون کرکے اسے اطلاع دے گا کہ اس نے کیا فیصلہ کیا‘ لیکن ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کرسکا تھا۔

پھر اس دن باہر نکلنے کا ارادہ کررہا تھا کہ چوہدری کرم داد کا فون موصول ہوا اور راؤ بدر الدین الرٹ ہوگیا۔

”کیا کررہے ہو۔؟“

”کچھ نہیں چوہدری صاحب‘ حکم کریں۔“

”آجاؤ بہت ضروری کام ہے تم سے۔“

"جی چوہدری صاحب پہنچ رہا ہوں۔"

نجانے کیوں راؤ بدرالدین کا دل لرز اٹھا تھا۔ بہر حال اپنے آپ کو سنبھال کر وہ چوہدری کرم داد کی حویلی پہنچ گیا۔ چوہدری کرم داد اس کا منتظر تھا۔

"بیٹھو بدرالدین۔"

"جی چوہدری صاحب شکریہ۔"

"بدرالدین! میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے مانگ لینا منع نہیں کروں گا' میں نے خاص طور سے تم سے یہ بات کہی تھی بدر الدین کہ کبھی میرے ساتھ کوئی فریب مت کرنا' کہی تھی۔؟"

"جج ______ جی چوہدری صاحب۔" بدرالدین لرز گیا۔

"تم نے ایک انتہائی احمقانہ حرکت کی ہے بدرالدین' وہ زمینیں جو میں نے کسی ایسے وقت کے لیے رکھ چھوڑی تھیں جب صورت حال ہمارے حق میں ہو جائے۔ تم نے انہیں غاصبانہ طریقے سے دس کروڑ روپے کے عوض فروخت کر دیا' تمہیں معلوم ہے ابھی وہ کیس دوسری شکل اختیار کر سکتا ہے اور بات میرے اوپر آ جائے گی' میرے ساتھ ساتھ بہت سے لوگ پھنسیں گے۔"

"چوہدری صاحب۔" بدرالدین نے ایک دم خود کو سنبھال لیا' ایک فیصلہ اس نے ایک لمحے کے اندر اندر کر لیا تھا۔

"اور میں تمہیں بتاؤں دس کروڑ روپے کے وہ چیک بالکل جعلی ہیں' اور جن لوگوں نے وہ چیک اشو کیے ہیں ان کا کوئی وجود نہیں ہے' اصل میں بدرالدین سیانا کوا ہمیشہ اسی طرح ______" کرم داد نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"سر چوہدری صاحب! جس نے بھی آپ کو یہ انفارمیشن دی ہے۔ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی' میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ اطلاع ______"

"بدرالدین! زمینوں کے کاغذات تمہارے پاس تھے۔"

"جی چوہدری صاحب' تھے نہیں بلکہ ہیں۔"

"کیا مطلب۔ زمینیں فروخت کرتے ہوئے تم نے وہ کاغذات اس پارٹی کو نہیں دیئے۔ اگر ایسا نہیں کیا تم نے تو پھر تو کوئی بات ہی نہیں بنتی۔"

جی چوہدری صاحب میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں آپ سے کہ یہ اطلاع آپ کو کس نے دی۔؟"

"فضول باتیں کرنے سے گریز کرو' اگر وہ کاغذات تمہارے پاس ہیں تو مجھے لا کر دو۔"

"چوہدری صاحب' میں وہ کاغذات آپ کو منٹوں میں پیش کر سکتا ہوں میں نے وہ بڑی حفاظت سے رکھے ہوئے ہیں جناب۔ بھلا یہ ہو سکتا تھا کہ میں آپ سے اس طرح کا کوئی فراڈ کرتا۔"

"کاغذات تمہارے پاس ہیں۔؟"

"جی چوہدری صاحب ہیں۔"

"ٹھیک ہے مجھے لا کر دو اس کے بعد میں دیکھتا ہوں کہ اطلاع دینے والوں نے یہ غلط اطلاع مجھے کیوں دی۔؟"

"آپ مجھے اجازت دیجئے' جناب میں آپ کو تھوڑی دیر میں وہ کاغذات لا کر پیش کرتا ہوں' میں یہیں ٹیلی فون کر کے منگوا لیتا لیکن یہ کام کوئی اور نہیں کر سکتا۔"

"میں جانتا ہوں' میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں جاؤ۔" چوہدری کرم داد نے کہا اور بدرالدین سلام کر کے اٹھ گیا۔ وہ باہر نکل آیا تھا۔

ادھر اس کے باہر جاتے ہی چوہدری کرم داد نے ایک بٹن دبایا اور لمبے چوڑے قد و قامت کا ایک آدمی اندر داخل ہو گیا۔

"جیرے خان' جاؤ احتیاط کے ساتھ بدرالدین کا پیچھا کرو' اور موبائل پر ہمیں اس کے بارے میں اطلاع دو کہ یہ کہاں گیا ہے اور کیا کیا کر رہا ہے۔" وہ آدمی

باہر نکل گیا تھا۔

ادھر بدرالدین اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑا تھا' ایک لمحے کے اندر اندر اسے یہ اندازہ تو ہوگیا تھا کہ اب زندگی اور موت کے درمیان لمحوں کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ چوہدری کرم داد کو وہ اچھی طرح جانتا تھا' بڑی سے بڑی غلطی معاف کر دیتا تھا چوہدری کرم داد' دس کروڑ کیا اگر پچاس کروڑ کا معاملہ بھی ہوتا اور اتفاقیہ طور پر بدر الدین ایسی کسی الجھن میں گرفتار ہوگیا ہوتا تو چوہدری کرم داد ذرا بھی پرواہ نہ کرتا' لیکن غداری کو وہ معاف نہیں کرتا تھا۔ البتہ راؤ بدرالدین یہ بات جانتا تھا کہ ساری حرکت توصیف اے شیخ کی ہی ہوسکتی ہے۔ چوہدری کرم داد کو کاغذات دینے کا وعدہ اس نے اس لیے کیا تھا کہ اب زندگی بچانے کا بس ایک ہی طریقہ تھا وہ یہ کہ کائنات کی وسعتوں میں گم ہوجائے' سب کچھ چھوڑ دے۔ جس کی تقدیر میں جو لکھا ہے وہ بھگتے گا' اس وقت اپنے اہل خاندان کے لیے اپنی زندگی کھو دینا کسی طور پر مناسب نہیں ہے کوئی کونہ کھدرا تلاش کرے گا اور منہ چھپا کر بیٹھ جائے گا' اس کے بعد دیکھا جائے گا۔

خود بھی جرائم پیشہ آدمی تھا' چوہدری کرم داد اگر کسی طرح ہاتھ لگ گیا تو اس کا خاتمہ کرنے کے بعد آزادی مل سکتی ہے' اور اس طرح کے جرائم پیشہ افراد ایسا کام کر سکتے ہیں۔ بہرحال اس وقت برے حالات کا شکار ہوگیا تھا۔ لیکن دل میں صرف ایک ہی خیال تھا' اس وکیل کو کیفر کردار تک پہنچانے کے بعد ہی کوئی دوسرا کام کرے گا' چنانچہ اس نے تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد اپنا رخ تبدیل کرلیا' کاغذات وغیرہ کا تو خیر اس کے پاس کوئی وجود تھا ہی نہیں' یہاں سے اسے بس نکلنا تھا' لیکن توصیف اے شیخ سے ملنے کے بعد۔

سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے وہ جانتا تھا کہ توصیف کتنی دیر میں کورٹ سے فارغ ہو کر کہاں پہنچے گا' وہیں بس اس سے نمٹا جاسکتا ہے۔

◇◇◇

شکیب نے مسکراتی نگاہوں سے شمائل کو دیکھا اور شمائل نے ایک انگوٹھا سیدھا کر کے شکیب کو داد دی' شکیب نے توصیف اے شیخ کی انتہائی کامیاب آواز نکالی تھی اور راؤ بدرالدین سے اپنا حصہ مانگا تھا' اس کے لیے اس نے دو تین بار توصیف اے شیخ کے قریب رہ کر اس کی آواز کو نوٹ کیا تھا اور جب اس نے شمائل کو یہ آواز سنائی تھی تو شمائل نے تعریفی انداز میں آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔

''تم واقعی ایک اچھے کریمنل ہو' لیکن میں نے تمہیں جس راستے پر لگایا ہے وہ راستہ تمہارے لیے خطرناک نہیں ہوگا۔ اچھا خاصا کمالو گے اور زندگی بہتر انداز میں گزر جائے گی۔''

''میں دل سے قائل ہوگیا ہوں میڈم' اور اکثر سوچتا ہوں کہ اگر اپنی ہٹ دھرمی سے کام لے کر آپ ہی کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرتا رہتا تو اتنی گہری کھائی میں گرتا کہ مجھے اس کھائی سے نکالنے والا کوئی نہ ہوتا' بہرحال آپ کا شکر گزار بھی ہوں میں۔ ویسے میڈم ایک بات بتایئے' اتنی ذہانت آپ کے اندر کیسے آگئی جبکہ آپ کا ماضی۔''

''بس شکیب صرف اتنی باتیں مناسب ہوتی ہیں جن میں ادب کی جگہ بھی باقی رہ سکے' تم میرے اچھے دوست ہو' لیکن میں چاہتی ہوں کہ ایک حد قائم رہے۔''

''سوری میڈم۔''

''اب ہمیں اپنے دوسرے منصوبے کی تکمیل کرنی ہے۔'' شمائل نے کہا اور پُرخیال انداز میں ایک دیوار پر نگاہیں جما دیں۔

تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح دیوار پر نگاہیں جمائے کسی اہم مسئلے پر غور کرتی رہی، شکیب عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر شمائل نے دیوار سے نگاہیں اٹھائیں تو شکیب سنبھل گیا۔

''ہر کام پوری احتیاط کے ساتھ ہونا چاہیے' وہ ہمیں دفتر میں مل سکے گا۔؟''

''جی میڈم' چار بجے وہ تمام معمولات سے فارغ ہو کر اپنے دفتر میں بیٹھ جاتا ہے۔''

''ٹھیک۔'' شمائل نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی۔

توصیف ایک اچھا وکیل تھا' لیکن اچھا انسان نہیں تھا' ابتداء میں اپنے پیشے میں بڑی ٹھوکریں کھائیں اس نے' لیکن پھر اسے چوہدری کرم داد کا سہارا مل گیا اور چوہدری کرم داد کے سہارے بڑے مضبوط ہوا کرتے تھے' وہ چوہدری کرم داد کا قانونی مشیر بن گیا۔ اب اسے کونسے قانون کی حفاظت کرنی پڑتی یہ وہی جانتا تھا' راؤ بدر الدین بھی چوہدری ہی کی وساطت سے اسے ملا تھا۔

ایک پورا گروپ تھا جو زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھتا تھا اور اس کے ہاتھوں انسانیت کی تذلیل ہو رہی تھی' قانون کی دھجیاں بکھر رہی تھیں' لیکن ہوتا ہے ہر ،، میں اس طرح کے لوگ بڑی طاقت حاصل کر لیتے ہیں۔

کورٹ سے فراغت کے بعد وہ اپنے آفس میں بیٹھا' معمولات وہی تھے ایک ڈیڑھ بجے کورٹ سے فرصت ملتی تھی' تھوڑی دیر بار کونسل میں بیٹھتا' اس کے بعد آفس واپس آتا اور تھوڑی دیر کھانا وغیرہ کھا کر آرام کرتا۔ پھر اس کے بعد اپنی سیٹ پر آ بیٹھتا' اس وقت بھی اسے اپنی سیٹ پر بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اردلی

نے ایک عورت کے آنے کی خبر دی اور جب اس کی اجازت پر آنے والی اندر داخل ہوئی تو توصیف اے شیخ بری طرح اچھل پڑا' بلا کی یادداشت کا مالک تھا' آنے والی کو اس نے ایک لمحے میں پہچان لیا تھا۔

یہ شمائل ہی تھی' وہ معمولی سے لباس میں ملبوس۔ الجھے ہوئے بالوں اور پُرشکن پیشانی کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی' اندر داخل ہو کر اس نے نہایت مدھم لہجے میں سلام کیا' اور آہستہ آہستہ بڑھتی ہوئی آگے آ گئی۔

''وکیل صاحب! ایک کام سے آپ کے پاس آئی ہوں۔''

''تم ـــــ تم ـــــ تم شمائل ہو نا۔؟''

''جی وکیل صاحب یاد ہوں آپ کو۔؟''

''کیوں نہیں' میں اپنے کلائنٹس کو بھولتا نہیں ہوں' مگر تمہیں تو لمبی سزا ہوئی تھی' غالباً دس سال کی' کیا اپیل وغیرہ کر ڈالی تھی۔ باہر کیسے آ گئیں۔؟''

''سب یہی پوچھتے ہیں وکیل صاحب کہ میں باہر کیسے آ گئی' بڑے افسوس کی بات ہے میں نے آپ کا کچھ بگاڑا تو نہیں تھا وکیل صاحب' اس وقت آپ سے کوئی اور سوال کرنے نہیں آئی' ایک بہت ضروری کام سے آئی ہوں' لیکن اگر میرے سوال کا جواب دے دیں تو بڑا احسان مانوں گی آپ کا۔''

''مجھے تو صرف یہ بتاؤ تم آزاد کیسے ہوئیں۔؟''

''یہ بھی بتا دوں گی اگر آپ نے مجھے میرے سوال کا جواب دے دیا۔''

''تعجب ہے بہرحال ٹھیک ہے' میری تم سے ذاتی دشمنی کوئی نہیں تھی۔''

''بس یہی سوال ہے میرا۔ میری آپ سے ذاتی دشمنی کوئی نہیں تھی' اس کے باوجود آپ نے مجھے اتنا بڑا دھوکہ دیا' وکیل صاحب بتانا پسند کریں گے۔''

''جیل کی سلاخوں کے پیچھے انسان پر بہت سے راز خود بخود منکشف ہو جاتے ہیں' شمائل تم اتنا نہیں سمجھ پائیں کہ تم سے دشمنی کس بنیاد پر ہوئی' میں سیدھی

سیدھی بات کرتا ہوں بے شک راؤ بدرالدین نے گیراج والی زمین حاصل کرنے کے لیے تمہاری ماں سے دھوکہ کیا' تمہاری ماں نے خودکشی کر لی' غلط کیا۔ اگر راؤ سے کہتیں کہ مجھے زندگی گزارنے کے لیے تھوڑے سے سہارے مہیا کر دے تو انکار نہ کرتا' اصل میں بڑے بیوقوف ہوتے ہیں وہ لوگ جو طاقت کا احترام نہیں کرتے' راؤ بدرالدین ایک طاقت ہے' تمہاری ماں نے خودکشی کر لی اور اس کے بعد تم منظر عام پر آ گئیں۔ ارے بیوقوف لڑکی تم تو پڑھی لکھی تھیں تمہیں معلوم کر لینا چاہیے تھا کہ راؤ کس حیثیت کا مالک ہے' اس کے بعد دو ہی باتیں تھیں یا تو تم خاموشی سے اپنی نوکری پر واپس لوٹ جاتیں اپنی ماں کی تدفین کر کے یا اگر راؤ کے پاس چلی بھی گئی تھیں تو تمہیں طاقت کا لوہا ماننا چاہیے تھا' راؤ سے بات کر لیتیں' اس کے ساتھ تعاون کر لیتیں تو کچھ بھی نہ ہوتا بہرحال ہم لوگ ایک دوسرے کے کام آتے ہیں' بس یہ سمجھ لو مجھے اشارہ ملا تو میں تمہارے پاس پہنچ گیا۔

''گویا وکیل صاحب مجھے راؤ دبرالدین کی ہوس پوری کر دینی چاہیے تھی۔''

''بیوقوف لڑکیاں ہوتی ہیں وہ جو اس قسم کے احمقانہ الفاظ تراش لیتی ہیں' دنیا کا کام ایک دوسرے سے چلتا ہے بھئی۔''

''وکیل صاحب' اس کا مطلب ہے کہ آپ نے اپنی ماں اور بہن راؤ کے حوالے کر کے ان سے تعلقات پیدا کئے ہوں گے۔''

''اور تم جیسی شکست خوردہ لڑکیاں گالیاں دے کر اپنا دل ٹھنڈا کر لیتی ہیں' چلو ٹھیک ہے' اب تو تم یہ بتا دو کہ تم آزاد کیسے ہو گئیں' میں نے تو تمہیں خواہش کے مطابق سب کچھ بتا دیا۔''

''میں آزاد جیسے بھی ہوئی وکیل صاحب' لیکن جس لیے ہوئی ہوں' وہ سوال آپ کر لیں تو زیادہ اچھا ہے۔

''اچھا کوئی مقصد ہے تمہارا' اوہو میں سمجھ گیا۔ غالباً انتقام' وہی ہندوستانی

فلموں جیسی باتیں' تم نے اپنی ماں کی لاش پر قسم کھائی ہو گی کہ ماں میں تیرے قاتلوں سے بدلہ لوں گی' اور اب تم وہ بدلہ لینے نکل پڑی ہو' مگر یار تم جیل سے کیسے نکل آئیں' معلوم کرنا پڑے گا۔''

''شاید وقت تمہیں مہلت نہ دے مسٹر وکیل صاحب' میں وقت سے پہلے آپ کی تعزیت کرنے آئی تھی' بہرحال میری طرف سے موت کی مبارک باد۔'

شائل واپس پلٹی اور پر اطمینان قدموں سے چلتی ہوئی باہر نکل آئی' توصیف اے شیخ اسے دیکھتا رہا' پھر اس کے ہونٹوں سے ایک آواز نکلی۔

''موت کی مبارک باد' لگتا ہے جاسوسی کہانیاں پڑھتی رہی ہے' مگر اس کی رہائی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا پڑے گی۔''

شام کو وہ معمول کے مطابق اپنی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا' اپنے خاص گھر جانے کے بجائے شام کو وہ اپنے ایک مخصوص فلیٹ پر جاتا تھا جہاں عیاشی کی محفل جمتی تھی' اس کے چند وکیل دوست اور دوسرے لوگ وہاں پہنچ جاتے تھے اور وہاں رنگ رلیاں ہوتی تھیں' رات گئے وہ اپنے گھر میں داخل ہوتا تھا' اس وقت بھی وہ اپنے فلیٹ پر پہنچا' تالا کھول کر اندر داخل ہوا' لیکن جب اس نے اپنے فلیٹ کے ایک مخصوص کمرے میں قدم رکھا جہاں وہ لباس وغیرہ تبدیل کرتا تھا اور لائٹ جلائی تو بری طرح چونک پڑا' راؤ بدرالدین اس کے سامنے بیٹھا اسے خونی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

◇◇◇

توصیف اے شیخ نے حیران نگاہوں سے بدر الدین کو دیکھا' اسے بدر الدین کے چہرے پر کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جس نے اسے پریشان کر دیا' سب سے پہلی بات تو یہی تھی کہ راؤ بدرالدین اس کی غیر موجودگی میں اس کے فلیٹ میں اس طرح داخل ہوا کہ باہر سے یہ احساس بھی نہ ہو سکے کہ کوئی اس وقت فلیٹ میں آیا ہے' پورے فلیٹ میں اندھیرا تھا' اس میں کوئی شک نہیں کہ راؤ بدرالدین بھی یہاں کبھی کبھی توصیف اے شیخ کی رنگ رلیوں میں شرکت کرنے آ جاتا تھا' لیکن اس طرح کبھی نہیں۔ ایک لمحے کے اندر اندر بہت سے خیالات اس کے ذہن سے گزر گئے' لیکن پھر اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

''راؤ صاحب! خیر تو ہے' آپ اس طرح' اور مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے کسی خاص کیفیت کا شکار ہیں آپ۔''

''معصوم بن رہا ہے حرام زادے مجھے برباد کر کے' معصوم بن رہا ہے' میں تجھے دس کروڑ میں حصہ دوں گا' ان دس کروڑ کے بدلے میں مجھے جو کچھ ملا ہے' اسی کا ایک حصہ میں تجھے دینے آیا ہوں۔''

''یہ کیا بدتمیزی ہے راؤ بدر الدین' تم مجھے میرے فلیٹ میں داخل ہو کر گالیاں دے رہے ہو' پہلا سوال تو میں تم سے یہی کرتا ہوں کہ تم یہاں داخل کس طرح

ہوئے' فلیٹ کا دروازہ کیسے کھولا تم نے' اور کیا یہ ایک اچھی بات ہے' ٹھیک ہے تم میرے بہت اچھے دوست ہو یہاں آنے جانے کی کوئی پابندی بھی نہیں ہے تم پر' لیکن یہ طریقہ کار اور پھر تم جو بکواس کر رہے ہو' میں مانتا ہوں تم چوہدری کرم داد کے منہ چڑھے ہوئے ہو لیکن مجھے تم نے کیا سمجھ رکھا ہے' میں بھی چوہدری صاحب سے اتنی ہی قربت رکھتا ہوں جتنی تم' اس کے علاوہ تمہارے جرائم کی ایک فہرست ہے میرے پاس' یہ اچانک ہی تمہاری کھوپڑی خراب کیسے ہو گئی۔ اپنے الفاظ واپس لو ورنہ نقصان کے ذمے دار تم خود ہو گے۔''

راؤ بدرالدین نے جیب سے سائلنسر لگا ہوا ریوالور نکال کر گود میں رکھ لیا اور توصیف اے شیخ حیران نگاہوں سے راؤ بدرالدین کو دیکھنے لگا۔

''میں پوچھتا ہوں دماغ کی کوئی رگ ڈھیلی ہو گئی ہے تمہاری' آخر بات کیا ہے۔ میں تم سے اس لیے اس طرح گفتگو کرنے پر مجبور ہوا ہوں کہ بدتمیزی کا آغاز تم نے کیا ہے' تمہیں مجھے گالیاں دینے کا کیا حق پہنچتا ہے۔؟''

''توصیف! تم نے جو کچھ کیا ہے' کیا ٹھیک کیا ہے۔؟''

''میں پوچھتا ہوں میں نے کیا کیا ہے جس نے تمہارا دماغ اس طرح الٹ دیا ہے راؤ بدرالدین۔''

راؤ بدرالدین نے گود میں رکھا ہوا ریوالور اٹھا کر ہاتھ میں لے لیا اور دونوں ہاتھ سیدھے کرتے ہوئے بولا۔

''دیکھو کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے تمہیں ہم لوگ ایک دوسرے کے خلاف کچھ کر ہی نہیں سکتے' تم کسی دھوکے کا شکار ہو کر میرے ساتھ بدتمیزی کرنے پر آمادہ ہوئے ہو۔ پہلے مجھے اس حماقت کے بارے میں بتا دو۔ بات کیا ہے' کیوں تم اتنے برگشتہ ہو' اس طرح مجرمانہ طور پر میرے فلیٹ میں داخل ہوئے ہو۔

''اتنا معصوم کیوں بن رہا ہے توصیف' کیا موت سامنے دیکھ کر سب کچھ

بھول گیا، یا پھر کوئی اور پلان تیرے ذہن میں ہے، میں کہتا ہوں بات کرنی تھی تو مجھ سے کی ہوتی، ملاقات کی ہوتی مجھ سے، ہوسکتا ہے میرے اور تیرے درمیان کوئی سودا ہوجاتا، فوراً چوہدری کرم داد کو اس بارے میں اطلاع دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

"کس بارے میں۔؟"

"زمینوں کی فروخت کے بارے میں۔"

"کونسی زمینیں۔؟"

"توصیف! نہیں چلے گی بالکل، میں برباد ہوگیا ہوں تو تو سمجھتا ہے کیا میں تجھے چھوڑ دوں گا۔"

"دیکھو، اوہو اوہو، اوہو۔ راؤ کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ شائل وہ لڑکی جس کی ماں کا موٹر گیراج تم نے اپنے قبضے میں لیا تھا اور اس عورت نے خودکشی کرلی تھی، بعد میں ہم نے شائل کو ____"

"تو پھر، کیا کہنا چاہتے ہو۔؟"

"کیا تم یہ جانتے ہو کہ شائل جیل سے نکل آئی ہے۔ کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ ایک تعلیم یافتہ لڑکی ہے اور کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس نے اپنے آپ کو بالکل تبدیل کرلیا ہے، میں یہ نہیں جانتا کہ وہ کس طرح جیل سے آزاد ہوئی، لیکن وہ مجھے ملی تھی اور اس نے مجھے موت کی مبارک باد دی تھی، راؤ بدرالدین، کھیل اونچا معلوم ہوتا ہے، ضرور کوئی ایسا عمل کیا گیا ہے جس نے ہمیں مصیبت میں ڈال دیا ہے۔"

"گھٹیا کوشش ہے، تو نے مجھ سے فون پر کیا کہا تھا، زمینوں کے مسئلے میں حصہ شائل نے مانگا تھا۔"

"زمینوں کا مسئلہ، حصہ، میرے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے کہ یہ کھیل کیا ہے۔"

"یہ کھیل موت اور زندگی کا کھیل ہے اور میں اس کھیل کو زیادہ طویل نہیں کرنا چاہتا۔"

"دیکھو میری بات سنو، میری بات سنو، عقل سے کام لو، مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شائل نے مجھ سے جو بات کی تھی بہت مضبوط بنیاد پر کی تھی۔ اس نے، یقین کرو، اس نے کہا کہ تم لوگوں سے بدلہ لوں گی، وہ کہہ رہی تھی وقت تمہیں شاید مہلت نہ دے وکیل صاحب، میری طرف سے موت کی مبارک باد قبول کیجئے۔"

"اور کوئی کہانی۔؟"

"الو کے پٹھے میں کوئی کہانی نہیں سنا رہا تجھے، میرا دماغ مت خراب کر، ریوالور واپس جیب میں رکھ لے، سوچ، کچھ کرنا ہے چوہدری کرم داد سے مل کر بات کرنی ہے، ہم اپنے دشمن کی سازشوں کا شکار نہیں ____"

توصیف نے اتنا ہی کہا تھا کہ راؤ بدرالدین نے دانت کچکچا کر فائر کردیا، توصیف اے شیخ کی پیشانی کے عین درمیان ایک سوراخ بن گیا، ایسا ہی ایک سوراخ اس کے سر کے پچھلے حصے میں بنا تھا، گولی اس کے دماغ سے گزر کر پار ہوگئی تھی، ایک لمحے تک وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے راؤ بدرالدین کو دیکھتا رہا اور اس کے بعد وہ اندھے منہ زمین پر آ رہا۔

راؤ بدرالدین کی آنکھیں خون برسا رہی تھیں، دماغ اس قدر گرم تھا کہ توصیف اے شیخ کی نشاندہی کے باوجود اس نے شائل کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔

حالانکہ گولف کلب میں وہ خود بھی شائل کو دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا، اور حیران تھا اس وقت سے، لیکن چوہدری کرم داد نے جس طرح اسے موت زندگی کے جال میں پھنسا دیا تھا اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اب اس جال سے نکلنا بہت مشکل کام ہے، اور اسی چیز نے اسے دیوانگی میں مبتلا کردیا تھا۔

وہ توصیف کے قریب پہنچا، گولی ایسی کارگر جگہ پر لگی تھی کہ توصیف میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہی تھی، بہت خاموشی سے وہ مر گیا تھا، راؤ بدرالدین نے ریوالور جیب میں رکھا اور اس کے بعد وہ توصیف کے فلیٹ سے باہر نکل آیا، تھوڑی

دیر کے بعد وہ کسی نامعلوم منزل کی جانب جارہا تھا۔

جیرے خان' چوہدری کرم داد کے ان خاص آدمیوں میں سے تھا جو چوہدری کرم داد کی شخصیت کو قائم رکھنے میں ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔ چوہدری کرم داد نے بڑے اعلیٰ پیمانے پر اس کی تربیت کرائی تھی' وہ بہترین لڑاکا بھی تھا اور بہترین جاسوس بھی۔

جس ہوشیاری کے ساتھ وہ راؤ بدرالدین کا تعاقب کرتا ہوا اس فلیٹ تک پہنچا تھا وہ اس کی خاصیت تھی۔ حالانکہ راؤ بدرالدین سخت محتاط تھا اس وقت' زندگی داؤ پر لگی ہوئی تھی' لیکن جیرے نے جس طرح یہ تعاقب کیا تھا اس نے راؤ بدرالدین کو کسی بھی قسم کا شبہ نہیں ہونے دیا۔

بہرحال جیرے یہ بات جانتا تھا کہ چوہدری کرم جب کوئی ذمے داری سپرد کرتا ہے تو اس کا ہر لمحہ محتاط چاہتا ہے اور یہ اس کا حق بھی تھا کیونکہ اپنے ان خاص آدمیوں کو وہ شہنشاہوں کی سی زندگی بسر کراتا تھا۔

دنیا کا ہر عیش و عشرت ان کے لیے بہت آسان ہوتا تھا اور انہیں کہیں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ اتنا سب کچھ کرنے کے بعد ظاہر ہے اگر وہ اپنے کام میں اتنی مستعدی کا خواہش مند ہو تو بات تو غلط نہیں تھی۔

یہ لوگ اتنا ہی خیال رکھتے تھے' اور جیرے نے سڑک تک ہی تعاقب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا وہ اس فلیٹ تک آیا تھا جس کا دروازہ کسی خاص طریقے سے کھول کر راؤ بدرالدین اندر داخل ہو گیا تھا۔

جیرے کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ راؤ بدرالدین اس فلیٹ میں ایک مالک کی حیثیت سے نہیں داخل ہوا بلکہ اس نے چوروں کی طرح اس فلیٹ کا تالا کھولا ہے۔

جیرے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا' راؤ بدرالدین کی طرح فلیٹ میں داخل ہونا اس کے لیے تو ممکن نہیں تھا' لیکن اس نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک راؤ بدرالدین یہاں

موجود ہے اسے فلیٹ کے آس پاس ہی رہنا چاہیے' اور پھر کافی وقت تک وہ ایک ستون کی آڑ میں سنگی مجسمے کی طرح کھڑا۔

یہاں تک کہ اس نے ایک اور شناسا کو اس فلیٹ پر آتے ہوئے دیکھا' توصیف اے شیخ تھا اور ظاہر ہے جیرے اس شخص سے اچھی طرح واقف تھا' چوہدری کے گروپ کا آدمی تھا' توصیف اے شیخ نے جس طرح فلیٹ کا دروازہ کھولا تھا اس سے یہ بات پتہ چل گئی کہ توصیف باقاعدہ اس فلیٹ میں داخل ہوا مگر راؤ بدرالدین نے واقعی کمال دکھایا تھا۔

کسی فلیٹ کے دروازے کو خفیہ طور پر کھول کر اس طرح اندر داخل ہونا کہ دروازہ خود بخود اسی انداز میں بند ہو جائے' یہ کمال کی بات تھی' جیرے خود بھی اس ٹیکنیک کو نہیں جانتا تھا لیکن یہ جانتا تھا کہ یہ لوگ معمولی لوگ نہیں ہیں۔

بہرحال اس کے بعد پھر اسے انتظار کرنا پڑا تھا۔ توصیف اے شیخ سے اسے اس وقت کوئی دلچسپی نہیں تھی' مالک نے اسے راؤ بدرالدین کے پیچھے لگایا تھا اور جب تک راؤ بدرالدین کسی طرح نمودار نہیں ہو جاتا بات نہیں بنتی۔ چنانچہ وہ منتظر تھا۔

خاصی دیر کے بعد راؤ بدرالدین اندر سے نمودار ہوا' کچھ اس بدحواسی کے عالم میں تھا جیسے کوئی عمل کر کے آیا ہو' جیرے جانتا تھا کہ اس وقت اسے کیا کرنا ہے' اس نے ایک نگاہ راؤ بدرالدین پر ڈالی اور اس کے بعد پھرتی سے آگے بڑھا اور فلیٹ میں داخل ہو گیا۔

طوفانی انداز میں اس نے فلیٹ کے کمروں کا جائزہ لیا اور اسے زیادہ وقت نہیں ہوئی۔ اس نے توصیف اے شیخ کی لاش دیکھ لی تھی جس کی پیشانی کے عین درمیان خون اگلتا ہوا سوراخ بنا ہوا تھا۔

اس نے جھک کر توصیف اے شیخ کی نبض دیکھی' دل کی حرکت سنی اور اس کے بعد طوفانوں کی طرح پلٹا اور چھلانگیں مار مار کر سیڑھیاں طے کرتا رہا۔ بلڈنگ میں

لفٹ وغیرہ نہیں تھی۔

اس وقت راؤ بدرالدین سڑک پر پہنچ چکا تھا اور کار میں بیٹھ رہا تھا' جیرے نے آسمان کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی' شکر تھا کہ راؤ بدرالدین اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوگیا تھا اور اس کے بعد وہ پھر سے راؤ بدرالدین کا پیچھا کرنے لگا۔

ذہن میں سوچتا آرہا تھا کہ راؤ بدرالدین اس فلیٹ میں اسی لیے داخل ہوا تھا کہ توصیف کو قتل کردے۔ وہ راؤ بدرالدین کا پیچھا کرتا رہا۔

اس بار راؤ بدرالدین نے بہت لمبا سفر اختیار کیا تھا' رائے ونڈ روڈ پر وہ تیز رفتاری سے یہ سفر طے کررہا تھا اور آخر کار اس نے سڑک سے کار اتاری اور ایک فارم ہاؤس کے گیٹ پر پہنچ گیا۔

یہاں کھڑے ہوئے چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے راؤ بدرالدین کو اچھی طرح جانتا ہو۔ ممکن ہے یہ فارم ہاؤس بھی راؤ بدرالدین ہی کی ملکیت ہو۔ راؤ بدرالدین اندر چلا گیا اور اب ضروری تھا کہ جیرا چوہدری کرم داد کو توصیف اے شیخ کے قتل کی اطلاع دے دے۔ چنانچہ اس نے ایک مناسب جگہ تلاش کرکے موبائل فون پر چوہدری کرم داد سے رابطہ قائم کیا' جو کچھ لمحوں کے بعد قائم ہوگیا' اس نے کہا۔

''چوہدری جی' آپ کا غلام بول رہا ہے۔''

''ہاں بولو جیرے۔'' چوہدری کرم داد کی آواز ابھری۔

''ہم اس کا پیچھا کررہے ہیں چوہدری جی' وہ ایک فلیٹ پر پہنچا تھا' اس کا پتہ آپ کو بتارہے ہیں' فلیٹ پر پہنچنے کے بعد اس نے چالاکی سے دروزہ کھولا جی اور اندر چلا گیا' پھر وہاں کافی دیر رہا اور اس کے بعد جی' وکیل صاحب' وکیل توصیف شیخ صاحب اس فلیٹ میں آئے اور انہوں نے اس طرح دروازہ کھولا جیسے وہ اس فلیٹ کے مالک ہوں جی' پھر وہ اندر چلے گئے اور ہمیں اندازہ نہیں ہوسکا کہ کیا چکر چلا کیونکہ

ہم اندر داخل نہیں ہوئے تھے' ہم انتظار کرتے رہے کہ راؤ جی باہر آئیں تو ہم ان کا پیچھا کریں' وہ باہر آئے' مگر ہمیں ان کی کچھ ایسی مشکوک حالت لگی ان کی جناب کہ ان کے سیڑھیاں اتر جانے کے بعد ہم اس فلیٹ میں داخل ہوئے اور وہاں جی ہم نے وکیل صاحب کی لاش دیکھی' گولی مار کر ہلاک کردیا گیا جی انہیں' فلیٹ میں اور کوئی نہیں تھا جس سے ہمیں شک ہوتا کہ وکیل صاحب کو کسی اور نے گولی ماری ہے' بس جناب ہم نے صرف ایک نگاہ دیکھا اور اس کے بعد پھرتی سے باہر نکل آئے' راؤ بدرالدین گاڑی میں بیٹھ رہا تھا جناب' ہم نے اس کا پیچھا کیا اور وہ اس وقت وہ رائے ونڈ روڈ کے ایک فارم ہاؤس میں ہے' سر جی' بڑی مشکوک کیفیت ہے اس کی' سر اس نے اپنے ہی ایک ساتھی کو ماردیا۔''

''جیرے! صرف اتنی بات کرتے ہیں جتنی ضروری ہو' اب تم ایسا کرو اپنی مدد کے لیے' گونگے' ٹلے اور شیرا کو بھی طلب کرلو' ایک بار پھر میں تمہیں خاص طور سے ہدایت کرتا ہوں کہ کوئی غفلت نہیں ہونی چاہیے' راؤ بدرالدین کو گھیرے رکھو' فارم ہاؤس میں اور بھی لوگ ہیں۔؟''

''ابھی تک تو سر جی ہم نے صرف ایک چوکیدار دیکھا ہے۔''

''ابھی تم کوئی عمل مت کرو' بس اسے نگاہ میں رکھو اور اگر وہ نکلنے کی کوشش کرے تو اسے نکلنے مت دو' پتہ نہیں یہاں سے کہاں جائے گا' اسے وہیں روکنا ہے' میں تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہوں۔''

''جی سر جی' آپ بالکل فکر مت کرو۔'' جیرے نے کہا اور فون بند کردیا پھر وہ فوراً ہی شیرا کا نمبر ملانے لگا' شیرا بھی چوہدری کا آدمی تھا اور اس گروپ کا ممبر جو ٹریکٹر گروپ کہلاتا تھا اور یہ ٹریکٹر گروپ چوہدری کرم داد کے خطرناک کاموں میں مصروف عمل ہوتا تھا اور نہ عیش سے زندگی بسر کرتا تھا' شیرا کو اس نے ہدایت کی کہ گونگے اور ٹلے کو لے کر فوراً رائے ونڈ روڈ پہنچ جائے' یہ چوہدری صاحب کا حکم ہے اور اتنی

تیزی سے یہ کام کیا جائے کہ دیر نہ لگے۔ پھر اس کے بعد وہ زیادہ محتاط طریقے سے یہاں کا جائزہ لینے لگا‘ بظاہر تو اس بات کے امکانات نہیں تھے کہ فارم ہاؤس میں آنے جانے کا کوئی اور راستہ ہو‘ صدر گیٹ وہ اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتا تھا جب تک کہ اس کے آدمی نہ پہنچ جائیں۔

شیرا نے گونگے اور ٹلے کو ساتھ لے کر یہاں پہنچنے میں واقعی کمال دکھایا تھا‘ تینوں دو موٹر سائیکلوں پر آئے تھے‘ جو پتہ جیرے نے انہیں بتایا تھا وہ اس پتے پر سیدھے سیدھے پہنچ گئے تھے۔ سڑک سے تھوڑے سے فاصلے پر ایک درخت کی آڑ میں انہوں نے موٹر سائیکلیں روکیں‘ جیرے کو انہوں نے دیکھ لیا تھا‘ اشارے ہوئے اور جیرا ہاتھ سے انہیں قریب آنے کا اشارہ کرنے لگا‘ تینوں قریب پہنچ گئے تو اس نے گونگے اور ٹلے سے کہا کہ وہ دونوں اس فارم ہاؤس کے چاروں طرف کا چکر لگائیں اور یہ دیکھیں کہ کوئی اور راستہ تو نہیں ہے۔ کوئی دس منٹ کے بعد دونوں چکر لگا کر واپس آ گئے تھے اور انہوں نے اطلاع دی تھی کہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

ادھر راؤ بدرالدین اپنے طور پر اندر تیاریاں کر رہا تھا‘ توصیف شیخ کو قتل کر کے اس کے دل کو ٹھنڈک تو ملی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اب تھوڑا سا وقت سکون سے گزارا جائے۔ ویسے یہ خوشی تھی اسے کہ اس فارم ہاؤس کے بارے میں کبھی اس نے چوہدری کرم داد یا توصیف شیخ کو نہیں بتایا تھا‘ ویسے بھی یہ فارم ہاؤس ایک شریف آدمی کی ملکیت تھی اور اسی نے محنت کر کے اسے بنایا تھا‘ راؤ بدرالدین نے بڑی ذہانت کے ساتھ اس پر اپنا قبضہ جمایا تھا اور اس طرح اس شخص کو تنگ کیا تھا کہ وہ اپنے اہل خاندان کو لے کر ملک سے ہی باہر چلا گیا تھا۔ کئی بار راؤ بدرالدین کا دل چاہا کہ چوہدری کرم داد کو اپنے اس خوبصورت فارم ہاؤس میں دعوت دے‘ لیکن چوہدری کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا‘ اگر یہ فارم ہاؤس اسے پسند آ گیا تو پھر کسی کی مجال نہیں تھی کہ اسے اس کی ملکیت بننے سے روک دے‘ آج یہ فارم ہاؤس اس کے کام آیا

تھا۔ بہرحال یہ گزری تھی راؤ بدرالدین پر اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ تھوڑا وقت اس فارم ہاؤس میں گزار کر کچھ ایسے انتظامات کرے کہ اسے ملک سے نکلنے کا موقع مل جائے۔ بے پناہ دولت تھی اس کے پاس‘ اس دولت کو سمیٹنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ لیکن اس کے لیے بھی وہ اپنے ذہن میں منصوبہ بندیاں کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ خود تو کچھ بھی نہیں کر سکے گا‘ لیکن اس کے پاس ایسے لوگ موجود تھے جو اس کے مفادات کے لیے کام کر سکیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چوہدری کرم داد سے ٹسل لینے کو کوئی بڑے سے بڑا مائی کا لال تیار نہیں ہوتا تھا‘ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جو چوہدری کرم داد کی اصلیت سے واقف نہیں تھے۔ ان کا تعلق پنجاب سے تھا بھی نہیں۔ ان سے رابطے کے لیے تھوڑا سا وقت یہاں پر سکون طریقے سے فارم ہاؤس میں گزارنا ہوگا۔ راؤ بدرالدین نے سوچا۔

شکیب‘ شمائل کا دست راست بن گیا تھا‘ شمائل واقعی اس پر ناز کرنے لگی تھی‘ ایک خوبصورت اور پرکشش نوجوان‘ لیکن اس بات کا بھی شکیب کو اندازہ ہو چکا تھا کہ شمائل جس طرح کی عورت بھی ہو‘ کم از کم اس کے کردار میں کوئی لچک نہیں ہے‘ شکیب نے جب بھی بے تکلفی کی کوئی بات کہی شمائل نے اسے سرزنش کر دی‘ بہرحال شکیب نے اپنی حدود قائم رکھی تھیں‘ وہ راؤ بدرالدین کا مسلسل تعاقب کر رہا تھا‘ واقعی ایک کمال کی شخصیت تھی‘ اپنے فن کا ماہر‘ راؤ بدرالدین کے پیچھے اس نے ایک اور شخص کو بھی دیکھ لیا تھا‘ لیکن وہ اسے جانتا نہیں تھا‘ البتہ یہ اندازہ اسے بخوبی ہو گیا تھا کہ وہ راؤ بدرالدین کا تعاقب کر رہا ہے۔ راؤ بدرالدین کی اب تک کی تمام مصروفیات کا علم شکیب کو تھا‘ اور یہ بھی ایک دلچسپ عمل تھا کہ شکیب تمام تر صور حال سے واقف ہوتا جا رہا تھا۔ جو اجنبی شخص راؤ بدرالدین کا تعاقب کر رہا تھا‘ اس کے فرشتے کو بھی یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ کوئی اور بھی ہے جو چھلاوے کی طرح اس کے ساتھ ہے اور ہر وہ عمل کر رہا ہے جو وہ خود کر رہا ہے‘ توصیف اے شیخ کی لاش شکیب نے بھی دیکھی تھی اور اس کے بعد وہ بھی

اپنی دانست میں اجنبی' لیکن حقیقتاً جیرے اور راؤ بدرالدین کا تعاقب کرتا ہوا اس فارم ہاؤس تک آیا تھا اور تمام صورت حال سے اچھی طرح واقف تھا۔ اب اس کے بعد ضروری ہوگیا تھا کہ وہ شمائل کو اس بارے میں اطلاع دے' چنانچہ اس فارم ہاؤس پر نگاہ رکھتے ہوئے اس نے موبائل فون پر شمائل سے رابطہ قائم کیا اور اسے فون پر ساری صورت حال بتانے لگا' شمائل غور سے سن رہی تھی۔ اس نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

''شکیب' میں تمہاری ذہانت اور تمہاری برق رفتاری کی داد دیتی ہوں' بہت شکریہ' اپنی زمے داری پوری ذہانت کے ساتھ سرانجام دیتے رہو' کوئی دقت تو پیش نہیں آئی۔؟

''میڈم! آپ کا یہ خادم باقاعدہ تربیت یافتہ ہے' آپ مطمئن رہیں' میں بذات خود تو اس معاملے میں کوئی دخل نہیں دوں گا' لیکن ان لوگوں کی ساری رپورٹ آپ کو دے سکتا ہوں۔''

''یہ اجنبی شخص کون ہے۔؟''

''سو فیصدی کرم داد کا آدمی۔''

''گڈ۔'' شمائل کی آواز میں مسکراہٹ تھی۔

''میڈم اور کوئی حکم۔؟''

''بس شکیب' مجھے صورت حال سے آگاہ کرتے رہنا۔''

''جی میڈم۔'' شکیب نے جواب دیا۔

وقت کا ہر لمحہ راؤ بدرالدین کے دماغ میں دھڑک رہا تھا۔ نجانے کیوں خوف کی لہریں اس کے بدن کے روئیں روئیں کو چھیڑ رہی تھیں' اور وہ سہما جا رہا تھا' چوہدری کرم داد کی خوفناک شخصیت سے وہ اچھی طرح واقف تھا' اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی نادیدہ جال اسے چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے اور کچھ نہ کچھ ضرور ہوجائے گا' آہ کاش میں عارضی طور پر یہاں سے نکل سکوں' دوبئی شارجہ یا مستقل چلا

جاؤں گا' وہاں تھوڑا سا وقت گمنامی کے عالم میں بسر کروں گا' اور اس کے بعد وہیں سے بیٹھ کر کارروائیاں کروں گا۔ اپنا پتہ کسی بھی طرح چوہدری کرم داد کو نہیں لگنے دوں گا کیونکہ وہاں بھی چوہدری کرم داد کے ہاتھوں کی لمبائی اتنی ہی ہے' چوہدری کرم داد کے ہر جرم میں شریک ہونے کا دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا تھا' لیکن کافی حد تک وہ چوہدری کرم داد کی قوتوں سے واقف تھا۔ شاید بنیادی وجہ یہی تھی کہ وہ اس قدر خوف محسوس کر رہا تھا ورنہ اچھے اچھوں کو خاطر میں نہیں لاتا تھا' دھت تیرے کی' ایک ذرا سی لغزش نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ حالانکہ یہاں بھی اسے وحشت ہو رہی تھی' سب سے رابطے منقطع تھے۔ ابھی شناساؤں اور دوستوں سے بھی کوئی رابطہ نہیں قائم کر سکتا تھا کیونکہ سب کے سب ہی چوہدری کرم داد کے شناسا تھے اور دنیا چڑھتے سورج کی پوجا کرتی ہے۔ چوہدری کی قوت اور حیثیت سے سبھی واقف تھے' اسے خوش کرنے کے لیے بھی وہ میرا پتہ دے سکتے ہیں' آہ کاش میں اس خوف سے چھٹکارا پا سکوں۔ بہت دیر تک یہی کیفیت رہی وہ ایک صوفے میں آنکھیں بند کر کے دراز ہوگیا' دل میں یہی خیال تھا کہ یہاں خاموشی سے وقت گزارے گا۔ خود اپنے لیے کھانا پینا تیار کرے گا' وہ خود پر ہنسا' کیا ہو جاتا ہے' کبھی کبھی وقت کس طرح کروٹ بدل لیتا ہے' بے شمار ملازم جوتے سنبھالتے تھے' لیکن اس وقت چائے کی شدید طلب کے باوجود کوئی اسے ایک کپ چائے دینے والا نہیں تھا۔ خیر ایسا تو ہوتا ہی ہے' صوفے پر بیٹھے بیٹھے وہ اونگھنے لگا۔ نجانے کتنی دیر اسی طرح آنکھیں بند کئے غنودگی کی کیفیت کا شکار رہا کہ اچانک موبائل فون بجا اور وہ اس طرح اچھل پڑا جیسے بم کا دھماکہ ہوا ہو۔ اس نے دہشت بھری نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا' موبائل اس کی جیب میں ہی تھا' صورت حال کا اندازہ کر کے اس نے جلدی سے موبائل نکال لیا اور اس پر فون نمبر دیکھنے لگا' اس کے چہرے پر دہشت منجمد ہوگئی تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ یہ نمبر دیکھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا کہ کس کا نمبر ہو سکتا ہے' مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' دل وحشت کا شکار تھا'

کہیں چوہدری کرم داد کا فون نہ ہو۔ چوہدری کرم داد‘ کیا کروں‘ کیا نہ کروں‘ خیر اگر فون ریسیو کر بھی لیا جاتا ہے تو کوئی ایسی بات نہیں ہے بلکہ فون ریسیو کرنا چاہیے‘ ایک بار پھر چوہدری کرم داد سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے کی کوشش کر لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ موبائل فون کے ذریعے وہ لوگ یہاں پہنچ تو نہیں سکتے۔ بڑی ہمت کر کے اس نے فون آن کیا اور لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

’’ہیلو‘‘

’’آہا‘ راؤ بدرالدین صاحب۔‘‘ کسی عورت کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی‘ راؤ بدرالدین ایک لمحے تک سوچتا رہا تھا‘ آواز سمجھ میں نہیں آئی تھی‘ اس نے دوبارہ کہا۔

’’ہیلو‘ کون ہو۔؟‘‘

’’راؤ جی‘ ظاہر ہے میری آپ کی اتنی قربت نہیں رہی ہے کہ آپ ایک لمحے میں میری آواز پہچان لیں‘ شمائل بول رہی ہوں۔‘‘

’’شش ____ شش ____ شش ____ شمائل۔‘‘ راؤ بدرالدین کے لہجے میں ہکلاہٹ آ گئی۔

’’تت ____ تم تم۔‘‘

’’جی ہاں راؤ صاحب ابھی حال ہی تو ہماری ملاقات گولف کلب میں ہو چکی ہے۔‘‘

’’کک ____ کیا بات ہے۔ کیوں فون کیا ہے مجھے۔؟‘‘

’’راؤ صاحب! بڑا دل چاہ رہا تھا آپ سے باتیں کرنے کو‘ ہمیشہ ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس رہا‘ بڑی بیوقوفی کی تھی میں نے۔ اس وقت اصل میں تجربہ نہیں تھا زندگی کا۔‘‘

’’یہ بتاؤ مجھے فون کیوں کیا ہے۔؟‘‘

’’بہت سی اہم باتیں کرنے کے لیے راؤ صاحب‘ ویسے بھی آپ اکیلے ہیں‘ خوفزدہ ہیں‘ پریشان ہیں‘ اس فارم ہاؤس میں آپ کے پاس کوئی ملازم وغیرہ بھی نہیں ہے‘ سوائے گیٹ کے چوکیدار کے‘ کتنی تکلیفیں اٹھانی پڑ رہی ہوں گی آپ کو۔‘‘ راؤ بدرالدین کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ کر گرتے گرتے بچا‘ اس کے پورے بدن میں سناٹے در آئے تھے۔ یہ کیا بک رہی ہے۔ اسے کیا معلوم کہ میں کہاں ہوں۔ کیا میری یہاں موجودگی اس قدر عام ہو گئی ہے‘ اس کا مطلب ہے کہ اس بارے میں چوہدری کرم داد کو بھی معلوم ہو سکتا ہے۔‘‘

’’راؤ صاحب فون بند نہ کیجیے گا‘ آپ کو آپ کی زندگی کے ایک ایسے اہم راز سے واقف کرنے جا رہی ہوں جس کے بارے میں آپ نے سوچا بھی نہیں ہو گا۔‘‘

’’دیکھو شمائل‘ میں خود تم سے ملنے کے بارے میں سوچ رہا تھا‘ بہت سی باتیں میرے ذہن میں الجھی ہوئی ہیں‘ یہی کہ تم آخر جیل سے کیسے نکل آئیں۔‘‘

’’راؤ صاحب‘ بعض الجھنیں ایسی ہی ہوتی ہیں‘ مگر میں سمجھتی ہوں کہ اس وقت آپ اس الجھن کا شکار نہیں ہوں گے کہ میں جیل سے کیسے نکل آئی‘ آپ خود عذاب میں گرفتار ہیں۔ البتہ آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ اس عذاب میں آپ کو میں نے گرفتار کیا ہے۔‘‘

’’کک ____ کیا مطلب۔ کیسا عذاب۔؟‘‘

’’ارے یہی‘ آپ بیچارے توصیف اے شیخ کو قتل کرا آئے‘ اور اس کے بعد یہاں چھپے ہوئے ہیں‘ چوہدری کرم داد آپ کی تلاش میں ہے‘ اس کے آدمی خونخوار کتوں کی طرح گوشے گوشے میں آپ کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں‘ اور بہرحال وہ تھوڑی دیر کے بعد یہاں پہنچنے والے ہیں‘ راؤ صاحب یہ ساری محنت میں نے کی ہے‘ توصیف اے شیخ کو آپ کے ہاتھوں مروانے کا سہرا بھی میرے ہی سر ہے۔ وہ جو زمینوں کا چکر چلا ہے نا راؤ بدرالدین صاحب‘ وہ میرا ہی چلایا ہوا ہے۔ بہرحال ہر شخص کی ایک اپنی

پہنچ ہوتی ہے‘ اس وقت میں ایک سیدھی سادی لڑکی کی حیثیت سے آپ کے پاس گئی تھی‘ آپ نے تو میری آبرو ہی لوٹنا چاہی‘ ایک تو میری ماں آپ کے مظالم کا شکار ہو کر موت کے گھاٹ اتر گئی۔ راؤ صاحب‘ بہت بڑا جرم کیا آپ نے‘ ہم تو بڑے غریب لوگ تھے‘ بڑی جدوجہد کر رہے تھے ایک اچھی زندگی کے لیے‘ سب کچھ چوپٹ کر دیا آپ نے‘ اور پھر اس وکیل نے کس طرح مجھے دلاسے دیئے۔ مجھے زندگی کی امید پیدا ہوگئی‘ مرنا تو آپ سب کو تھا‘ ابھی تو میرے انتقام کا شکار تو کچھ اور لوگ بھی ہیں۔‘‘

’’شمائل! دیکھو تمہیں۔ تمہیں یہاں کے بارے میں کیسے معلوم ہو گیا‘ دیکھو میں تم سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں‘ مجھے بتاؤ تم کہاں ملو گی مجھے۔؟‘‘

’’ابھی تو کہیں نہیں راؤ صاحب‘ ہاں میدان حشر میں ہماری ملاقات ضرور ہوگی‘ وہاں آپ میری ماں کے مجرم ہوں گے‘ وہیں بات چیت کر لیں گے‘ یہاں تو آپ یہ سمجھئے کہ بس موت آپ تک پہنچنے ہی والی ہے‘ چوہدری کرم داد کے آدمی آپ کے اس فارم ہاؤس کے باہر موجود ہیں‘ آپ کسی بھی طرح ان کے چنگل سے نہیں نکل سکیں گے‘ سمجھ رہے ہیں نا آپ۔‘‘

’’کک ـــــ کیا بکواس کر رہی ہو۔؟‘‘ راؤ بدرالدین کی آواز رندھ گئی‘ خوف سے اب اس کے اعصاب جواب دینے لگے تھے۔

’’موت صرف چند گز کے فاصلے پر ہے آپ سے۔ اوہو یہ آواز سنی آپ نے‘ میں نے سن لی ہے۔‘‘ راؤ بدرالدین نے بھی فائر کی آواز سنی تھی۔

’’میرا خیال ہے آپ کے چوکیدار کو گولی ماردی گئی‘ وہ لوگ اندر آ رہے ہیں۔‘‘ موبائل فون راؤ بدرالدین کے ہاتھ سے گر پڑا‘ اس کا چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید ہو گیا تھا‘ وہ قدموں کی آہٹیں سن رہا تھا اور پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ آہٹیں اس کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئیں۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا‘ راؤ

بدرالدین نے اٹھنے کی کوشش کی‘ لیکن اس کے اعضاء اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے‘ اور اس کے بعد دروازہ کھلا‘ سب سے پہلی شکل جیرے کی نظر آئی تھی‘ اس کے پیچھے کچھ افراد بھی تھے‘ راؤ بدرالدین کا دل اس شدت کے ساتھ دھڑکا کہ اس کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا‘ پھر درد کی ایک تیز ٹیس جو سینے سے شروع ہوئی دونوں بازوؤں میں پھیل گئی‘ گردن کی رگوں اور پھر دماغ میں‘ راؤ نے آنکھیں پھاڑ کر ماحول کو دیکھنے کی کوشش کی‘ زبان سے کچھ کہنا چاہا‘ لیکن رفتہ رفتہ اس کے اعصاب سن پڑ گئے‘ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اوندھے منہ زمین پر آ رہا‘ دل کا شدید دورہ پڑا تھا اس پر اور اس دورے نے اس سے زندگی چھین لی تھی۔

شکیب کو اس نے اپنے گھر بہت کم بلایا تھا‘ ایک ہوٹل میں جگہ مخصوص کر لی گئی تھی‘ زیادہ تر ملاقاتیں شکیب سے وہیں ہوا کرتی تھیں‘ بعد میں جب شکیب نے ساری تفصیل شمائل کی سامنے رکھی تو شمائل کے ہونٹوں پر ایک سفاک مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس وقت بھی وہ دونوں اسی ہوٹل میں موجود تھے۔ شکیب نے شمائل کے ہونٹوں کی یہ سفاک مسکراہٹ دیکھی اور اسے دیکھتا رہ گیا۔ پھر اس نے کہا۔

’’میڈم آپ کے چہرے پر جو خوشی جھلک رہی ہے‘ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اس ساری کاروائی سے بہت خوش ہیں۔‘‘

’’خوشی کی بات ہے شکیب‘ اگر کبھی سڑک پر کوئی کتا کسی گاڑی کے نیچے آ جاتا تھا تو میں اس کی موت کو نہیں بھولتی تھی‘ یقین کرو شکیب میں اس دن کھانا تک نہیں کھا سکتی تھی‘ کسی جاندار کی تکلیف میری اپنی تکلیف ہوتی تھی‘ لیکن دیکھو‘ بڑے صحیح الفاظ ہوتے ہیں جو بوؤ گے وہی کاٹو گے‘ کیا سے کیا بنا دیا ان لوگوں نے مجھے‘ اپنی ماں کی موت کو نہیں بھول سکتی‘ بڑی اچھی ماں تھی‘ ایک آزاد خیال‘ آزاد فطرت جس نے میرے باپ کی موت کے بعد مجھے فری ہینڈ دیا تھا کہ میں اپنا مستقبل خود تلاش کروں اور بڑا تعاون کیا تھا اس نے میرے ساتھ‘ کیا تھا‘ دو چار ہاتھ لب بام رہ گیا تھا مگر کمند

ٹوٹ گئی، ٹوٹی نہیں بلکہ توڑ دی گئی۔'' شمائل جیسے عالم خواب میں بول رہی تھی۔

''چلیئے میڈم آپ کے دشمن کیفر کردار کو پہنچ گئے' اب تو آپ کی زندگی میں سکون ہی سکون۔' شمائل نے چونک کر شکیب کو دیکھا پھر بولی۔

''یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میرے دشمن ختم ہوگئے ابھی تو میری زندگی کا سب سے مشکل اور سب سے کٹھن مرحلہ باقی ہے شکیب۔ کیا تم میرا ساتھ چھوڑنا چاہتے ہو۔؟''

''نہیں میڈم' کون کافر آپ کا ساتھ چھوڑنا چاہتا ہے میں تو ساری زندگی ______'' اچانک ہی شمائل کی آنکھوں میں کرختگی پیدا ہوگئی۔

''میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے شکیب' ہمارے درمیان ایک سودا ہے' تم جو کچھ کر رہے ہو اس میں تمہیں خاطر خواہ آمدنی ہو رہی ہے جو مقصد لے کر تم آئے تھے' تمہیں خود بھی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اس مقصد کی تکمیل تمہارے بس کی بات نہیں تھی' سوائے اس کے کہ میرے ہاتھوں نقصان اٹھا جاتے' اب بھی میں تم سے یہی کہہ رہی ہوں میرے اور اپنے درمیان اس سودے کو قائم رکھو' ایک حد ہے ایک لکیر ہے' اس لکیر کے دوسری طرف کبھی قدم مت رکھو۔''

''سس ______ سوری میڈم! اصل میں اتنے عرصے کا ساتھ ہے' اور پھر کبھی کبھی مخلصانہ بات بھی غلط رنگ اختیار کر لیتی ہے۔''

''اگر یہ الفاظ خلوص پر مبنی ہیں تو ٹھیک ہے نظر انداز کیے جاسکتے ہیں' لیکن بس ایک بات سمجھ لو' کسی نے میرے لیے اتنا کچھ کیا ہے کہ میں اس کے قدموں میں خاک بن کر بھی لپٹ جاؤں تو اس کا احسان ادا نہیں کر سکتی' میں یہ نہیں کہتی کہ میں کوئی بہت ہی معیاری عورت ہوں' انسان اپنے مقصد کے حصول کے لیے پتہ نہیں کس حد تک اپنی سطح سے گر جاتا ہے' اور سچی بات یہ ہے کہ میری تو کوئی سطح ہی نہیں رہی تھی۔ اس قدر پست ہوگئی تھی میں کہ کہ ______''

وہ پھر خاموش ہوگئی' ان دونوں کی موت سے شدید جذباتی ہوگئی تھی۔ راؤ بدرالدین کے ساتھ گزرے ہوئے وہ لمحے یاد آرہے تھے' جب اس نے بے دردی سے اسے بھیانک غار میں دھکیل دیا تھا' اور اس کے بعد جس طرح اس کی اپنی شخصیت برباد ہوئی بعد میں تو وہ کسی قابل ہی نہیں رہی تھی۔ شکیب نے پھر کہا۔

''ایک بار پھر معذرت چاہتا ہوں میڈم' اصل میں لفظ آوارہ ہو جاتے ہیں' مقصد وہ نہیں ہوتا۔''

''شکریہ شکیب! میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی تم سے۔''

''چلیئے میڈم' اس کا مطلب ہے کہ شکیب کا کام ختم ہوا۔''

''کیا' بار بار کیوں یہ الفاظ کہہ رہے ہو' واپس جانا چاہتے ہو' اگر ایسی بات ہے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔''

''نہیں میڈم ایسی بات نہیں ہے' اب کون باقی رہ گیا۔؟''

''علی ضرغام' وہ جج جس کے پاس میرا مقدمہ منتقل کیا گیا اور جس نے بڑے آرام سے مجھے دس سال کی سزا سنادی' وہ ان لوگوں کا ساتھی تھا' چوہدری کرم داد کا اپنا ایک پینل ہے' جس میں ہر طرح کے لوگ موجود ہیں۔ اور وہ چوہدری کرم داد کے لیے سب کچھ کرتے ہیں پورا گروپ ہے' اس گروپ کا ایک فرد علی ضرغام بھی ہے۔ میں نہیں جانتی اس گروپ میں اور کون کون شامل ہے مجھے کسی اور سے کوئی غرض نہیں ہے توصیف اے شیخ نے مجھے کیسا دلاسہ دیا تھا میں سمجھی تھی' ایک فرشتہ آسمان سے اترا ہے میرے لیے مگر وہ 'بدرالدین' کا نمک خوار تھا' وہ بدرالدین کے ہاتھوں مارا گیا' اور بدرالدین' وہ اپنے آپ کو پتہ نہیں کیا چیز سمجھتا تھا' خیر چھوڑو اس تفصیل کو۔ علی ضرغام کا نام ذہن نشین کر لو' پورا کھیل تھا یہ' ایک معصوم خرگوش پکڑنے کے لیے لوہے کے جال بنائے گئے تھے' بڑا کمزور بڑا معصوم تھا وہ' مگر ______ شکیب تم نے میری مدد کرنی ہے' علی ضرغام کو بھی اس کے کیے کی سزا ملنی چاہیے' ابھی تو چوہدری کرم داد زندہ ہے وہ علی

ضرغام سے پتہ نہیں کتنی معصوم بے گناہ لڑکیوں کو سزائیں دلوائے گا' چوہدری کرم داد سے میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے کیونکہ وہ اس مسئلے میں براہ راست شریک نہیں تھا اور ساری دنیا کا میں نے ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہے' لیکن علی ضرغام' نہیں' شکیب اسے تو نہیں چھوڑ سکتی میں۔''

''تو پھر بتائیے میڈم مجھے کیا کرنا ہے۔؟''

''سوچتے ہیں شکیب سوچتے ہیں۔ ہمارا یہ کام تو بڑی خوش اسلوبی سے طے ہوا' اور بلاشبہ تم نے اس سلسلے میں ہاں یہ بتاؤ کہ کوئی مالی تصور تو تمہارے ذہن میں نہیں ہے۔''

''میڈم آپ یقین کیجئے پھر میرے الفاظ غلط نہ ہو جائیں' مجھے جو کچھ مل چکا ہے وہ بہت کافی ہے'' مزید یہ کہ میں آپ کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔''

''شکریہ شکیب! اب اس بارے میں سوچتے ہیں' تم بھی کام کرو' تم ایک ذہین انسان ہو اب تک میں نے یہی اندازہ لگایا ہے اور اب بھی یہی سوچ رہی ہوں کہ واقعی جیسے بھی سہی' لیکن تم جس طرح میرے مددگار بنے وہ بات قابل احترام ہے۔''

''شکریہ میڈم مجھے کچھ وقت دیجئے' میں آپ کو بہت جلد علی ضرغام کے بارے میں ساری تفصیلی رپورٹ پیش کروں گا۔''

ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ شکیب الہ دین کے چراغ کا جن تھا' بڑی عمدہ کارکردگی کا مالک' اکثر کئی بار خود شائل نے سوچا تھا کہ اگر شکیب اس کے سامنے زیر نہ ہوتا تو اسے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا جیل کی زندگی گزارنے کے بعد وہ باہر نکلی تھی اور عالیہ بیگم کے افکار و خیالات پر پوری طرح متفق تھی' کام بھی اسی انداز میں شروع کیا تھا اس نے' چنانچہ اب وہ ہر خطرہ مول لینے کو تیار رہتی تھی۔ مستقبل بنانے کا کوئی خیال اس کے دل میں نہیں تھا' بیٹا بڑے آرام سے پل رہا تھا' اس کے لیے سلطان نے بہترین بندوست کر دیا تھا' واقعی ایک بدترین وقت گزارنے کے بعد

قدرت نے اسے بڑی آسانیوں سے نواز دیا تھا' بہرحال شکیب نے رپورٹ پیش کی۔

''جی میڈم! وہ ایک اچھی اور پرسکون زندگی گزار رہا ہے' دو بیٹوں اور ایک بیٹے کا باپ ہے' بیوی بھی ہے' پرآسائش زندگی ہے اور وہی سب کچھ ہے جو ہو سکتا ہے یعنی بڑے آرام سے زندگی بسر کر رہا ہے' اور سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ پچھلے ہی مہینے اس کا تبادلہ لاہور ہو گیا ہے' یعنی اس وقت وہ لاہور میں ہے۔''

''گڈ' اچھی بات ہے یہ تو' ہمیں دقت نہیں ہوگی' مگر یہ بتاؤ کہ اس میں ہمارے کام کی بات کیا ہے۔؟''

''ایک۔'' شکیب نے کہا۔

''کیا مطلب۔؟''

''نام تو اس کا علی شہزاد ہے' لیکن لوگ اسے رومی کے نام سے جانتے ہیں۔''

''کس کی بات کر رہے ہو۔؟''

''علی ضرغام کا بیٹا' علی شہزاد' یہ ایک اوباش لڑکا ہے' باپ کی کمائی پر پل رہا ہے' کالج جاتا ہے لیکن سیر و سیاحت کے لیے' ڈسکو کلب اور زندگی کے ایسے ہی معاملات میں وقت گزار رہا ہے' ڈرنک وغیرہ بھی کرتا ہے' باپ نے ایک قیمتی کار دی ہوئی ہے' میرا تو جہاں تک خیال ہے میڈم' یہی لڑکا ہمارے کام کا ثابت ہو سکتا ہے۔''

شائل نے مسکراتے ہوئے انگوٹھا سیدھا کر دیا۔

''گڈ' بالکل ٹھیک کہتے ہو' کوئی منصوبہ ہے ذہن میں۔''

''میڈم یہاں آپ کو قدم آگے بڑھانا ہوگا' معافی چاہتا ہوں اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس سے دوستی کریں وہی کام کا ثابت ہو سکتا ہے۔''

''نہیں شکیب' افسوس ہے میں اپنے کردار پر کوئی ایسا دھبہ اب نہیں لگانا چاہتی کیونکہ میری پوری شخصیت ایک سفید چادر کی مانند میرے شوہر کی امانت ہے۔ وہ اگر چاہے تو اس چادر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے فضا میں اس کی چندیاں بکھیر دے' میں

کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتی‘ نوجوانی کی عمر اندھی ہوتی ہے‘ ایک وقت مجھ پر بھی ایسا گزرا تھا‘ لیکن اس وقت میرے خیالات دوسرے تھے اور اور ______ ’’ اچانک ہی وہ پھر چونک پڑی‘ یہ خواب اس کے ذہن پر اکثر مسلط ہو جاتے تھے‘ لیکن کسی کو ان خوابوں کا راز دار نہیں بنانا تھا‘ شکیب اس کی اس کیفیت سے کچھ بے خبر بے خبر سا تھا‘ یا پھر جان بوجھ کر اپنے آپ کو بے خبر ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ دو تین مرتبہ ڈانٹ کھا چکا تھا‘ سوچتا رہا پھر بولا۔

’’میڈم‘ پھر آپ یہ مرحلہ بھی شکیب پر ہی چھوڑ دیں۔‘‘

’’چھوڑ تو دوں گی شکیب‘ لیکن بات صرف ایک آدمی کی موت کی نہیں ہے میں اسے یہ احساس دلانا چاہتی ہوں کہ برائی کے نتیجے میں کیا ہوتا ہے‘‘

’’اس بار ہم اسے اچھی طرح یہ احساس دلا دیں گے میڈم‘ میں اب اپنا جال تیار کرتا ہوں‘ آپ کو اس سے باخبر رکھوں گا۔‘‘

’’شکریہ شکیب۔ اس کے لیے میں خاص طور سے تمہاری شکر گزار ہوں کہ تم میرے لیے محنت کر رہے ہو۔‘‘

’’میری ڈیوٹی ہے میرا فرض ہے میڈم۔‘‘ شکیب نے جواب دیا۔

شمائل کا ذہن خود بھی تانے بانے بن رہا تھا‘ جج علی ضرغام پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں تھا‘ اوّل تو وہ چوہدری کرم داد کا آدمی تھا‘ دوئم خود بھی ایک نامور شخصیت‘ جج کی حیثیت سے بھی اس کا ایک مقام تھا۔

ادھر شکیب بھی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا‘ شمائل اور وہ اکثر اپنی منتخب کردہ جگہ پر ملاقات کیا کرتے تھے۔ کئی دن کے بعد بالآخر شکیب نے شمائل سے رابطہ قائم کیا اور شمائل مطلوبہ جگہ پہنچ گئی‘ اس نے مسکراتی نگاہوں سے شکیب کو دیکھا اور بولی۔

’’لگتا ہے ابھی تک تم کوئی مؤثر منصوبہ نہیں تیار کر سکے۔‘‘

’’میڈم اس سلسلے میں جو سب سے بڑی مشکل پیش آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ

میری اطلاع کے مطابق چوہدری کرم داد محتاط ہو گیا ہے‘ اور یہ سوچنے لگا ہے کہ اس کے خاص خاص آدمی اس طرح موت کا شکار کیوں ہو رہے ہیں۔ خیر ایک منصوبہ بنایا ہے میں نے‘ لیکن میڈم اس میں طوالت کا خطرہ ہے۔‘‘

’’سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے شکیب‘ ویسے تو سوچتے سوچتے ہمیں کوئی نہ کوئی راستہ ضرور مل جائے گا‘ لیکن میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں یہ سارا کام اپنے شوہر کی واپسی سے پہلے نمٹا لینا چاہتی ہوں‘ اور اس کے بعد زندگی کا بقیہ حصہ صرف اس کے قدموں میں بسر کرنا چاہتی ہوں اس لیے شکیب براہ کرم میرا کام ادھورا نہ چھوڑو اور پھر میں وہی کہوں گی کہ ابھی تو میری زندگی کا سب سے بڑا مشن باقی ہے۔‘‘

’’میڈم! میں اپنے اس منصوبے پر کام شروع کیے دیتا ہوں‘ آپ براہ کرم غور کیجیے اور مجھے بتائیے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔‘‘ اس کے بعد شکیب شمائل کو اپنے منصوبے کی تفصیل بتانے لگا اور شمائل کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ بہت دیر تک دونوں خاموش رہے‘ پھر شمائل نے کہا۔

’’یہ بہت سنگین صورت حال ہو جائے گی اور اس میں کوئی لغزش خود تمہارے لیے بھی مصیبت بن سکتی ہے اور میرے لیے بھی۔‘‘

’’میڈم‘ رسک لیے بغیر تو دنیا کا کوئی کام ہوتا ہی نہیں ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے بسم اللہ کرو‘ چوہدری کرم داد سے محتاط رہنا بہت ضروری ہے۔‘‘

شکیب کو اس منصوبے کی منظوری مل گئی‘ بہت باصلاحیت آدمی تھا چنانچہ اس نے اپنے کام کا آغاز کر دیا‘ سب سے پہلے اس نے علی شہزاد سے دوستی گانٹھی‘ ایک اوباش آدمی سے اوباشی کا سہارا لے کر دوستی کر لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا‘ تھوڑی ہی ملاقاتوں میں شکیب نے اسے شیشے میں اتار لیا اور اس طرح کہ وہ باقاعدہ اس کے گھر آنے جانے لگا‘ دوسرے عمل کے طور پر شکیب نے ایک پڑوسی ملک کے سفارت کار پر جال ڈالا۔ یہ بھی اس کے منصوبے کا ایک حصہ تھا‘ شکیب نے اس سفارت کار سے فون

پر رابطہ قائم کیا تھا‘ وہ جانتا تھا کہ اسے یہ کام کس طرح کرنا ہے‘ اس نے سفارت کار کو بتایا کہ ایک اہم ملکی منصوبے کے بارے میں اس کے پاس تفصیلی رپورٹ موجود ہے‘ اگر وہ چاہے تو بہت ہی مناسب معاوضے کے تحت یہ تفصیلات اسے فراہم کی جا سکتی ہیں۔ سفارت کار نے اپنے طور پر چھان بین کی اور اس کے بعد منصوبے کے تحت ایک تہوار پر سفارت کار کی طرف سے علی شہزاد کو دعوت دے دی گئی۔ یہ ایک غیر مذہبی تہوار تھا اور شکیب نے علی شہزاد کے نام سے ہی سفارت کار سے رابطہ قائم کیا۔ ادھر اس نے علی شہزاد کو تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ اعلیٰ پیمانے پر دوستیوں کا دائرہ بڑھانے کے لیے غیر ملکیوں سے رابطہ کرنا بھی ضروری ہے۔ علی شہزاد جو شکیب کی ماہرانہ کوششوں سے اس کا بہت اچھا دوست بن گیا تھا تیار ہو گیا اور پہلی بار ان دونوں نے اس تقریب میں شرکت کی جو بے مثال تھی اور اسے بے مثال بنانے کے لیے سفارت کار نے بہت محنت کی تھی۔ خوبصورت لڑکیوں کا مجمع جس نے علی شہزاد کی بہت پذیرائی کی اور علی شہزاد نہال ہو گیا۔ سفارت کار کی اور اس کی دوستی ہو گئی‘ خود جج علی ضرغام کو اس بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا‘ وہ تو اس وقت حیران ہوا جب اسے ایک بہت ہی خفیہ کاغذ موصول ہوا‘ یہ ایک دعوت نامہ تھا جس میں علی ضرغام کو اس سفارت خانے کی طرف سے دعوت دی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ جو منصوبہ علی ضرغام نے ان کے سامنے پیش کیا ہے اس کے بارے میں اب وقت آ گیا ہے کہ بالمشافہ تفصیلی ملاقات کی جائے۔ علی ضرغام ششدر رہ گیا تھا‘ پھر دوسرے ہی دن اسے دوسرا لفافہ موصول ہوا جس میں اس جگہ کا تعین کیا گیا تھا جہاں یہ ملاقات کرنی تھی‘ علی ضرغام کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ قصہ کیا ہے‘ تیسرے اور چوتھے لفافے نے تو اسے بالکل ہی دیوانہ کر دیا‘ اس میں باقی تمام معاملات طے کیے گئے تھے اور پھر وہ دوسرے تمام کام چھوڑ کر اس طرف متوجہ ہو گیا‘ پہلے تو اس نے سوچا کہ اس بارے میں پولیس کی مدد لے‘ لیکن جو پیشکش اسے کی گئی تھیں وہ ان کا راز جاننا چاہتا تھا۔ ایک بار یہ تصور بھی ذہن

میں آیا تھا کہ ذرا معلوم تو کیا جائے کہ ان لوگوں کو اس بات کا شبہ کیسے ہوا کہ وہ کوئی اہم ملکی راز ان کے حوالے کر سکتا ہے۔ ملاقات کا وقت طے کر لیا گیا تھا‘ چنانچہ علی ضرغام خاموشی سے اس خفیہ جگہ پہنچ گیا‘ لیکن وہاں پولیس کے انتہائی خفیہ سیل کے ارکان موجود تھے جو پوری منصوبہ بندی کی مانیٹرنگ کر رہے تھے‘ شکیب نے معمولی بندوبست نہیں کیا تھا‘ اس خفیہ اور پر اسراری جگہ تین نقاب پوشوں کو دیکھا گیا جو کسی ایسے ارادے سے وہاں آئے تھے جس سے یہ ظاہر ہو کہ واقعی وہاں کوئی ایسا ہی لین دین ہونے والا ہے‘ لیکن بس ایک جھلک دکھا کر وہ روپوش ہو گئے تھے اور اس کے بعد کا کام علی ضرغام کا تھا جو اپنی کار سے وہاں پہنچا تھا‘ اور اس کے بعد پولیس نے ریڈ کر کے اسے گرفتار کر لیا تھا۔ علی ضرغام کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ قانون سے اچھی طرح واقف تھا‘ اسے رنگے ہاتھوں گرفتار کیا گیا تھا‘ لیکن انتہائی تلاش کے باوجود وہ تینوں نقاب پوش پولیس کے ہاتھ نہ لگ سکے۔ البتہ علی ضرغام پر پوری طرح قابو پا لیا گیا تھا‘ پھر باقی کارروائیاں اس کے گلے میں پھانسی کا پھندہ آسانی سے فٹ کرنے کا باعث بن گئیں۔ مثلاً وہ چاروں خطوط جو علی ضرغام کے پاس سے برآمد ہوئے تھے‘ ان میں جو تفصیلات موجود تھیں اس کے بعد علی ضرغام کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہ رہا۔

ایک تہلکہ مچ گیا۔ اخبارات سے اس خبر کو خفیہ رکھا گیا تھا‘ لیکن چوہدری کرم داد نے اس بارے میں معلومات ضرور حاصل کی تھیں‘ اس کے اپنے شاندار وسائل کی بناء پر اسے ساری تفصیلات حاصل ہو گئیں اور چوہدری نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

’’او بھائی‘ تم سب پر کروڑ پتی بننے کا بھوت سوار ہو گیا ہے‘ اور اب میں کیا کر سکتا ہوں تیرے لیے‘ وہ راؤ بدرالدین بھی میری زمینیں بیچ کر میرے گلے میں پھانسی کا پھندہ فٹ کرنے جا رہا تھا‘ توصیف‘ راؤ بدرالدین کے ہاتھوں مارا گیا اور

بھائی تو' اب ان ساری کاروائیوں میں بھلا اس بات کی کیا گنجائش رہی ہے کہ کوئی شبے والی بات ہو' تو نے بھی دولت کے لالچ میں اتنا بڑا کام کر ڈالا۔ اومیاں دولت تو سبھی کمانا چاہتے ہیں مگر اینٹی اسٹیٹ ہو کر اس طرح دولت حاصل کرنا توبہ بھئی توبہ' معافی چاہتا ہوں بھائی' اس مسئلے میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا کیونکہ اس طرح خود میری اپنی پوزیشن خراب ہو جائے گی' اور مجھ پر بھی شک کیا جائے گا' افسر اعلیٰ صاحب ٹھیک ہے یہ میرا آدمی ہے' میرے لیے بہت کام کیا ہے اس نے۔ لیکن میں کسی ملک دشمن کو کوئی تحفظ نہیں دے سکتا۔'' چوہدری کرم داد نے صاف صاف انکار کر دیا۔

جج علی ضرغام گردن گردن تک دلدل میں پھنس گیا تھا' جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میں اسے اپنے ماضی کے سارے گناہ یاد آ رہے تھے' لیکن کوئی ایک گناہ تو تھا نہیں جسے یاد کر کے وہ توبہ تلہ کر لیتا' زندگی ہی ایسے گزری تھی اور اس بات کا بھی اسے دکھ تھا کہ لوگ کس طرح درمیان میں ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ چوہدری کرم داد کے اشارے پر اس نے نجانے کتنے بے گناہوں کو زندگی سے دور کر دیا تھا اور اب کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں تھا' گھر تباہ ہو کر رہ گیا تھا' جتنی پُر عیش زندگی گزار رہا تھا وہ ختم ہو گئی تھی' یہ ساری رپورٹیں شمائل کو بھی مل رہی تھیں اور اس کے دل میں ٹھنڈک اتر رہی تھی۔ وہ یاس بھرے لہجے میں جب وہ آس بھری نگاہوں سے ایک ایک کو دیکھ رہی تھی' توصیف اے شیخ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ جج علی ضرغام اس کے لیے مسیحا ثابت ہو گا اور اس مسیحا نے اسے زندگی کے دس سال جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہنے کی سزا دے دی تھی۔ ہکا بکا رہ گئی تھی وہ۔ پھر اس نے شکیب کی مدد سے اس وکیل تک رسائی حاصل کر لی جسے شکیب نے جیل میں علی ضرغام سے ملاقات کے لیے تیار کر لیا تھا۔ ایک وکیل اس طرح کے ملک دشمن مجرم سے بہر حال ملاقات کر سکتا تھا۔ البتہ شمائل نے بھی اس دن وکیل کے اسسٹنٹ کی حیثیت سے کالا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ شکیب نے وکیل کو کچھ تفصیلات سمجھا دی تھیں' چنانچہ جب علی ضرغام کو کال کوٹھری سے نکال کر ملاقات کی

سلاخوں کے پیچھے لایا گیا تو وکیل نجم شیراز' شمائل کو آگے چھوڑ کر خود پیچھے ہٹ گیا۔ یہی کام اسے کرنا تھا اور اسی کے لیے اسے یہاں تک لایا گیا تھا۔ وہ خود تو پیچھے ہٹ گیا اور شمائل آگے بڑھ کر سلاخوں والے کمرے کے سامنے پہنچ گئی۔ علی ضرغام عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یادداشت کے مٹے مٹے نقوش اس کے ذہن کے پردوں پر آ رہے تھے۔

''ہیلو جج صاحب!'' شمائل نے جادو بھری مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہیلو۔ تم وکیل ہو۔؟''

''کالا کوٹ کیا نشاندہی کرتا ہے۔؟''

''میں نے تم سے پہلے کہاں ملاقات کی ہے۔ شاید تم کبھی میری عدالت میں آئی ہو گی۔

''جی جج صاحب' میں آپ کی عدالت میں آئی تھی اور اس وقت آپ کے لیے ایک مسرت بھرا پیغام لائی ہوں۔''

''میرے لیے مسرت بھرا پیغام۔'' علی ضرغام کا دل دھڑک اُٹھا۔ نجانے کیوں اسے ایک مدہم سے روشنی اپنے دفاع کے کسی گوشے میں ٹمٹماتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''دیکھئے وکیل صاحبہ' آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں براہ کرم ذرا صاف صاف اور وضاحت کے ساتھ کہیئے' آپ جانتی ہیں مجھ جیسے شخص کے لیے آپ کے یہ الفاظ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ میں خوابوں میں کھو سکتا ہوں اور وکیل صاحبہ پتہ نہیں آپ نے عمر کا کتنا تجربہ حاصل کیا ہے جو شخص زندگی سے موت کی طرف جا رہا ہو' اس کے لیے آس اور تسلی بھرا ایک جملہ ہی بہت ہوتا ہے' نجانے کیسے کیسے خواب بن لیتا ہے وہ۔؟''

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے جج صاحب' واقعی ایسے موقع پر انسان کی کیفیت یہی ہو جاتی ہے اور آپ۔ آپ سے زیادہ قانون کو اور کون جان سکتا ہے۔''

"تم اِدھر اُدھر کی باتیں مت کرو مجھے یہ بتاؤ کہ تم میرے لیے کیا کر سکتی ہو' کیا کوئی ایسا نکتہ نکالا گیا ہے میرے سلسلے میں۔؟"

"جی جج صاحب۔ ہے ایک ایسا نکتہ۔"

"کیا کیا' خدا کے لیے خدا کے لیے مجھے جلدی بتاؤ' میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی ہیں۔"

"آپ نے اعتراف کرلیا ہے اپنے جرم کا۔؟"

"جن لوگوں نے میرے خلاف جال بنا ہے انہوں نے اس کی گنجائش نہیں چھوڑی' بے شک میں نے اعتراف نہیں کیا ہے' اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی' کیونکہ سارے حالات میرے خلاف تھے۔ میں موقعے پر اس جگہ گرفتار کیا گیا جہاں ان دستاویزات کا لین دین ہونے والا تھا' اس کی بھی کمبخت گنجائش نہیں نکل سکی' حالانکہ میں نے کہا تھا کہ میرے پاس ایسی کوئی دستاویز نہیں ہے' میں ہوا کا سودا تو کرنے نہیں آیا لیکن جو خطوط مجھے ملے تھے اور جنہیں بدقسمتی سے میں نے ضائع نہیں کیا' بلکہ ان کے بارے میں تفتیش کرنے چلا آیا بس وہی میرے۔ لیے موت کا پھندہ بن گئے۔"

"آپ آخری وقت میں ان سے یہ اعتراف کر لیجئے جج صاحب کہ واقعی آپ نے ملک دشمنی کی ہے اور آپ کا مختلف ملکوں سے رابطہ رہا ہے جنہیں آپ ملکی راز فروخت کرتے رہے ہیں۔"

"کیا۔؟" جج علی ضرغام کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا' ایک لمحے تک وہ سوچتا رہا پھر اس نے غصیلی نگاہوں سے شمائل کو دیکھا اور بولا۔

"کیا تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو' تم وکیل ہو بھی یا نہیں۔؟"

"اب ذرا غور سے مجھے دیکھئے جج صاحب' ایک معصوم اور مظلوم لڑکی جس کی ماں کو راؤ بدرالدین نے اس کی معمولی سی زمینوں پر قبضہ کر کے اسے خودکشی پر مجبور کر دیا تھا' اس کی بیٹی فریاد لے کر راؤ بدرالدین کے پاس گئی اور اس سے کہا کہ اس کی ماں کی

شخصیت پر سے یہ داغ ہٹا دے' تو راؤ بدرالدین نے اس کی آبرو پر حملہ کیا اور اس نے راؤ بدرالدین کو زخمی کر کے بھاگنے کی کوشش کی' لیکن اسے گرفتار کرلیا گیا جج صاحب' اور پھر چوہدری کرم داد نے اپنے آدمیوں کی داد رسی شروع کر دی' میرے پاس توصیف اے شیخ کو اسی طرح بھیجا گیا جس طرح میں آج آپ کے پاس آئی ہوں' اس نے کہا کہ میرا مقدمہ اگر میری گزارش پر جج علی ضرغام کے پاس ٹرانسفر کر دیا جائے تو میری بچت ہوسکتی ہے' میں جو آپ ہی کی طرح آس بھری تھی اور ہر ایک کی طرف امید بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی فوراً تیار ہوگئی۔ میں نے وہی سب کچھ کیا جو توصیف اے شیخ نے مجھ سے کہا تھا' میرا مقدمہ آپ کے پاس پہنچا دیا گیا اور آپ چوہدری کرم داد کے خاص آدمی تھے اور خاص آدمی نے خاص آدمی کے لیے کام شروع کر کے مجھے باآسانی دس سال کی سزا دلوادی' حالانکہ اگر میری سماعتیں دوسرے جج کے سامنے ہوئی ہوتیں تو اس بات کے امکانات تھے کہ میری سزا ہی میں کمی ہوجاتی یا میں بری بھی ہوجاتی' اگر جج صاحب میں بری ہوجاتی تو آپ یقین کیجئے میری ساری زندگی میرے لیے ایک سنہرا زیور بن جاتی' بہت اچھی زندگی گزار سکتی تھی میں جج صاحب' مگر آپ نے مجھے دس سال کی سزا سنادی' اب آگے کی کہانی بیکار ہے جج صاحب' ہاں اتنا ضرور بتاؤں گی میں آپ کو کہ اس کے بعد میرا دوسرا شروع ہوا' کیسے شروع ہوا آپ اس بات کو جانے دیں' مرنے کے بعد بھی سوچنے کے لیے آپ کے پاس کچھ نکتے رہیں گے کہ آخر یہ سب ہوا کیسے' بہرحال میں نے اپنے کھیل کا آغاز کیا۔ راؤ بدرالدین نے چوہدری کرم داد کی زمینوں کو فروخت کرنے کی کارروائی کی' یہ کارروائی میرے ہی اشارے پر ہوئی تھی' یعنی میں نے اس طرح کے کام تیار کیے جس سے چوہدری کرم داد کو یہ معلوم ہو کہ راؤ بدرالدین نے اس کی زمینیں فروخت کر دی ہیں اور ان کی رقم لے کر ملک سے باہر فرار ہونے والا ہے' راؤ بدرالدین حیران رہ گیا تھا۔ توصیف اے شیخ کی حیثیت سے میرے ایک آدمی نے راؤ بدرالدین سے بات

کی اور کہا کہ زمینوں کی رقم وہ تنہا اڑانے کی فکر میں تھا اس میں توصیف کا حصہ نہیں لگایا گیا تھا اس لیے توصیف نے اس کا تمام کچا چٹھا کھول دیا' راؤ بدرالدین دیوانہ ہو کر توصیف پر چڑھ دوڑا اور اس نے توصیف کو ختم کر دیا' اس طرح میرا پہلا دشمن جس نے مجھے زندگی کا لالچ دے کر موت کے حوالے کیا تھا میرا شکار بنا' اس کے بعد میرا کام مسلسل جاری رہا اور چوہدری کرم داد کے آدمیوں نے یا خود چوہدری کرم داد نے راؤ بدرالدین کو کتے کی موت مار دیا' یہ میرا دوسرا شکار تھا' میرا تیسرا شکار آپ تھے جج علی ضرغام! کیونکہ آپ اس تھیلی کے چٹے بٹوں میں سے ایک تھے' آپ نے ایک معمولی سی ہستی کو آزادی سے محروم کرنے کے لیے اپنا فرض سرانجام دیا تھا یہ سوچے سمجھے بغیر کہ سامنے والی ہستی کس قدر کمزور ہے یا وہ زندگی کی کونسی منزل میں ہے۔ پٹیاں باندھ لیتے ہیں آپ لوگ جرم کرتے ہوئے اپنی آنکھوں پر' یہ بھی نہیں دیکھتے کہ کسی نے ابھی زندگی کا آغاز ہی کیا ہے کہ آپ نے اس سے زندگی چھین لی اور اس کے بعد جج علی ضرغام صاحب' میں نے آپ کے لیے کام شروع کیا' وہ تو اتفاق کی بات ہے کہ آپ کا بیٹا علی شہزاد اس جال میں براہ راست شامل نہیں کیا گیا' میرا تو ارادہ تھا کہ اسے بھی آپ کی نگاہوں کے سامنے ختم کرا دوں' لیکن تھوڑا سا منصوبہ تبدیل کر دیا گیا اور آپ ہی کو تنہا شکار بنایا گیا۔ علی ضرغام صاحب' یہ تفصیل سنانے کے لیے میں تڑپ رہی تھی اور بڑی مشکل سے میں نے یہاں تک رسائی حاصل کی ہے' امید اب آپ موت کو خوشی سے گلے لگا لیں گے چونکہ یہ آپ کے گناہوں کا صلہ ہے' او کے۔'' شائل نے کہا اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا اور آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی کہ جج نے ایک بار اس کی آنکھوں میں دیکھا تو اس کے دفاع کو شدید جھٹکا لگا' اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن نہ بول سکا' شائل پُر وقار قدموں سے چلتی ہوئی کمرۂ ملاقات سے باہر نکل آئی تھی۔ علی ضرغام نے ایک بار ہاتھ اٹھا کر اسے روکنا چاہا' اسے آواز دینا چاہی' لیکن اس کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔

سادگی پہ مرنا فطرت ہے یہ میری

میرے لئے خود کو رسوا نہ کرو

وہ واپس اپنے گھر آ گئی' علی ضرغام کا یاس بھرا چہرہ بار بار اس کی نگاہوں کے سامنے آ رہا تھا اور اس کے اندر ایک عجیب سا طوفان امنڈ رہا تھا' کہاں سے آغاز ہوا' ماں سے اجازت لے کر گئی تھی کہ ملازمت بھی کرے گی اور اپنا حسین مستقبل تلاش کرے گی' ماں نے اسے کچھ الفاظ کا تحفہ دیا تھا' اس سے کہا تھا کہ شائل بیٹے' کچھ اقدار زندگی کا حصہ ہوتی ہیں' اپنے آپ کو اس طرح کسی کی تحویل میں مت دے دینا کہ وہ تمہیں نرم چارہ سمجھ کر کھا جائے' اپنے مقام کو کبھی مت کھونا' ہاں زندگی میں لچک ضرور ہوتی ہے' اگر تم یہ دیکھو کہ زندگی بلکہ بہتر زندگی کے حصول کے لیے کہیں خم کھانا پڑتا ہے تو خم کھانا ہی زندگی ہے۔ شائل بڑے اعتماد کے ساتھ گھر چھوڑ کر آئی تھی اور بڑے ہی اعتماد کے ساتھ اس نے اپنی منزل کی تلاش کی تھی' آفاق حیدر کا معاملہ کچھ بھی ہوا تھا' ایک بات وہ اب بھی پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتی تھی کہ آفاق اس سے منحرف نہ ہوتا اگر اسے آسانی سے وہ راستے حاصل ہو جاتے جہاں سے وہ اپنی زندگی میں شامل کر سکتا' آفاق کے والدین بے شک مختلف طبیعت کے مالک تھے' لیکن آفاق شاید ان سے ٹکرا لیتا۔ ہاں جب ایک بدترین دور نے اسے اپنے جال میں جکڑ لیا تو آفاق بھی اس کی مدد نہ کر سکا اور اس نے اپنے والدین سے تعاون کیا' لیکن شائل کو اس سے اختلاف تھا' محبت کی منزل میں بات اس قدر آگے بڑھ گئی تھی کہ آفاق کو اسے اس

طرح تنہا نہیں چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ کمبخت نے خبر بھی نہ لی' یہ دیکھا تک نہیں کہ کن حالات سے گزر رہی ہے' وہ بے شک ایک سنجیدہ انسان تھا' اس نے اپنی محبت کا اظہار بھی سنجیدگی سے ہی کیا تھا' لیکن اس میں ایک ٹھوس یقین دلانے والی بات تھی۔ اس نے کہا تھا۔

''میں کوئی فلمی شخصیت نہیں ہوں' اور نہ میں زندگی کو ایک ڈرامہ سمجھتا ہوں' میں نے بہت غور کر کے تمہیں اپنانے کا فیصلہ کیا ہے شائل اور مجھے یقین ہے کہ مخالفتوں کے سارے پہاڑ ڈھا دوں گا میں' مناسب ہوگا کہ تم مجھ پر اعتبار کرلو۔'' اور شائل نے اس پر اعتبار مناسب سمجھا تھا' لیکن وہ اعتبار مناسب نہ نکلا' یہ تو کوئی بات نہ ہوئی' کسی کو اگر اس قدر اعتماد دلا دیا جائے اور وہ کسی شدید بیماری کا شکار ہو جائے تو یہ کہہ کر تو اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا کہ ہمیں اس بیماری کے ہو جانے کا علم نہیں تھا' حادثے تو اسی طرح ہوتے ہیں اور پھر کس کس طرح دنیا نے اسے رلایا۔ راؤ بدرالدین' پہلے قدم پر ہی اسے سہارا مل سکتا تھا۔ اور پھر بھیڑیوں کا پورا غول' توصیف اے شیخ' علی ضرغام' ختم ہی ہوگئی تھی زندگی۔ لیکن بہت سی بیماریوں کا علاج قدرت اپنے ہاتھوں سے کرتی ہے۔ علی ضرغام نے بھی تو اس کے خلاف فیصلہ دیا تھا' بہر حال علی ضرغام کو وطن دشمن قرار دیا گیا اور اسے سزائے موت ہوگئی' اس کی تفصیلات بھی اخبار میں آگئیں۔ ابتدائی طور پر ذرا سا تردد ہوا تھا شائل کو اور وہ جذباتی ہوئی تھی' لیکن یہ ہونا چاہیے تھا' پھر اچانک سلطان واپس آ گیا۔

وہ زندگی کے معمولات میں گم ہوگئی تھی کہ ایک صبح سلطان اچانک نمودار ہوگیا' اسی نے اسے سوتے سے جگایا تھا۔ شائل نے سلطان کا چہرہ دیکھا' ہنستا مسکراتا' صحت و توانائی سے بھرپور' غیر ممالک کی سیاحت کی سرخی لیے ہوئے' وہ حیران رہ گئی۔ اس طرح گردن جھٹک کر اسے دیکھنے لگی جیسے اس خواب سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہو' سلطان احمد نے اس کی اس کیفیت کو بھانپ لیا اور مسکرا کر بولا۔

''دل تو سب کا ہی چاہتا ہے کہ کوئی اسے اسی طرح محسوس کرے' نوجوانی کی عمر میں محبت کرنے والوں کو ایسے خواب نظر آتے ہیں' لیکن محترمہ' اب ہم خوابوں کے مسافر والی عمر تو نہیں رکھتے' پھر بھی اگر آپ ہمیں یہ مقام دے رہی ہیں تو شکریہ ادا کر سکتے ہیں' جواب میں یہ تو نہیں کر سکتے کہ یہاں زمین پر لیٹ جائیں اور آپ کو بھی اسی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگیں۔''

وہ جلدی سے اٹھ گئی' بڑا احترام تھا اس کے انداز میں' بڑے پیار سے اس نے سلطان کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

''آپ آگئے۔''

''واقعی آگئے ہیں۔ آنکھیں کھول لیجیے اس طرح خوابناک ہو رہی ہیں کہ ہمارا ان آنکھوں میں ہی سو جانے کو جی چاہتا ہے۔''

وہ ہنس پڑی اور اس نے اپنا رخسار سلطان کے سینے سے لگا دیا۔ بعض اوقات ایک ہلکی سی جنبش اس قدر قیمتی ہوتی ہے کہ کائنات کے سارے خزانے اس پر نچھاور کیے جاسکتے ہیں۔ جو محبت اور جو پیار غیر اختیاری طور پر شائل کے اندر پیدا ہوا تھا سلطان کی اس اچانک آمد سے' سلطان نے اسے اچھی طرح محسوس کیا تھا اور سب سے بڑی بات یہی ہوتی ہے کہ دل میں پیدا ہونے والے کسی جذبے کو سمجھ لیا جائے اور اسے وہ مقام دے دیا جائے جو اس جذبے کا مقام ہوتا ہے۔ سلطان نے اس کے رخسار کے دوسری طرف ہاتھ رکھ دیا اور دیر تک اس کا سر سینے سے لگائے رہا۔

''سرپرائز رہا نا ہماری طرف سے۔''

''واقعی سلطان' میں تو آپ کی واپسی کچھ عرصے کے بعد متوقع کر رہی تھی۔''

''ہاں۔ ملازم سے چائے کے لیے کہہ کر آئے ہیں' آپ کو وقت سے پہلے اٹھا دینے کے لیے معذرت' بیٹھیے آج بیڈ ٹی نہیں ہوگی۔''

''آپ کے آنے سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے' میں نہیں جانتی تھی کہ رات کو

سونے کے بعد صبح کا انعام مجھے اس طرح ملے گا۔"

"وہ بس ہم نے آپ کو تفصیل تو بتائی تھی نا' پروگرام تو ہمارا تین مہینے کا تھا نہیں بلکہ ہے' درمیان میں یہ بریک سمجھ لیجئے' کچھ اس طرح کے حالات پیش آ گئے کہ ایک آدھ ہفتے کے لیے وطن واپسی ضروری ہوگئی۔ بس ایک ہفتے کے بعد یا زیادہ سے زیادہ پندرہ کے بعد چل پڑیں گے۔ دوسری طرف سے جو بھی اطلاع ملے' بس اس کے بعد ہی جانا ہوگا۔"

"اور یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔؟"

"نہیں وہی تین مہینے' اور اس کے بعد اگر آپ کہیں گی تو ہم انکار کر دیں گے اس بات سے کہ ہم اپنی محترمہ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتے اچھا اب یہ بتایئے وہ حضرت کیسے ہیں۔؟"

"نیل۔؟"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے' کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"ہوں۔" ملازمہ نے اسی وقت چائے لا کر رکھ دی تھی' دونوں چائے پینے لگے' پھر سلطان نے کہا۔

"اب اٹھیئے اور سامان ادھر منگوایئے' ہم آپ کے لیے کچھ لائے ہیں' بھئی ظاہر ہے آپ کے علاوہ ہماری زندگی میں اب اور کیا ہے۔"

سلطان نے اپنے سامان سے اتنے تحائف نکال کر اسے دکھائے کہ وہ حیران رہ گئی' طبیعت پر ایک ٹھہراؤ تھا' نوخیز کی عمر تو نکل چکی تھی' یا پھر حالات نے اس عمر میں داخل ہی نہیں ہونے دیا تھا' لیکن پھر بھی اس نے ایک ایک چیز کو دیکھ کر بچوں کی طرح خوشی کا اظہار کیا۔ اور یہی سب کچھ جوابی عمل ہوتا ہے جو انسان کے ذہن کو اس احساس تک پہنچا دے کہ اس کی مکمل پذیرائی ہوئی ہے۔ واقعی شمائل کو سلطان کی اس

طرح اچانک آمد پر بہت خوشی ہوئی تھی۔ ماضی میں آفاق حیدر اس کے ذہن میں رہا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ایک عورت کی حیثیت سے اس نے جو لمحے آفاق حیدر کے ساتھ گزارے تھے وہ انہیں کبھی فراموش نہیں کر سکتی تھی' یہ الگ بات ہے کہ اب وہ لمحات اسے نفرت محسوس ہوتے تھے' اپنی حیات کا ایک ایسا گناہ جو اس کے دل کے ایک بڑے حصے کو داغدار کر چکا تھا۔ شرم آتی تھی اسے اپنی سوچ پر' اپنے عمل پر' کاش ایک احمقانہ سوچ کو وہ خود پر مسلط نہ ہونے دیتی' لیکن ناتجربے کاری کی عمر یہی ہوتی ہے' اگر اس عمر میں صحیح فیصلے ہو جائیں تو زندگی انتہاء تک سنہری ہو جاتی ہے' ایک تھوڑی سی لغزش ساری زندگی کو تاریک کر دیتی ہے' یہ الگ بات ہے کہ کچھ منور چہرے ہر احساس کو سمیٹ لیتے ہیں لیکن ضمیر کے داغ برداشت کرنا بے حد مشکل کام ہے اور یہی کام اگر کسی نے کر لیا تو بس' اور اب سلطان نے اس طرح اس کے دل کو جیتا تھا کہ اس کا رواں رواں سلطان کا احسان مند تھا۔

زندگی کے دس سال جیل میں گزرتے زندگی باقی رہتی بھی یا نہ رہتی کون جانتا تھا کیونکہ وہاں جو کچھ دیکھا تھا اور جو حالات پیدا ہوئے تھے وہ آج بھی بدن کی لرزش بن جاتے تھے' تقدیر کا عطیہ تو تھا ہی لیکن سلطان کی محبت نے اور بھی بہت کچھ کیا تھا' ورنہ اتنی پُرسکون زندگی بھلا کہاں ممکن تھی اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اسے اپنے مقصد میں کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی' سلطان نے کہا۔

"میرے پاس ابھی کچھ دن ہیں کیا خیال ہے کیوں نہ تھوڑی سی پہاڑی علاقوں کی سیر و سیاحت کی جائے۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔" اس نے خوشی سے سلطان کی بات مان لی اور سلطان اسے لے کر چل پڑا۔ پہاڑی علاقوں کے خوبصورت مناظر' سلطان کی شاندار ڈرائیونگ' حسین تنہائیاں' شمائل کو یوں لگا جیسے اس کا پہلا فیصلہ غلط تھا۔ آفاق حیدر جیسے کاروباری آدمی کے ساتھ شاید زندگی اتنی حسین نہ گزرتی' سلطان تو بہت رومینٹک

ہے'اس نے خود ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''دیکھو جان! اگر ہم عمر کی لکیر کو پیٹیں تو کچھ حاصل نہیں ہوگا' اصل چیز دل کی خوشی ہے اور خوشی کی کوئی عمر نہیں ہوتی' تم یہ نہ سمجھنا کہ میں ایک عمر رسیدہ آدمی ہوں' اور وہ جذبے میرے سینے میں نہیں ہیں جو نوخیزی کی عمر ہوتے ہیں۔''

''یہ خیال آپ کے دل میں کیسے آیا۔ کیا میرے کسی عمل سے' اگر ایسی بات ہے تو واقعی میں خود اپنے لیے ناقابل معافی ہوں' میں نہیں سمجھ پا رہی کہ آپ نے یہ کیوں سوچا سلطان' کون کہتا ہے کہ آپ عمر رسیدہ ہیں۔؟''

''نہیں مقصد یہ نہیں ہے' اور نہ ہی تمہاری طرف سے ایسا کوئی اظہار ہوا ہے' بھئی بلاوجہ مجھے گنہگار مت کرو' بھلا اس کا کیا سوال ہے' میں نے تو اپنی سوچ بتائی تھی۔''

''نہیں سلطان' آپ مجھ سے جتنی بڑی قسم چاہیں لے لیں' ماں میرے لیے کائنات کی عظیم شئے تھی اور اگر مجھے سولی پر بھی لٹکا دیا جائے تو ماں کی قسم غلط نہیں کھاؤں گی' میں ماں کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تمہارے ساتھ میری زندگی کا ایک ایک لمحہ اتنا خوشگوار گزر رہا ہے کہ مجھے خوف محسوس ہوتا ہے کہ کہیں کسی مرحلے پر میری آنکھ نہ کھل جائے۔''

''نہیں کھلے گی' کبھی نہیں کھلے گی۔'' سلطان نے ہنستے ہوئے کہا۔

خوب سیر و سیاحت کی گئی' آخر کار واپسی ہوئی' سلطان کو طلب کر لیا گیا تھا دو دن تک وہ میٹنگ میں رہا' تیسرے دن جب واپس آیا تو اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

''بڑی مصروفیت رہی میں نے موبائل پر رنگ کیا تھا' لیکن وہ بھی بند تھا۔''

''میری مصروفیت کی اطلاع تو آپ کو مل ہی گئی ہو گی شمائل۔''

''ہاں' آپ کے سیکریٹری نے کہا تھا کہ آپ دن رات مصروف ہیں' کیا ہوا' کیا جانے کیا فیصلہ ہو گیا۔؟''

''اور بھی بہت کچھ ہو گیا۔''

''کیا۔؟''

''مجھے بینکنگ کونسل کا چیئرمین بنا دیا گیا ہے' اب مجھے یہ عہدہ بھی اپنے پاس رکھنا ہوگا۔ اس کے علاوہ کچھ ہی دن کے بعد میں پھر دورے پر روانہ ہو جاؤں گا' لیکن بات وہی صرف تین مہینوں کی ہو گی' یعنی مجھے تین مہینے مکمل کرنا پڑیں گے' اب تو اس عہدے پر بھی کام کرنا ہوگا' البتہ یہ ممکن ہے کہ ابھی دورے پر روانگی میں کچھ وقت لگ جائے۔''

''سلطان میں آپ کو دلی مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عزت اور شہرت کی ایسی منزل پر لے جائے کہ لوگ آپ پر رشک کریں۔''

''ابھی تو ایک اور سرپرائز ہے آپ کے لیے۔'' سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''مجھے اجازت دی گئی تھی کہ چونکہ میرے پاس دو عہدے ہو چکے ہیں اس لیے میں نے اپنے لیے ایک ایسے معاون کو مقرر کر سکتا ہوں جو میرے ساتھ مل کر بینکنگ کونسل کے امور کو سنبھال سکے اور محترمہ اس کے لیے میں نے آپ کا نام پیش کر دیا اور کہا کہ وائس چیئر پرسن میری مرضی سے اپائنٹ ہوگا۔ آپ کے کوائف میں نے پیش کیے اور انہیں منظور کر لیا گیا چنانچہ آپ کو مبارک ہو کہ آپ بینکنگ کونسل کی وائس چیئر پرسن منتخب ہو چکی ہیں اور آپ کو میرے ساتھ اس عہدے پر کام کرنا ہوگا۔ شمائل ششدر رہ گئی' واقعی یہ اتنا بڑا سرپرائز تھا اس کے لیے کہ وہ عالم تصور میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی' خود بھی بینک میں ایک بڑے عہدے پر کام کر چکی تھی چنانچہ ان کاموں سے بخوبی واقف تھی' لیکن سلطان احمد نے اتنی ذمے دار پوسٹ پر اس کا نام کیسے پیش کر دیا' کیا وہ جانتا ہے کہ وہ بینک میں ملازمت کر چکی ہے' تب اسے یاد آیا کہ سلطان کو اپنی داستان حیات سناتے ہوئے اس نے یہ بتایا تھا کہ وہ تعلیم یافتہ ہے اور ایک بینک کیبل

ٹرانسفر آفیسر کی حیثیت سے کام کر چکی ہے۔ سلطان نے فوراً اس کے اس خیال کی تصدیق کر دی۔ اس نے کہا۔

"اور چونکہ تم بینک کے معاملات سے بخوبی واقف ہو، میں تمہیں تھوڑی سی تربیت دوں گا اور ضروری امور بتا دوں گا، میں سمجھتا ہوں تم چند روز کے اندر اندر اپنی ذمے داریوں کو پک کر لو گی۔ اچھا اب یہ بتاؤ! میرے اس عمل سے خوش ہو یا ناخوش۔"

"نہیں سلطان، واقعی آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے ورنہ گھر میں پڑی پڑی آہستہ آہستہ موٹی ہو جاتی اور صرف ایک گھریلو عورت رہ جاتی۔"

"تم یقین کرو شمائل میں کوئی ناتجربے کار آدمی نہیں ہوں، میں نے تمہارے اندر وہ جوہر پائے ہیں جو ترقی کی منزل کی جانب جاتے ہیں اور اس بات کا بھی یقین کر لینا تم کہ میں نے تمہارے لیے یہ عہدہ اس لیے نہیں تلاش کیا کہ تم ایک کماؤ عورت بن جاؤ، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی صلاحیتوں کو منظر عام پر لاؤ اور وہ کرو جس کی تم اہل ہو۔"

"شکریہ سلطان، اور کیا کیا دیں گے آپ مجھے، اتنا کچھ دے دیا ہے آپ نے کہ میں آپ کی بیوی ہونے کے باوجود آپ کے احسانوں کے بوجھ تلے دبتی جا رہی ہوں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے کم از کم بیوی کی محبت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جیتنے کو انسان کو کاوشیں تو کرنی ہی چاہئیں۔"

دونوں نے اس خوشی میں شہر کے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں ڈنر کیا۔ پھر دوسرے دن سلطان اسے اپنے ساتھ ہی لے کر آفس گیا تھا۔ عظیم الشان کمرہ، اعلیٰ درجے کا فرنیچر، تین تین چپراسی، بہت بڑی میز، اتنا بڑا خواب شمائل نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سلطان اسے اس کے کاموں کی تربیت دینے لگا۔ سلطان کی جس قدر عزت تھی، جتنا احترام تھا وہ شمائل اب قریب سے دیکھ رہی تھی، بہت بڑا آدمی تھا وہ، بے شک

آفاق حیدر بہت بڑے بزنس مین کا بیٹا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ سلطان کے برابر اس کی نہ وقعت تھی نہ پہنچ، یہ فرق تھا ایک سرمایہ دار اور ایک سرکاری آفیسر ہونے میں اور واقعی سلطان کا کہنا بالکل درست نکلا کیونکہ شمائل خود بھی دل سے اپنی اس ملازمت کی قدر کرتی تھی۔ چنانچہ اس نے تمام امور ایسے سمجھ لیئے کہ سلطان خود بھی حیران رہ گیا۔ سلطان کی موجودگی میں کوئی پندرہ دن تک اس نے اپنے کام نبھائے اور سلطان نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم، تم اسی منصب کے لائق تھیں شمائل، کہاں بدبختوں نے تمہیں جیل میں ٹھونس دیا تھا۔" شمائل نے گردن جھکا لی تھی۔

کوئی ڈیڑھ مہینے تک سلطان اس کے ساتھ مل کر کام کرتا رہا، کوئی دقت درپیش نہیں آئی تھی، بڑے بڑے اہم معاملات میں شمائل اپنے طور پر فیصلے کر لیا کرتی تھی اور بعد میں یہ بات ثابت ہو جاتی تھی کہ اس کے کیئے ہوئے فیصلے ضرورت کے مطابق ہیں، سلطان نے بہت بڑا رسک لیا تھا اپنی ضمانت اور اپنی ذمے داری پر اسے اتنا بڑا عہدہ دے دیا گیا تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو اس عہدے کا اہل ثابت کر کے دکھا دیا تھا۔ اس طرح مصروف ہو گئی تھی وہ کہ اب اسے دنیا کی خبر ہی نہیں رہی تھی، اس دوران شکیب بالکل ہی غائب رہا تھا اور اس کا غائب رہنا ضروری بھی تھا کیونکہ ایک ذرا سی لغزش سلطان کے دل میں کسی شبہے کا باعث بن سکتی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ سلطان جیسے اہم اور محبت کرنے والے انسان کو ذرہ برابر کسی تردد کا سامنا کرنا پڑے۔

بہرحال اس کے بعد مزید کچھ عرصے سلطان مصروف رہا پھر اس نے شمائل کو اطلاع دی کہ اب وہ غیر ملکی دوروں کے لیے جانے ہی والا ہے۔ سرکاری طور پر کچھ فیصلے ہو رہے ہیں اور ہو سکتا ہے یہ دورے طویل ہو جائیں۔

"میں نے تمہارے لیے مصروفیت میسر کر دی ہے اور یہ معمولی کام نہیں ہے جو تم کر رہی ہو، میں پوری طرح مطمئن ہو کر جا رہا ہوں کہ میری غیر موجودگی میں تمہیں

کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔''

''ٹھیک ہے سلطان‘ میں احمقانہ الفاظ نہیں کہوں گی کہ تمہاری غیر موجودگی میں میرے لیے سب سے بڑی مشکل کیا ہوتی ہے‘ ظاہر ہے دل کے سکون کے لیے تمہاری قربت دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہے میرے لیے۔''

''میں جانتا ہوں شائل‘ یقین کرو میں جانتا ہوں۔'' اس نے بڑے پرخلوص لہجے میں کہا تھا‘ پھر وہ چلا گیا‘ اور اس دوران بالکل مکمل طور پر گم رہنے کے بعد شکیب اس کے پاس حاضر ہو گیا۔

''ارے شکیب‘ تم خیریت سے تو ہونا‘ تم بھی کمال کے انسان ہو‘ آئے تھے ایک مجرم بن کر اور بن گئے میرے لیے مسیحا‘ یہیں رہے یا کہیں باہر چلے گئے تھے۔؟''

''نہیں میڈم‘ آپ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور آپ کی مسلسل نگرانی کر رہا تھا‘ میں نے تو آپ کو مبارکباد دینے کی جرأت بھی نہیں کی‘ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ایسا کام کروں جو آپ کی پسند کے مطابق نہ ہو۔''

''میں تمہاری عزت کرتی ہوں شکیب‘ بہت اچھے انسان ہو تم بلکہ میں سوچ رہی ہوں کہ تمہارے لیے اور کیا کروں۔''

''میڈم‘ کوئی بھی انسان لالچ اور غرض سے خالی نہیں ہوتا‘ مجھے معاف کیجئے گا میں آپ کی بہت سی ذمے داریوں کا حل بنا تو میں نے آپ کے ذریعے کچھ کمایا بھی اور سچی بات یہ ہے کہ مزید کمانا چاہتا ہوں۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں‘ تمہیں معلوم ہے کہ میری ذمے داریاں کیا ہو گئی ہیں۔؟''

''مکمل طور پر معلومات حاصل ہیں مجھے اور سچی بات یہ ہے کہ جب آپ نے یہ عہدہ سنبھالا اور پہلی بار ایک صنعت کار کے ہاں آپ کو اور سلطان صاحب کو دعوت دی گئی تو میں بھی وہاں موجود تھا۔''

''اوہو صغیر احمد روٹی والا۔''

''جی میڈم‘ اور اس کے بعد حاجی ابراہیم‘ اور پھر غیاث اللہ چوہدری‘ میڈم ویسے آپ کو ایک بات بتاؤ'' اب اگر آپ چوہدری کرم داد کے خلاف بھی کوئی قدم اٹھانا چاہیں تو آپ کو مشکل نہیں ہو گی۔''

''نہیں میرا براہ راست اس سے کوئی جھگڑا نہیں رہا ہے‘ اور میں فضول جھگڑے مول لینے کی عادی نہیں ہوں‘ ہاں بس ایک پھانس اور دل میں چبھی ہوئی ہے۔ اس پھانس کو میں دل سے نکالنا چاہتی ہوں۔''

''آفاق حیدر۔''

''تم ظاہر ہے مجھ سے مکمل واقفیت کا اظہار کر چکے ہو‘ اور اس طرح سے تمہیں یہ فوقیت حاصل ہے کہ تم واحد شخص ہو جو میرے بارے میں وہ کچھ جانتے ہو جو خود سلطان احمد بھی نہیں جانتے‘ حالانکہ حقیقت یہ ہے شکیب کہ اس وقت میری ذات کا کوئی محور ہے اور دنیا میں کوئی شخص ہے جس کے لیے میں اپنی ہزار زندگیاں قربان کر سکتی ہوں تو وہ سلطان احمد ہے۔''

''آپ یقین کریں میڈم‘ آپ کے وفادار کی حیثیت سے میں بات بھی جانتا ہوں کہ آپ سلطان احمد صاحب کے لیے دل میں کیا جذبات رکھتی ہیں‘ اور میڈم چونکہ میرے تمام مفادات آپ سے وابستہ رہے ہیں بلکہ آپ ہی کے سلسلے میں میں نے اپنے آپ کو مصروف رکھا ہے تو یہ سمجھ لیجئے کہ اگر آپ سلطان صاحب کی اس قدر عزت کرتی ہیں تو میں بھی اس سے کم نہیں کرتا کیونکہ وہ میرے لیے بہت بڑا ذریعہ بنے ہیں۔''

''شکریہ شکیب‘ بہر حال اگر کوئی خدمت میرے لائق ہو تو مجھے ضرور بتاؤ‘ اور جہاں تک آفاق حیدر کا معاملہ ہے اب مجھے اس کی مکمل رپورٹ درکار ہے۔''

''آپ نے تو غور ہی نہیں کیا میڈم‘ سب سے پہلی نشست میں آفاق حیدر

بھی موجود تھے‘ یعنی وہ پارٹی جو آپ کے اعزاز میں دی گئی تھی۔‘‘

’’کیا۔؟‘‘ شائل اچھل پڑی۔

’’جی میڈم‘ اور یہ بالکل اتفاق ہے کہ آفاق حیدر اس ڈنر میں شرکت کے لیے آئے لیکن ان کی میڈم نہیں آسکیں چونکہ وہ کچھ بیمار تھیں‘ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ان کی کال آگئی کہ ان کی میڈم کی طبیعت زیادہ خراب ہے‘ چنانچہ وہ معذرت کر کے واپس چلے گئے ورنہ یقینی طور پر آپ کا ان سے سامنا ہوتا۔‘‘

’’ہوں۔‘‘ شائل کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی‘ کچھ لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

’’شکیب‘ اگر میں تم سے کہوں کہ اب ہمیں آفاق حیدر پر کام شروع کر دینا چاہیے تو کیا تم میرا ساتھ دو گے۔؟‘‘

’’کیسی بات کرتی ہیں میڈم‘ میں تو بس آپ کی طرف سے سوئچ آن ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔؟‘‘

’’تو سمجھ لو میری طرف سے سوئچ آن ہے۔‘‘ شائل نے کہا۔

’’اوکے میڈم اوکے۔‘‘ شکیب نے جواب دیا۔

پھر تقریباً بیس دن کے بعد شکیب نے شائل سے رابطہ قائم کیا تھا‘ اس نے شائل کو اپنا کارڈ پیش کیا جس پر ایک ادارے کے پروپرائٹر کی حیثیت سے اس کا اپنا نام لکھا ہوا تھا‘‘

’’میڈم یہ انویسٹمنٹ ہے آپ کے کام کے سلسلے میں۔ اگر آپ میرے نام کے ساتھ میرے ادارے کا نام پڑھ چکی ہیں تو تھوڑا بہت آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ میرا مقصد کیا ہے۔؟‘‘

’’وہ وہ تو سمجھ گئی ہوں لیکن تمہارے الفاظ میری سمجھ میں صحیح طور پر نہیں آئے۔‘‘

’’وہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میڈم‘ یہ ایک بین الاقوامی کمپنی ہے جس کا نام

میں آپ کے سامنے لے رہا ہوں‘ اس کمپنی کی ہر ملک میں شاخیں ہیں‘ یہاں جو اس کمپنی کی شاخ ہے‘ اس کے مالک مسٹر این ورسل ہیں‘ این ورسل جو مذہباً پارسی ہیں‘ مسٹر این ورسل اس کمپنی کی شاخ کو چلا رہے ہیں‘ انہوں نے اور بھی بہت سے منصوبوں میں سرمایہ کاری کی ہوئی ہے‘ لیکن اس کمپنی کے ایجنٹ کی حیثیت سے ان کی اپنی ایک الگ حیثیت ہے‘ مسٹر این ورسل سے میں ملاقات کر چکا ہوں اور اپنے ادارے کی معرفت انہیں پیشکش کر چکا ہوں کہ اگر وہ اس بڑی کمپنی سے روابط قائم کرنا چاہیں اور اس کمپنی کے حصے دار بننے کی خواہش رکھتے ہوں تو میں ان کے دونوں کام کرا سکتا ہوں‘ یعنی معقول کمیشن پر انہیں ایک بہت بڑی پیشکش کر سکتا ہوں اور میڈم یہ پیشکش ہو گی مسٹر آفاق حیدر کی اس کمپنی میں شمولیت۔ اور مسٹر آفاق حیدر کو آپ ایک بہت بڑا قرض دیں گی‘ بینکنگ کونسل کی چیئرپرسن کی حیثیت سے آپ اس قرض کو منظور کرائیں گی اور یہ قرضہ آفاق حیدر‘ این ورسل کے ساتھ اس کمپنی میں شیئر کے لیے استعمال کریں گے‘ میڈم‘ یہ کام بہت مشکل ہے‘ لیکن میں نے اس کے ابتدائی مراحل طے کر لئے ہیں اور اس سلسلے میں سب سے بڑا کام جو ہو گا وہ اس کمپنی کے جعلی کاغذات ہوں گے جو اس سلسلے میں تیار کراؤں گا‘ میڈم اس کے لیے میں ایسے کاغذات کی تیاریوں کے ماہرین سے رابطہ کر سکتا ہوں‘ کمپنی تک بات براہ راست اس لیے نہیں پہنچے گی کہ مسٹر این ورسل اس پر کام کر رہے ہوں گے۔ درمیان کا آدمی میں ہو گا جو ان رقوم کے منتقل ہونے کے بعد غائب ہو جاؤں گا‘ میڈم بہت بڑا گیم ہے‘ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسے کھیلنے کے بعد ہم آفاق حیدر کو مکمل طور پر دیوالیہ کر سکتے ہیں۔‘‘

شائل کے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی تھی‘ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شکیب کو دیکھتی رہی پھر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

’’میرے خدا! مجھے تو سوچ کر ہی بدن پر تھرتھری محسوس ہو رہی ہے شکیب‘ تم

اتنا بڑا کام کامیابی سے کرلو گے۔''

''دیکھئے میڈم کوشش شرط ہے' میں اپنے آپ کو مکمل طور سے اس کام کے لیے تیار پاتا ہوں۔ اگر خدانخواستہ مجھے کسی مرحلے پر ناکامی ہوئی تو پھر میں غائب ہو جاؤں گا اور ہو سکتا ہے دوبارہ آپ سے بھی نہ ملوں۔''

''تم بے فکر رہو شکیب میں مکمل طور سے تمہارے اس کام کی نگرانی کروں گی۔''

''میڈم آپ خود بھی اس میں شریک ہوں گی' کیونکہ قرضے کی منظوری مسٹر آفاق حیدر کے لیے آپ ہی کے ذریعے ہوگی۔

''میں تیار ہوں۔'' شمائل نے شدید اضطراب کے عالم میں کہا۔ آفاق حیدر کی صورت اس کی نگاہوں میں ابھر آئی تھی' اس کا وہ لہجہ جس میں اس نے شمائل کے لیے کچھ کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا' اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں تمہارے اس عمل کو کبھی نہیں بھول سکوں گی آفاق' کبھی نہیں۔''

شکیب نے اپنا کام شروع کر دیا' آفاق سے اس کی ملاقات ایک کلب میں ہوئی تھی' شکیب انتہائی اسمارٹ آدمی تھا۔ آفاق کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی بلکہ اس نے آفاق کے بجائے اس کی بیوی نرجس سے ابتداء کی جو تھوڑی دیر میں شکیب کی گرویدہ ہوگئی۔

''آؤ میں تمہیں اپنے شوہر سے ملاؤں۔''

شکیب نے آفاق کو غور سے دیکھا' شمائل کا بیٹا نبیل ہو بہو آفاق کی شکل تھا' اور اس کے بعد شکیب نے آفاق کو پوری طرح شیشے میں اتار لیا۔

''بہت دلچسپ آدمی ہو تم شکیب' تم سے تو روزانہ ملنے کو دل چاہے گا' کیوں نرجس۔؟''

''بالکل ٹھیک' واقعی زندگی کی مصروفیات میں اگر شکیب جیسے شخص کے ساتھ

تھوڑا وقت گزارنے کا موقع مل جائے تو وہ لمحے بڑے خوشگوار ہو جائیں گے'

''میں حاضر ہوں۔''

پورے بارہ دن' تیرہویں دن شکیب نے آفاق سے کام کی بات شروع کر دی' اس دوران وہ آفاق سے اپنا تعارف کرا چکا تھا' اس نے کہا۔

''ڈیئر آفاق! میں نے زندگی میں اپنے دوستوں کے لیے بہت کام کیا ہے' میں جانتا ہوں اپنے منہ سے کہی ہوئی بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی' لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر میں وہ سب کچھ دوستوں کے بجائے اپنے لیے کرتا تو شاید میں بہت بڑی حیثیت کا مالک ہوتا' لیکن بس جس سے دوستی ہو جاتی ہے' دل چاہتا ہے کہ سب کچھ اس کے حوالے کر دیا جائے۔''

''یہ ایک جنونی جذبہ ہے' لیکن قابل قدر' اس میں کوئی شک نہیں ہے'

''تو شکیب اپنا یہ فن' ہمیں بھی تو دکھاؤ۔'' نرجس بولی۔

''فن۔''

''ہاں میرا مطلب ہے ہمارے لیے تم کیا کر سکتے ہو۔؟''

''گوریچہ خاندان میرے لیے بڑی عزت کا حامل ہے' وہی بات ہے کہ میں تو اپنے ہی طور پر آپ کو پیشکش کر سکتا ہوں۔''

''یار شکیب' اب جب تم نے خود اس کا تذکرہ کر دیا ہے تو واقعی میں بھی اس میں دلچسپی رکھتا ہوں' خدا کا شکر ہے کہ ہمارے پاس بہت کچھ ہے' گوریچہ خاندان ویسے بھی اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے' لیکن میرے والد نے مجھ سے ایک ایسی بات کہہ دی ہے جو مسلسل میرے دل میں کھٹکتی رہتی ہے اور کتنی ہی بار میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کوئی ایسا ذریعہ ہوتا جو میرے کام آتا۔''

''ایسی کیا بات تھی آفاق صاحب۔؟''

''حیدر زمان صاحب نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ بیٹے عموماً یہی ہوتا ہے

کہ والدین ستون کھڑے کرتے ہیں اور اولاد زیادہ سے زیادہ اس پر منزلیں تعمیر کرتی چلی جاتی ہیں، لیکن کبھی وہ اس بارے میں نہیں سوچتی کہ بنیاد ہی تو اصل چیز ہوتی ہے۔ بنیاد اگر مضبوط رکھی جائے تو عمارت بھی مضبوط ہوتی ہے، کبھی اگر ہمت پڑے تو کسی کام کو بنیاد سے کر کے دیکھنا، لطف آئے گا تمہیں، میں جانتا تھا شکیب انہوں نے یہ بات ایک ایسے موقع پر کہی تھی جب میں نے ایک کاروباری مہم سر کی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ میں اس بات کا اعتراف کروں کہ بقول ان کے میں نے ان کے بنائے ہوئے ستونوں پر یہ کامیابی حاصل ہے۔ تبھی سے میرے دل میں یہ الفاظ کھٹک رہے تھے باپ کے کہے ہوئے تھے عزت احترام کرتا ہوں میں ان کا، لیکن دل ہمیشہ یہی چاہتا رہا کہ کبھی کسی کام کی بنیاد رکھوں اور اب جب تم نے یہ الفاظ کہے ہیں اور تمہارا کام بھی کچھ ایسا ہی ہے تو بولو میرے لیے کیا کر سکتے ہو۔؟"

"آسمان سے تارے توڑنے کے سوا سب کچھ کر سکتا ہوں، کیونکہ آسمان تک پہنچنے کا ذریعہ نہیں ہے میرے پاس۔"

"بڑی اچھی بات کہی تم نے، محاورے کے طور پر بھی ایسے الفاظ برے لگتے ہیں، کوئی ایسا کام سوچو جو انتہائی اعلیٰ پیمانے کا ہو یعنی گوریچہ خاندان کے شایان شان اور ہم کامیابی سے اس پر قدم بڑھا سکیں۔"

"میری ذمے داری۔" شکیب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا، اور پھر تھوڑے ہی دن کے اندر اندر شکیب نے وہ عظیم منصوبہ آفاق حیدر کے سامنے پیش کر دیا، اس نے کہا۔

"این ورسل کے بارے میں تو آپ جانتے ہوں گے مسٹر آفاق۔"

"کیوں نہیں، یو ان ورسل تو بہت بڑے آدمی ہیں۔ بہت بڑے کاروباری۔"

"ملاقاتیں ہیں آپ کی ان سے۔؟"

"کیوں نہیں۔ ہر بڑا آدمی دوسرے بڑے آدمی کو جانتا ہے۔" آفاق حیدر

نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر این ورسل کی معرفت میں ایک انٹرنیشنل فرم سے آپ کا کاروباری رابطہ کرا سکتا ہوں۔" جب شکیب نے اس فرم کا نام لیا تو آفاق حیدر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"خواب دکھا رہے ہو مجھے۔ اس فرم سے کاروباری رابطہ قائم کرنے کے لیے مجھے کم از کم ایک ارب روپے کی ضرورت ہوگی۔ یا ممکن ہے اس سے بھی کچھ زیادہ۔"

"اس سے بہت زیادہ، کہاں کی بات کر رہے ہو مسٹر آفاق حیدر، اتنی چھوٹی سی رقم سے تو این ورسل سے بھی کاروباری رابطہ نہیں ہو سکتا۔"

"مگر میرے بھائی بات وہی ہو جائے گی۔ اگر میں اپنے باپ کی دولت اس سلسلے میں استعمال کروں تو پھر بنیاد کہاں سے ہوئی۔؟"

"کیا ضرورت ہے باپ کی دولت استعمال کرنے کی، یہ شکیب کب کام آئے گا۔؟"

"ہاں یار، مگر اتنا بڑا قرض مجھے مل سکتا ہے۔"

"یہ شکیب کس کام آئے گا۔" شکیب نے دوبارہ اپنے الفاظ دہرائے اور نرجس ہنسنے لگی، پھر بولی۔

"مسٹر شکیب، بہت بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں، ذرا آزمائیے تو سہی ان کو۔"

"ضرور ضرور۔"

"تو پھر کام شروع کرو۔"

شکیب نے چند روز کے بعد اسے بتایا کہ بینکنگ کونسل کی چیئرپرسن سے اس نے رابطہ کیا ہے، اور آفاق حیدر کو اس کی ضرورت کے مطابق قرضہ دلوایا جا سکتا

ہے۔ آفاق حیدر کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا' اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

''اور میں جانتا ہوں تم مجھ سے جھوٹ نہیں بولو گے۔''

''ہاں' اگر آپ یہ جانتے ہیں مسٹر آفاق حیدر تو سمجھ لیجیے کہ میں جھوٹ نہیں بولوں گا آپ سے' آپ ایسا کریں ایک ڈنر کی تیاری کریں جس میں بینکنگ کونسل کی چیئر پرسن مسز سلطان کو مدعو کر لیا جائے۔''

''بڑے شوق سے' تم ان سے اپائنٹمنٹ لے لو' ہم پرل میں ڈنر منتخب کر لیتے ہیں۔'' شکیب نے یہ خبر شمائل کو سنائی تو وہ اس پر بھی اثر انداز ہوئی' شمائل نے شکیب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں تیار ہوں۔''

آفاق حیدر نے بہترین انتظامات کیے تھے۔ بینکنگ کونسل کی چیئر پرسن سے آج تک اس کی ملاقات کبھی نہیں ہوئی تھی' شکیب کی زبانی اس کا نام سن کر ایک لمحے کے لیے آفاق کے ذہن کے پردوں سے ایک شکل ٹکرائی تھی' لیکن یہ اتنی پرانی بات تھی کہ سب کچھ ذہن سے نکل گیا تھا اور ویسے بھی وہ ایک ذمے دار کاروباری آدمی تھا جس کا زیادہ تر وقت اپنے کاروباری امور کو سلجھاتے ہوئے گزرتا تھا' والدین بدستور حیات تھے' بیوی وہی تھی جس کا فیصلہ اس کے والدین نے کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شمائل اس وقت اس کے دل میں بھی تھی اور دماغ میں بھی۔ لیکن گوریچہ خاندان کی قدیم روایات کو برقرار رکھنا بھی اس کا فرض ہی تھا' اپنی ذات کے لیے اس نے بس ایک عمل کیا تھا وہ یہ کہ ایک موٹر مکینک کی بیٹی کو گوریچہ خاندان کی عزت بنانے کے لیے والدین سے لڑ گیا تھا' اس کے بارے میں سبھی جانتے تھے کہ وہ صرف اس کام کے لیے کہتا ہے جو کرنا چاہتا ہے۔ کسی ایسے کام کے لیے نہیں کہتا جس میں لچک کی گنجائش ہو' بچپن سے آج تک اس کی یہی فطرت تھی اور وہ اسی فطرت کے تحت ہر کام کرتا تھا' چنانچہ ماں باپ بھی خاموش ہو گئے تھے کہ وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے

کہ بیٹے کی ناراضگی مول لے لیں۔ لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کا تذکرہ آفاق حیدر نے اپنے والدین سے بھی نہیں کیا تھا۔ ہاں جب انہوں نے اس سے شمائل کے بارے میں سوال کیا تو اس نے اپنے مخصوص سرد لہجے میں کہا۔

''نہیں' میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔ آپ لوگ میری نرجس سے شادی کے انتظامات کیجیے۔'' اور والدین دنگ رہ گئے۔ بہرحال ان کی خوشیاں بے پناہ ہو گئیں۔ آفاق کسی بھی قیمت پر ایک ایسی لڑکی کی مدد نہیں کرنا چاہتا تھا جس نے ایک شخص پر قاتلانہ حملہ کیا اور جیل چلی گئی۔ حالانکہ آفاق نے اسے پیشکش کی تھی کہ وہ اس کی مدد کرنا چاہتا ہے' لیکن شمائل کی خودسری نے اس کی مدد قبول نہیں کی اور اس کے بعد جب آفاق کو تفصیلات معلوم ہوئیں تو اس نے دل و دماغ کے دروازے بند کر دیے۔ گوریچہ خاندان میں ایسی لڑکی کو کسی قیمت پر نہیں لایا جا سکتا تھا' وہ بھول گیا کہ شمائل نے اسے کچھ اور اطلاعات بھی دی تھیں' حالانکہ وہ بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا جو بعد میں اس کے لیے زندگی بھر کا عذاب بن سکتا تھا۔ والدین کی باز پرس سے بچنا مشکل تھا اور اس خبر کو وہ لوگوں کی زبانوں تک نہیں پہنچنے دینا چاہتا تھا کہ شادی سے پہلے ہی وہ ایک بچے کا باپ بن گیا ہے۔ لیکن زیرک آدمی تھا' اس سلسلے میں اس نے کچھ فیصلے کر لیے تھے اور ان پر غور کرنے کے بعد مطمئن ہو گیا تھا۔ شمائل اس بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتی تھی' نہ سہی۔ پیسے کے بل پر دنیا کا ہر کام کیا جا سکتا ہے' وہ بچہ کسی اور عورت کے پاس پروان چڑھ سکتا تھا' بس تھوڑے سے اخراجات' لیکن بعد میں سب کچھ ختم ہو گیا تھا اور اس کے بعد اس نے شمائل کے بارے میں کبھی معلومات حاصل نہیں کی تھی۔ وہی کاروباری اصول کہ پھل کھانا زیادہ بہتر ہے پیڑ گننے سے' اور اب تو شمائل اس کے ذہن سے نکل ہی گئی تھی۔

لیکن بس بینکنگ کونسل کی چیئر پرسن کا نام سن کر اسے ایک بھولا ہوا نام یاد آ گیا تھا' اور پھر شکیب اسے لے کر اس خوبصورت حال میں پہنچ گیا' جہاں صرف چند

ہی افراد کو مدعو کیا گیا تھا اور یہ بھی خاندان کے لوگ نہیں بلکہ کاروباری لوگ تھے۔ تب آفاق حیدر نے شمائل کو دیکھا اور اس کا بدن جیسے پتھرا کر رہ گیا۔ ایک حسن جہاں سوز' پہلے سے کہیں زیادہ دلکشی کا حامل۔ سرخ و سفید رنگ۔ حسین چہرہ بڑی بڑی گہری آنکھیں' چال میں انتہائی وقار' بینکنگ کونسل کی چیئر پرسن' شمائل شمائل۔

شکیب' شمائل کے سامنے بچھا جا رہا تھا' وہ اسے لئے ہوئے آفاق حیدر کے پاس پہنچ گیا۔

''میڈم! یہ آفاق حیدر' اور یہ ان کی مسز۔''

شمائل نے آفاق کو غور سے دیکھا اور اسے عجیب سا احساس ہوا' آفاق کی شخصیت میں اب کوئی کشش باقی نہیں رہی تھی۔ اس کے سر کے بال بے پناہ کم ہو چکے تھے' وہ درمیانی عمر کا ایک آدمی تھا جس کے شانے آگے کی طرف جھکے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر اکتا دینے والا تاثر تھا۔ شمائل کو یقین نہیں آیا کہ یہ وہی شخص ہے جس کے ساتھ وہ اپنی پوری زندگی گزارنے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔ پھر شمائل نے نرجس کو دیکھا' وہ بھی آفاق ہی کی طرح ایک قطعی غیر دلچسپ شخصیت کی حامل تھی۔ آفاق ابھی تک چکرایا ہوا تھا' شکیب نے کہا۔

''سر! میڈم شمائل' آپ کچھ کھو سے گئے ہیں۔'' آفاق نے ایک جھرجھری سی لی اس کا بے جان ہاتھ آگے بڑھا۔ لیکن شمائل نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا' وہ ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''ہیلو۔''

''آئیے میڈم آئیے تشریف لائیے۔'' شکیب نے کہا۔

وہ میز جو ڈنر کے لیے مخصوص کی گئی تھی سامنے ہی تھی' شکیب نے شمائل کے لیے کرسی کھینچی اور شمائل بیٹھ گئی' شکیب نے خود تھوڑا سا فاصلہ رکھا تھا' آفاق اور نرجس شمائل کے سامنے بیٹھ گئے اور شکیب تھوڑے فاصلے پر' پورے ہال میں چند ہی افراد کے

لیے جگہ بنائی گئی تھی' بہر حال وہ دو تین افراد جو تھے ان سے بھی شمائل کا تعارف کرایا گیا اور وہ سب شمائل کے آگے بچھے بچھے نظر آنے لگے' آفاق پر اب تک ایک عجیب سی کیفیت چھائی ہوئی تھی' شکیب نے ہنس کر کہا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ رعب حسن کی کہانیاں بہت سی سنی ہیں' لیکن عام لوگ یہ تاثر نہیں دیتے اور پھر وہ بھی اپنی بیگمات کے ساتھ' میڈم نرجس آپ محسوس کر رہی ہیں کہ آپ کے شوہر کس طرح سحر زدہ ہو گئے ہیں' آفاق کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا' اس نے آنکھیں بھینچ کر گردن جھٹکی اور بولا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے' اصل میں ایک بڑی عجیب بات ہوئی ہے' محترمہ شمائل میرے ماضی کی ایک شخصیت کی ہمشکل ہیں اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس کا نام بھی شمائل تھا۔'' شمائل نے اب سنجیدگی اختیار کر لی تھی' وہ شکیب سے بولی۔

''مسٹر شکیب' آفاق حیدر صاحب خالص کاروباری شخصیت کے مالک لگتے ہیں' لیکن بہر حال جو بات انہوں نے کہی وہ اس قدر دلچسپ نہیں' جی آفاق صاحب! گوریچہ خاندان اس قدر غیر معروف نہیں ہے' بڑی اچھی شہرت ہے اس خاندان کی' اگر شکیب صاحب گوریچہ خاندان کا تذکرہ نہ کرتے تو شاید میرے لیے اس دعوت کو قبول کرنا میرے لیے مشکل ہوتا کیونکہ بہر حال اپنا ایک اسٹیٹس ہوتا ہے۔''

''مم ـــــ میں آپ کی آمد پر شکر گزار ہوں محترمہ' یہ میری مسز نرجس گوریچہ ہیں۔''

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔'' شمائل نے کہا۔

نرجس کا ہاتھ بے اختیار اٹھا' لیکن آفاق کی درگت دیکھ چکی تھی' سامنے بیٹھی ہوئی مغرور عورت کسی سے ہاتھ نہیں ملاتی' آفاق حیدر تو شاید بات کو سمجھتا تھا لیکن نرجس کو یہ بات اپنی بڑی توہین محسوس ہوئی۔ گوریچہ خاندان کی بہو ہونے کی حیثیت سے اس نے لوگوں کو اپنے سامنے جھکتے ہوئے ہی دیکھا تھا۔ بہر حال برداشت کر گئی'

آفاق حیدر رفتہ رفتہ خود کو سنبھال رہا تھا' اس نے کہا۔

''آپ نے میری یہ دعوت قبول فرمائی محترمہ' میں اس کے لیے آپ کا دل سے شکر گزار ہوں۔''

''جی۔ شکیب صاحب نے آپ کا پیغام دیا' ظاہر ہے______''

''آپ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر سکتا ہوں۔؟''

''میری انکوائری کرا لیجئے آپ' میں خود اپنے بارے میں کیا بتاؤں آپ کو' اور میں نہیں سمجھتی کہ کوئی غیر ضروری عمل کیا جائے' میرے کھانے کا وقت ہو چکا ہے۔''

''اوہ جی ہاں جی ہاں۔'' اور اس کے بعد ویٹر حرکت میں آ گئے' ایک پر تکلف ڈنر کیا گیا' آفاق حیدر نے ڈنر کے بعد کافی کے سپ لیتے ہوئے کہا۔

''ایک بہترین میٹنگ رہی ہماری اور کچھ بہتر نہیں لگتا کہ پہلی ملاقات میں ساری باتیں کر دی جائیں۔''

''آفاق حیدر صاحب' دیکھئے معذرت چاہتی ہوں آپ سے' میری مصروفیات حد درجے ہیں اور اپنی ذمے داریاں پوری کرتے ہوئے میں اس بات کا پورا خیال رکھتی ہوں کہ جو کام کرنا ہے اسے کر ڈالا جائے' دوسرے کام بعد میں دیکھے جائیں۔''

''جی جی یہ بہت اچھی بات ہے' شکیب صاحب نے آپ سے میری خواہش کا تذکرہ کر ہی دیا ہوگا۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ میری آپ سے دوسری ملاقات ہو' بلکہ میری اس خواہش کو آپ مان ہی لیجئے گا۔''

''ٹھیک ہے تو پھر آپ۔''

''کسی وقت در دولت پر حاضر ہو جاؤں گا بلکہ چائے بھی پی لوں گا۔''

''معافی چاہتی ہوں' در دولت کا اوّل تو کوئی وجود نہیں ہے اور جو کچھ بھی ٹوٹا پھوٹا ہے وہاں میں صرف اپنے لئے ہوتی ہوں۔ آپ سے تھوڑا کاروباری رابطہ ہو رہا

ہے' آپ براہ کرم میرے آفس ہی تشریف لائیے۔ شکیب صاحب! آپ لوگ اگر بیٹھنا چاہیں تو ضرور تشریف رکھئے' ملاقات ہوگئی' دوسری ملاقات کی دعوت میں نے دے دی ہے آفاق حیدر صاحب کو' آپ بھی تشریف لائیے' میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی۔''

''مناسب تو نہیں لگتا' بہتر یہ ہوگا کہ میں آپ کو______''

''نہیں مناسب ہے۔ آپ براہ کرم آفاق حیدر صاحب کو کمپنی دیجئے۔ اچھا آفاق حیدر صاحب اس پر تکلف ڈنر کا بہت بہت شکریہ' آپ جب بھی آفس تشریف لانا چاہیں مجھے فون کر کے آ جائیے گا۔ بلکہ بہتر تو یہ ہوگا کہ رابطے ہمارے اور آپ کے درمیان شکیب صاحب کی معرفت ہی رہیں' اچھا خدا حافظ۔'' اس نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی' سب اٹھ کھڑے ہو گئے تھے سوائے نرجس کے' وہ دروازے سے باہر نکل گئی' اس نے ایک بار بھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا' نرجس کے منہ سے آواز نکلی۔

''یہ عورت ہے یا شیطان۔''

شکیب نے نرجس کو دیکھا تو وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

''میں نے اس سے زیادہ مغرور اور بد دماغ عورت پہلے کبھی نہیں دیکھی۔'' آفاق نے کسی قدر برا مانتے ہوئے کہا۔

''وہ جس حیثیت کی مالک ہے اس حیثیت کی عورتوں سے اصل میں تم پہلے کبھی ملی نہیں ہو۔'' یہ گہرا طنز تھا' نرجس پر جسے نرجس سمجھ نہ پائی اور کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی۔

''خدا نہ ملائے کبھی ایسی عورتوں سے۔''

بعد میں آفاق حیدر نے کہا۔ ''شکیب میں تم سے فوراً ہی دوسری ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

''بس حکم فرما دیں جب بھی حکم ہوگا حاضر ہو جاؤں گا۔'' اور پھر شکیب نے

آفاق حیدر سے اس کے دفتر میں ملاقات کی' فون پر رابطہ قائم ہوا تھا اور آفاق حیدر نے فوراً اسے اپنے آفس میں طلب کرلیا تھا۔

''اصل میں تم سے ملنے کے بعد ہی میں میڈم شمائل کے پاس جانا چاہتا ہوں۔''

''پہلی بات آپ یہ بتایئے آفاق صاحب! کیا آپ اس سارے پروگرام سے دلچسپی رکھتے ہیں یا صرف میری خواہش پر آپ نے یہ کیا ہے۔''

''نہیں نہیں جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ بہت عرصے سے میں کسی ایسے کاروبار کے بارے میں سوچ رہا تھا جسے میں خود شروع کروں' حیدر زمان صاحب میرے والد ہیں لیکن انہوں نے میری انا کو ٹھیس پہنچائی ہے اور میں مستقل طویل عرصے سے یہ سوچتا رہا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے جس سے میں اپنی یہ حیثیت منوا سکوں اور یہ بہترین موقع ہے' خوش قسمتی سے مجھے فنانس بھی مل رہا ہے ورنہ اتنی آسانی سے اتنی بڑی رقومات کہاں حاصل ہوتی ہیں' ویسے شکیب ایک سوال اور تم سے کرڈالو ں۔تم این ورسل کی معرفت جس عظیم الشان کاروبار سے مجھے متعلق کرنا چاہتے ہو تمہارے خیال میں اس میں کچھ گنجائشیں ہیں۔؟''

''سر میں نے بھی دنیا دیکھی ہے' بہت بڑا تجربہ ہے میرا' ذاتی طور پر چونکہ میری اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے' گوریچہ خاندان کا اپنا ایک مقام ہے اور میں اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکوں گا کہ اتنا بڑا قرضہ صرف گوریچہ خاندان کے نام پر ہی مل سکتا ہے' کسی معمولی شخصیت کے لیے یہ قرضہ منظور نہیں کیا جاسکتا۔''

''اگر میں تم سے یہ کہوں مسٹر شکیب کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ بہت اچھا ہے' بڑی حیثیت ہے اس کی اور تم بہت بڑے آدمی بن جاؤ گے' لیکن اگر اس سلسلے میں تم آغاز مجھ سے ہی کرو تو کیا ہرج ہے۔؟''

''تھوڑی سی تفصیل آفاق حیدر صاحب۔''

''بھئی میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ایڈوائزر بن جاؤ اور تمہیں بھرپور طریقے سے میرے ہر کام کا کمیشن ملے' ملازم نہیں رکھنا چاہتا تمہیں دوست رکھنا چاہتا ہوں' کاروبار میں کمیشن۔''

''بہت اچھی پیشکش ہے مجھے منظور ہے اگر آپ نے غور کرکے یہ بات کہی ہے تو۔''

''تو پھر سمجھ لو ہمارے درمیان یہ معاہدہ طے ہوگیا کہ تم میرے تمام مفادات کی نگرانی کروگے۔''

''بہت بہتر' جیسا آپ کا حکم ہو۔''

''اچھا' کچھ تھوڑی سی ذاتیات پر بات کرلی جائے تو کوئی ہرج تو نہیں ہے۔''

''بالکل نہیں سر اب تو میری ذمے داری ہوگئی ہے۔'' شکیب نے کہا۔

''میں ان خاتون کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

''میڈم شمائل۔''

''ہاں' یار اصل میں یہ میری زندگی کا ایک اہم مسئلہ ہے' بات خاصی پرانی ہوگئی ہے۔لیکن اتنی بھی نہیں کہ ذہن سے محو ہوجائے۔ایک خاتون سے میری شناسائی ہوئی تھی اس کا نام بھی شمائل تھا اور وہ ایک بینک میں کیبل ٹرانسفر آفیسر کی حیثیت سے کام کرتی تھیں' میرے ان کے تعلقات بہت آگے بڑھ گئے اور ہم دونوں نے شادی کا فیصلہ کرلیا' ہم دونوں بہت زیادہ قربتیں اختیار کرچکے تھے' پھر ایک دن اچانک شمائل کی والدہ کا انتقال ہوگیا' فیصل آباد کی رہنے والی تھی' مجھے بتائے بغیر فیصل آباد چلی گئی اور وہاں اسے پتہ چلا کہ اس کی والدہ نے خودکشی کی ہے اور اس کی موت کا تعلق وہاں کی ایک شخصیت راؤ بدرالدین سے ہے' شاید وہ راؤ بدرالدین سے ملی اور راؤ بدرالدین نے اس کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی جس کے نتیجے میں اس نے راؤ بدرالدین کو

شدید زخمی کر دیا اور پھر وہ گرفتار ہو گئی۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ اسے سزا ہو گئی۔ ظاہر ہے ان حالات میں گوریچہ خاندان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ظاہر کیا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے نظر انداز کر دیا اور بات ختم ہو گئی' بعد میں کیا ہوا یہ مجھے نہیں معلوم' لیکن میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اب جو یہ خاتون ہمارے سامنے آئی ہیں ان کا نام شمائل ہے اور یہ ہو بہو اسی شمائل کی ہمشکل ہیں' یہاں تک کہ آواز اور گفتگو کرنے تک کا انداز بھی وہی ہے۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں آفاق حیدر صاحب' یہ تو بڑی عجیب بات ہے' تو کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ شمائل ہو سکتی ہیں۔؟''

''یار خیال کی بات نہیں ہے تم یہ سمجھ لو کہ ایک ایک لمحہ یہی احساس ہوتا ہے کہ کہ ______'' آفاق نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

شکیب نے بھی اپنے چہرے پر غور و فکر کی لکیریں پیدا کر لیں' تھوڑی دیر تک دونوں بالکل خاموش رہے' پھر آفاق حیدر نے کہا۔

''اصل میں شکیب' بڑا گہرا معاملہ ہے' میری مسز کو تو تم نے دیکھ ہی لیا شمائل کے رویے سے خاصی گرم ہو گئی ہے' میں چاہتا ہوں کہ خفیہ طور پر اس کے بارے میں معلومات حاصل کی جائے۔ حالانکہ میں فوری طور پر شمائل سے ملنے چلا جاتا کیونکہ میں اس معاملے میں اس کاروبار کے آغاز کرنے میں دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن بس یہ تجسس ذہن میں ہے۔ اس نے بھی کسی جلد بازی کا اظہار نہیں کیا ہے۔ ظاہر ہے وہ تو بہت بڑی شخصیت ہے' میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسے ہمارے معاملے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہو گی' لیکن میں چاہتا ہوں کہ جس قدر جلد میں اس کام کا آغاز کر دوں بہتر ہے' مگر اس سے پہلے میں اپنی تسلی کرنا چاہتا ہوں' ظاہر ہے یہ خلش مجھے بے سکون رکھے گی' شکیب اب جب میرا تم سے اتنا گہرا رابطہ ہو چکا ہے تو میرے دوست اس سلسلے میں میری مدد کرو اور مجھے بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''بات واقعی انوکھی اور بہت ہی عجیب ہے۔'' شکیب نے گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر اس کے بعد دونوں دوبارہ خاموش ہو گئے' شکیب جیسے کسی گہری سوچ میں تھا اس نے کہا۔

''آفاق حیدر صاحب! اگر واقعی اس سلسلے میں تحقیقات کرنی ہے تو سب سے پہلے ہمیں اس بینک سے رابطہ قائم کرنا چاہیے جہاں شمائل صاحبہ کام کرتی تھیں' کیبل ٹرانسفر آفیسر کے بارے میں میرا خیال ہے معلوم ہو جانا کوئی مشکل کام نہیں ہو گا اور اس کے بعد ہمیں جیل سے رابطہ کرنا ہو گا' میرا خیال ہے یہ ساری تفصیلات آسانی سے حاصل ہو جائیں گی۔''

آفاق حیدر چونکہ اس سلسلے میں اب بہت زیادہ الجھ گیا تھا چنانچہ اس نے بذات خود شکیب کے ساتھ اس معاملے میں تحقیقات شروع کر دیں' پہلے وہ بینک پہنچے وہاں بلال گواریہ نے آفاق حیدر کی پذیرائی کی کیونکہ آفاق حیدر کے اکاؤنٹس وہاں موجود تھے اور وہ بینک کا بہت بڑا کلائنٹ تھا۔ شمائل کے بارے میں خود گواریہ کو تفصیلات معلوم تھیں' آفاق حیدر نے جب گورایہ سے شمائل کے بارے میں سوال کیا تو اس نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

''جی سر' بدقسمت تھی وہ لڑکی جسے اس کی منزل نہ مل سکی' مجھ سے اس کے بہت اچھے تعلقات تھے' میں نے اسے دلی مبارکباد دی تھی اس بات پر کہ گوریچہ خاندان میں اس کی شمولیت اس کی تقدیر کا بہت بڑا باب ہے اور اب وہ اس بینک کے لیے فرشتہ رحمت بن جائے گی۔ سر بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں ہم نے اس سے اور اس نے وعدہ بھی کیا تھا کہ جس بینک میں اسے اتنی عزت اور شہرت ملی ہے وہ اس کا بھرپور خیال رکھے گی۔ بعد میں سر' حالانکہ یقیناً آپ کو علم ہو گا کہ اسے سزا ہو گئی تھی۔''

''یہ ساری باتیں تو مجھے معلوم ہیں مسٹر گورایہ' آپ مجھے یہ بتائیے کہ اس کے بعد کے کچھ حالات کا آپ کو پتہ ہیں۔''

''نہیں سر' بس یہاں تک علم ہے کہ اسے جیل ہوگئی تھی' ظاہر ہے اس کے بعد سارے رابطے ٹوٹ گئے' بھلا میں ان کے سلسلے میں کیا کر سکتا تھا' بات ہی بالکل مختلف تھی۔''

آفاق حیدر نے بعد میں شکیب سے کہا۔ ''کیا ہم جیل سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔؟''

''سر ضرور کرنی چاہیے' ظاہر ہے وہیں سے پتہ چل سکے گا۔''

جیلر نے ایک اتنے بڑے بزنس مین کا اچھا استقبال کیا تھا۔ شمائل کے بارے میں تفصیلات بتاتے ہوئے اس نے کہا۔

''جی ہاں بہت اچھی لڑکی تھی وہ' لیکن بیچاری اپنی تقدیر کا شکار ہوگئی' بہت زیادہ متاثر تھی وہ' کوئی بھی نہیں تھا اس کا۔ بس بیمار ہوئی اور اس کا انتقال ہوگیا۔ جیل ہی طرف سے اس کی تدفین بھی کردی گئی تھی کیونکہ کوئی اور اس کی لاش کو وصول کرنے والا بھی نہیں تھا۔''

''کیا آپ اس کے بارے میں کچھ اور تفصیلات بھی بتا سکتے ہیں۔؟''

''بس جناب میں آپ کو زیادہ سے زیادہ رجسٹر دکھا سکتا ہوں جس میں اس کی موت کا اندراج ہے۔'' جیلر نے کہا اور چونکہ سلطان احمد کے کہنے پر کام مکمل طریقے سے کیا گیا تھا اور کوئی وہم نہیں چھوڑا گیا تھا' پرانے رجسٹروں میں سے ایک رجسٹر میں شمائل کی موت کی تاریخ درج کردی گئی تھی۔ یہاں تک کہ قبرستان میں اس کی قبر دکھا دی گئی اور گورکن کا رجسٹر بھی چیک کرا دیا گیا جس میں شمائل کی تدفین کا پورا اندراج تھا' جیلر کو اصل میں اپنی ملازمت اور حیثیت بھی عزیز تھی' چنانچہ اس نے کام مکمل ہی کیا تھا۔ لیکن اب اس کے بعد مزید کوئی گنجائش نہ رہی البتہ شمائل یہ تمام تفصیل سن کر خوب ہنسی تھی' اس نے کہا۔

''تم بھی کمال کی شخصیت ہو شکیب' واقعی بڑی گہرائیوں میں پہنچے تم۔''

''مسٹر آفاق حیدر کا اعتماد قائم کرنے کے لیے یہ سب کچھ بہت ضروری تھا۔''

''شکیب ایک کام کرو' تھوڑی سی تفصیل راؤ بدر الدین' علی ضرغام اور توصیف اے شیخ کے بارے میں بھی آفاق حیدر کے کانوں تک پہنچا دو۔''

''مناسب نہیں رہے گا میڈم' میرا خیال ہے ہمیں یہ کام اس وقت کرنا چاہیے جب ہم اپنا پہلا کام کرلیں ورنہ کہیں وہ محتاط نہ ہو جائے۔'' شکیب نے مشورہ دیا اور شمائل سوچ میں ڈوب گئی' پھر بولی۔

''چلو ٹھیک ہے۔''

جیل سے تفصیلات معلوم کرنے کے بعد اور اس قدر جائزہ لینے کے بعد آفاق حیدر مطمئن ہوگیا' البتہ اسے حیرت تھی کہ چہرہ تو ملتا جلتا ہی تھا' شکل اور آواز بھی' بہرحال' پھر وہ شمائل کے دفتر جا پہنچا' لیکن اب اس کا انداز بہتر تھا۔

''میڈم آپ کے حکم پر حاضر ہوگیا ہوں' یقیناً مجھ سے کچھ احمقانہ گستاخیاں سرزد ہوئی ہیں۔ آپ کو اچھی تو نہ لگی ہوں گی' تاہم اس کے لیے معافی چاہتا ہوں' اب آپ سے درخواست ہے کہ میرے کام کا آغاز کردیجیے۔''

''یہ ہماری ڈیوٹی ہے آفاق حیدر صاحب اور پھر گوریچہ خاندان جس قدر باعزت اور باحیثیت ہے اس کے بعد تو آپ کو کچھ منع کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا' آپ ضروری کاغذات تیار کرا کر مجھ تک پہنچا دیجیے۔ میں آپ کا کام کرادوں گی۔''

''ذاتی طور پر بھی آپ کا شکر گزار ہوں اور چونکہ ایک عجیب سا تعلق ہے آپ کے نام کے ساتھ اس لیے گزارش کروں گا کہ کم از کم مجھے کبھی کبھی ملاقات کا شرف بخش دیا کریں۔''

''آپ پہلے اپنا کام تو کیجیے' ملاقاتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔''

حالات ہموار ہوگئے تھے۔ شکیب خود بہت ذہین آدمی تھا۔ جس کا اعتراف

کتنی ہی بار دل ہی دل میں شمائل نے بھی کیا تھا' واقعی اسے اپنے خیال کی تصدیق کرنا پڑی تھی کہ جادو کا چراغ اور چراغ کا جن اس کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ این ورسل کی معرفت کاروباری معاملات تکمیل پاتے رہے اور پھر ایک عظیم الشان قرض آفاق حیدر کو مل گیا اور اس نے کام کا آغاز کر دیا۔ شکیب نے اس میں انتہائی معقول کمیشن لیا تھا اور یہاں اس نے تکلف سے کام نہیں لیا تھا' بعد میں اس نے شمائل کا شکریہ ادا کیا تھا۔

''میڈم میر! تو ٹارگٹ اتنا تھا بھی نہیں جتنا کچھ مجھے حاصل ہو گیا۔''

''اور اب تم جلد از جلد یہ کام ختم کر دو۔ میں چاہتی ہوں کہ جب سلطان واپس آئیں تو میں اپنی تمام ذمے داریاں پوری کر چکی ہوں اور ان کے ساتھ سکون سے زندگی گزارنے کا وقت حاصل کر لوں۔''

''آپ اطمینان رکھیں' بس کام شروع ہو چکا ہے۔'' شکیب نے جواب دیا۔

◊◊◊

ناک کے بال کا انسان سے کیا تعلق ہوتا ہے یہ بات آج تک سمجھ میں نہیں آئی' کہا یہی جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کی ناک کا بال تھا۔ بہرحال میرے خیال میں تو یہ انسانی جسم کی غلاظتوں کا ایک حصہ ہے' لیکن اس کی قربت محاورہ بن چکی ہے۔ محاورے ایجاد کرنے والوں نے بھی بس کچھ نہ کچھ کہہ دیا ہے۔ بے شمار محاورے تو کان کے پاس سے گزر جاتے ہیں' لیجیے کان کا تذکرہ آ گیا' خیر یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے' ظاہر ہے انسانی جسم کے ضروری حصے ہیں انہیں نظرانداز تو نہیں کیا جا سکتا' بات شکیب کی ہو رہی ہے اور محاورے کی شکل میں شکیب آفاق حیدر کی ناک کا بال بن گیا تھا۔ اس نے احتیاطاً ایک دفتر کرائے پر لے کر اپنے آفس کا بورڈ لگا دیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے ایسا ایک خاص مقصد کے تحت کیا گیا تھا۔ آفاق حیدر سے اس نے اپنا کمیشن تو وصول کیا ہی تھا' لیکن اس کے بعد آفاق حیدر کی درخواست پر وہ باقاعدہ اس سے منسلک ہو گیا۔ لیکن آفاق حیدر اس بارے میں درخواست نہ بھی کرتا تب بھی شکیب کا دوسرا قدم یہی ہوتا' چونکہ آفاق حیدر کو ڈبونے کے لیے اس کے پاس ہونا ضروری تھا اور اس بات کا اعتراف شمائل نے بارہا کیا تھا کہ شکیب نے تربیت تو بقول اس کے جرائم کلب سے لی تھی۔ لیکن حقیقی معنوں میں وہ بہت ہی ذہین شخص ثابت ہوا تھا۔ ایسے ایسے جوڑ توڑ کر لیا کرتا تھا جو عام ذہن کو چھو کر بھی نہ گزریں۔ غرضیکہ کام معمول کے مطابق

جاری تھا۔ حیدر زمان صاحب نے آفاق حیدر سے کہا۔

''تم نے جس نئے کاروبار کا آغاز کیا ہے اس کے ان آؤٹ پر غور کرلیا ہے؟ بات ایک غیر ملکی فرم کی ہے جو معمولی فرم نہیں ہے۔ تم اس کی بہت چھوٹی سی شاخ ہو' ہم اپنے تمام سرمائے سے بھی اس کے جوتوں کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتے۔''

''میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے ڈھارس دیجیے' کوئی ایسی خوفناک بات نہ کہیں جس سے میں نروس ہو جاؤں۔ ساری چیزوں کا مجھے اندازہ ہے اور میں پوری ہوشیاری کے ساتھ کام کر رہا ہوں۔ این ورسل کے ڈائریکٹرز کا بھی یہی کہنا ہے کہ وہ میری طرف سے مطمئن ہیں۔''

''بہرحال وہ بے پناہ تجربے کار لوگ ہیں۔'' حیدر زمان۔ صاحب نے کہا۔

نرجس بیچاری ان تمام معاملات سے بری الذمہ تھی۔ وہ ایک خالص گھریلو عورت تھی۔ اور اسے باقی چیزوں سے نہ تو کوئی تعلق تھا اور نہ دلچسپی' بس اپنے کام سے کام رکھتی تھی' یا پھر آفاق حیدر اسے گھسیٹے گھسیٹے پھرتا تھا' یہ بات آج تک کسی کے علم میں نہیں آسکی تھی کہ خود آفاق حیدر اپنی بیوی سے مطمئن ہے یا غیر مطمئن' حیدر زمان صاحب اور ان کی بیگم نے نرجس کا انتخاب کیا تھا' لیکن یہ انتخاب اس وقت پس پشت جا پڑا تھا جب آفاق حیدر کی نگاہوں میں شائل چڑھ گئی تھی اور اس نے اپنے والدین سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ زندگی کی اس راہ گزر پر وہ اپنی پسند کا ہمسفر چاہتا ہے اور اس معاملے میں ان لوگوں سے تعاون نہیں کرے گا کیونکہ بات زندگی بھر کی ہے۔ بیٹے کی سنجیدگی پر والدین بھی خاموش ہو گئے تھے اور انہوں نے یہ کڑوا گھونٹ پینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ لیکن کڑواہٹ کی شیشی خود ہی گر کر ٹوٹ گئی اور انہیں اس سلسلے میں کچھ نہ کرنا پڑا' چنانچہ نرجس آفاق حیدر کی زندگی میں شامل ہو گئی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ آفاق حیدر نے سوچا ہوگا کہ جب اپنی پسند اپنی نہ ہو سکی تو کوئی بھی لڑکی اس کی زندگی میں آجائے اگر والدین نرجس سے شادی کر کے خوش ہیں تو ٹھیک ہے وہی خوش سہی' البتہ

نرجس کو کبھی اس بات کا احساس نہیں ہو سکا کہ آفاق اس کی طرف سے بے توجہی برت رہا ہے۔ بس جس طرح بیوی کے ساتھ وقت گزارا جا سکتا تھا اس طرح یہ وقت گزر رہا تھا اور اب اس نئی منزل کا آغاز ہوا تھا اور اس نئی منزل کے آغاز میں شکیب اس کا دست راست تھا۔ آفاق حیدر بے شک تجربے کار سمجھدار آدمی تھا' لیکن بعض کردار اس طرح زندگی پر مسلط ہو جاتے ہیں کہ اپنے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔ یہی کیفیت شکیب کی تھی۔ شکیب نے اس طرح آفاق حیدر کا ہر لمحہ سنبھال لیا تھا کہ آفاق حیدر کو اس کے بارے میں چھان بین کی فرصت ہی نہیں ملی تھی۔ جس کاروبار کی داغ بیل ان لوگوں نے ڈالی تھی وہ بڑے شاندار طریقے سے آگے بڑھ رہا تھا۔ البتہ جب سے شائل سے دوبارہ ملاقات ہوئی تھی آفاق حیدر کا دل ایک خلش کا شکار ہو گیا تھا۔ شائل' وہی شکل' وہی صورت وہی آواز' اور پھر بینکنگ کا وہ زبردست تجربہ جس کا اندازہ آفاق حیدر کو اس وقت ہو چکا تھا جب شائل بینک میں کیبل ٹرانسفر آفیسر تھی جس سے آفاق حیدر کے زبردست تعلقات تھے اور اس وقت بھی بلال گور یچہ آفاق حیدر کا سب سے بڑا بینک ایڈوائزر بنا ہوا تھا۔ سارے کام خوش اسلوبی سے چل رہے تھے بینک کو شکیب کی حیثیت کا بھی اندازہ تھا کیونکہ سارے کام شکیب ہی کی معرفت ہوتے تھے۔ اکثر شکیب اور آفاق حیدر تنہائیوں میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ کاروباری باتیں ہوتی تھیں اور اس کے علاوہ شکیب نے جس طرح جیل وغیرہ سے معلومات حاصل کی تھیں وہ بھی آفاق حیدر کے لیے بڑی بات تھی' وہ شکیب کو اپنا سب سے نزدیکی ساتھی سمجھنے لگا تھا۔ پھر ایک دن ایک خوبصورت ریسٹوران میں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے دونوں سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ شکیب کے چہرے پر کچھ عجیب و غریب کیفیتیں نظر آرہی تھیں' آفاق نے اسے مخاطب کیا۔

''کیا بات ہے شکیب' تمہارے چہرے کے نقوش میں وہ بات نہیں ہے جو ہوتی ہے' کسی الجھن کا شکار ہو۔''

شکیب نے نگاہیں اٹھا کر آفاق حیدر کو دیکھا اور بولا۔ ''کچھ سمجھ میں نہیں آتا 'اچھا ایک بات بتائیے' کیا آپ ستاروں پر یقین رکھتے ہیں۔؟'' آفاق حیدر اس سوال پر مسکرا دیا۔'ہاں ہاں کیوں نہیں' ستارے خلاء میں ٹنگے ہوئے ہیں' دن کو سورج کی روشنی میں چھپ جاتے ہیں رات کو نظر آتے ہیں' ان کے وجود سے کون انکار کر سکتا ہے۔''

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ خیر چھوڑیئے ستاروں کی بات چھوڑیئے آپ یہ بتائیے کہ شائل کے سلسلے میں آپ کا ذہن صاف ہو گیا۔؟''

''نہیں ______ یہ حقیقت ہے شکیب' بھلا تم سے کسی بات کا کیا چھپانا' شائل کے سلسلے میں میرا ذہن بالکل صاف نہیں ہے' اگر اس وقت میرے لیے کوئی الجھن ہے تو صرف شائل ______''

''ہم اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر چکے ہیں' میڈم شائل کا ماضی کی شائل سے کوئی رابطہ نہیں ملتا' لیکن میں ذرا مختلف فطرت کا مالک ہوں' آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ معاملہ آپ کا ہے لیکن جب آپ نے یہ ساری باتیں بتائیں تو نجانے کیوں میرا ذہن بھی ایک الجھن کا شکار ہو گیا۔ میں' مسٹر آفاق حیدر مزید معلومات حاصل کرنے کے چکر میں پڑ گیا' اور جو معلومات مجھے حاصل ہوئیں وہ حیرت انگیز ہیں۔''

''کیا۔؟'' آفاق حیدر نے سوال کیا۔

''آپ یقین کریں آفاق صاحب میرے تو اوسان خطاء ہو گئے ہیں''

''سسپنس مت پیدا کرو' بتاؤ' یہ مسئلہ بالکل غیر سنجیدہ نہیں ہے اور نہ ہی میں اس سلسلے میں ایک لمحے کے لیے غیر سنجیدگی پسند کروں گا۔''

''میں غیر سنجیدہ نہیں ہوں آفاق صاحب' جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کا ایک ایک لفظ بالکل درست ہے۔''

''تو میں اس سے کب انکار کر رہا ہوں' مگر حقیقت کیا ہے یہ تو بتاؤ''

''میں نے کچھ کوائف جمع کیے ہیں جو بڑے حیران کن ہیں' مثلاً وہ خاتون شائل جن کا آپ نے تذکرہ کیا' فیصل آباد کی رہنے والی تھی' ان کے والد کا وہاں ایک آٹو گیراج تھا جو کچھ منفرد حیثیت کا حامل تھا۔ والدہ آزاد خیال خاتون تھیں' شائل کے والد کا انتقال ہوا تو ان کی والدہ نے شائل کو کراچی جا کر ملازمت کرنے کی اجازت دے دی۔ شائل کی غیر موجودگی میں فیصل آباد کی ایک بڑی شخصیت راؤ بدرالدین نے جو ایک باقاعدہ آرگنائزیشن سے تعلق رکھتا تھا' یہ آرگنائزیشن یا پھر اگر ہم مختلف الفاظ میں اس کا نام لیں تو قبضہ گروپ فیصل آباد کی ایک اور بڑی شخصیت سے منسلک تھا اور وہ دوسری بڑی شخصیت چوہدری کرم داد کی ہے' جس کے لامحدود وسائل اور لمبے ہاتھ کے بارے میں آپ بھی ضرور واقف ہوں گے' چوہدری کرم داد وہ شخصیت ہے کہ اگر وہ چاہتا تو وزیر اعلیٰ کے عہدے تک پہنچ سکتا تھا۔ لیکن وہ دوسرے قسم کا آدمی ہے' اس کے بارے میں اعلیٰ حکام اچھی طرح جانتے ہیں کہ سارے کالے دھندے اس کے نام پر ہوتے ہیں اور وہ انڈر ورلڈ کا بے تاج بادشاہ ہے' بہر حال راؤ بدرالدین نے وہ چھوٹی سی جگہ بھی ہتھیالی' اس کی ایک کمرشل ویلیو تھی جس کی وجہ سے راؤ بدرالدین اس جگہ کو حاصل کرنا چاہتا تھا' کچھ اس طرح کے حالات پیش آئے کہ شائل کی ماں کو خود کشی کرنا پڑی۔ وہ ایک ایک پیسے کو محتاج ہو گئی تھی اور خود کشی کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کیونکہ قرض دار اسے پریشان کر رہے تھے۔ شائل۔ ماں کی موت پر وہاں پہنچی جیسا کہ آپ کے علم میں ہے' اور وہاں پہنچ کر اسے حالات کا علم ہوا تو اس نے اپنی عمر کی نادانی اور ناتجربے کاری کا شکار ہو کر راؤ بدرالدین سے رابطہ قائم کیا اور اس کے پاس پہنچ گئی۔ وہاں اس نے راؤ بدرالدین سے سخت کلامی کی اور اس پر قاتلانہ حملہ بھی کر دیا۔ راؤ بدرالدین معمولی شخصیت نہیں تھی۔ شائل گرفتار ہو گئی اور اسے اطلاعات دی گئیں کہ راؤ بدرالدین مر چکا ہے اور اسے موت کی سزا ہو سکتی ہے'

شمائل بدستور نا تجربے کاری کا شکار رہی' راؤ بدرالدین زندہ تھا' معمولی سی چوٹ آئی تھی اسے۔ لیکن چوہدری کرم داد کا جس کے سر پر ہاتھ ہو وہ کیا نہیں کر سکتا' چنانچہ شمائل کے لیے بڑی سختیاں پیدا ہو گئیں' اور پھر اس کے پاس ایک وکیل توصیف اے شیخ کو بھیجا گیا' جس نے اسے صلاح دی کہ وہ پہلے تو اپنا کیس جج علی ضرغام کے پاس منتقل کرا دے کیونکہ جج علی ضرغام توصیف اے شیخ کا خاص آدمی ہے' وہ ایک معمولی سی سزا دے کر شمائل کو چھوڑ دے گا۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ عدالت میں شمائل اپنے جرم کا اعتراف کرے اور قاتلانہ حملے کی تصدیق کر دے ظاہر ہے شمائل ایک ذہین لڑکی تھی لیکن اسے کوئی قانونی تجربہ نہیں تھا' وہ وکیل کی ہمدردیوں کے سامنے جھک گئی اور اس نے وہی سب کچھ کیا اور جج علی ضرغام نے جو کہ چوہدری کرم داد کے پینل میں تھا اسے دس سال کی سزا دے دی' یوں شمائل بہت بڑے بڑے مگرمچھوں کا شکار ہو کر جیل پہنچ گئی۔''

''یہ ساری کہانی تو ہمارے علم میں آ چکی ہے اور جیل میں اس کی موت کی تصدیق بھی ہو چکی ہے' ظاہر ہے جیلر کو کیا پڑی تھی کہ جعلی رجسٹر تیار کرتا' یہ سارا کام تو معمول کے مطابق ہوا ہے' مزید کوئی خاص بات جو تم کہنا چاہتے۔؟''

''ہاں۔ بس ایسے ہی میں نے مزید تحقیقات کی تو بڑے عجیب انکشاف ہوئے۔''

''کیا۔؟'' آفاق حیدر نے سوال کیا۔

''راؤ بدرالدین کو قتل کر دیا گیا' بظاہر جو بات علم میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ اسے چوہدری کرم داد کے ایماء پر قتل کیا گیا' لیکن یہ بات بھی حلق سے اترتی نہیں ہے' کیونکہ راؤ' چوہدری کے بہت ہی خاص لوگوں میں سے تھا' اس کے بعد وکیل توصیف اے شیخ کو قتل کر دیا گیا' وہ بھی پراسرار حالات میں ہلاک ہوا اور سب سے آخر میں جج علی ضرغام بھی موت کا شکار ہو گیا' وہ اینٹی اسٹیٹ سرگرمیوں میں ملوث پایا گیا اور اسے

موت کی سزا دے دی گئی' یہ تینوں وہ تھے جنہوں نے شمائل کو نقصان پہنچانے میں نمایاں کردار انجام دیا تھا جبکہ چوہدری کرم داد کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں تھا' اصل میں آفاق حیدر صاحب بات صرف اتنی سی ہے کہ ان تینوں کی موت غیر قدرتی ہوئی اور بہت مختصر عرصے میں ہو گئی' اور اس کے بعد ہم شمائل کو دیکھتے ہیں جو بقول آپ کے سو فیصدی اسی شمائل کی ہمشکل ہے وہی آواز وہی انداز' بات ذرا بھی الجھی ہوئی نہ ہوتی' اگر ہم یہ بھی دیکھ لیتے کہ وہ جیل سے فرار ہوئی یا پھر کوئی اور ایسا عمل' اگر وہ جیل سے فرار ہوتی تو شبہے کی بات رہ جاتی لیکن اس کی موت ایک اور پراسرار کہانی پیدا کرتی ہے۔'' آفاق حیدر گہری سوچ میں ڈوب گیا' اس کے چہرے پر گھبراہٹ نظر آ رہی تھی۔

''تت ____ تو تمہارا مطلب ہے کہ ____''

''مطلب میرا وہی ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں' لیکن میرے پاس اس کے بعد کوئی تحقیق نہیں ہے' میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کے بعد کیا ہوا۔''

''یار کیوں مجھے خوفزدہ کر رہے ہو۔؟''

''آپ کو خوفزدہ۔؟'' شکیب نے حیرانی سے آفاق حیدر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں خوف کی بات تو ہے کیونکہ اسے میری ذات سے بھی تکلیف پہنچی ہے۔''

''کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بڑی عجیب سی بات ہے۔'' شکیب نے کہا اور خاموش ہو گیا' لیکن اس کے بعد وہ آفاق حیدر کے چہرے کی پیلاہٹوں کو بہت دیر تک دیکھتا رہا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ایک بڑا کاری وار تھا' اور وہ رات آفاق حیدر کے لیے بڑے وسوسوں کی رات تھی' اس وقت جب اس نے شمائل کو دھتکار دیا تھا اور کہا تھا

کہ ساری باتیں اپنی جگہ' گوریچہ خاندان کا ایک وقار ہے' ایک حیثیت ہے اس کی' وہ اس حیثیت کو متاثر نہیں کر سکتا' دنیا اتنے بڑے لوگوں کی تاک میں رہتی ہے اور ان کے خلاف اسکینڈل تلاش کرتی رہتی ہے' اخبار والے ان کا ناک میں دم کر دیں گے' پتہ نہیں کس کس طرح ان خبروں کو اچھالا جائے گا۔ ان تمام باتوں کو سوچ کر آفاق حیدر نے فیصلہ کیا تھا کہ شائل کو نظر انداز کر دینا ہی بہتر ہے وہ جانے اور اس کی تقدیر' اور یہ حقیقت ہے کہ اس وقت قصور صرف آفاق حیدر کا ہی نہیں تھا۔ شائل کی عمر کی ناتجربے کاری اسے لے ڈوبی تھی۔ اسے پہلے ہی مرحلے پر آفاق حیدر کو تمام صورت حال سے آگاہ کر دینا چاہیے تھا۔ مگر وہ خود ہی جذباتی ہو کر فلمی انداز میں اپنی ماں کی موت کا انتقام لینے نکل پڑی تھی اور حشر وہی ہوا تھا جو فلموں میں اس طرح کے لوگوں کا ہوا کرتا ہے۔ بہرحال کہانیاں تو اسی طرح بنتی ہیں' اگر وہ آفاق حیدر کو اس معاملے میں شامل کر لیتی تو کہانی کا رخ ہی مختلف ہوتا' لیکن اب یہ سب کچھ کیا ہے۔ ایک طرف شائل کی موت کی تصدیق ہو رہی ہے اور دوسری طرف اس کی زندگی کی' نہ صرف زندگی کی بلکہ اس عمل کی جو انتہائی خوفناک اور کسی زخمی ناگن کا ہوتا ہے' تین افراد قتل ہو چکے تھے اور یہ وہ تھے جنہوں نے شائل کو اس کے مستقبل سے محروم کر دیا تھا' حقیقت تو یہی تھی کہ آفاق حیدر نے سارے حالات ہموار کر لئے تھے اور کچھ ہی عرصہ جا رہا تھا کہ شائل اس کی زندگی کا حصہ بن جاتی' لیکن چند لوگوں نے ایسا نہیں ہونے دیا تھا اور بعد میں خود آفاق نے۔ وہ پوری رات اسے کانٹوں کے بستر پر گزارنی پڑتی تھی۔ شائل نے ذرہ برابر اعتراف نہیں کیا تھا کہ وہ آفاق حیدر کے ماضی کا کوئی حصہ ہے' پھر بھی دوسرے دن اس نے فون پر شائل سے رابطہ قائم کیا۔

''میڈم آپ سے کچھ ذاتی بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔''

''آفاق حیدر صاحب۔''

''ہاں' آپ مجھے جانتی تو ہیں ناں۔''

''آفاق حیدر صاحب' کتنا احمقانہ سوال ہے یہ' ہم نے آپ کو جو عظیم الشان رقم پیش کی ہے اس کے بعد بھلا ہماری اور آپ کی شناسائی نہیں ہوگی' کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔''

''جی جی جی بالکل۔ تو میڈم آپ نے ہمیں اجازت دی تھی کہ اگر کبھی ملاقات کرنا چاہیں تو ______''

''ٹیلی فون بہترین ذریعہ ہے' ویسے آپ ہمارے کلائنٹ ہیں' اگر کوئی کاروباری بات چیت ہے تو بتائیے۔''

''نہیں غیر کاروباری ہے۔ میں آپ کو کسی عمدہ سے بلکہ آپ کے پسند کے کسی ہوٹل میں ڈنر دینا چاہتا تھا۔''

''دیکھئے آفاق حیدر صاحب' آپ خود بھی ایک باعزت شخصیت ہیں اور یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ باعزت رہنے کے لیے اسکینڈلز سے بچنا ہوتا ہے۔ آپ ہمارے کلائنٹ ہیں' اگر کہیں کسی کی نگاہ ہم پر پڑ گئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ یہی کہا جائے گا کہ یہ کاروباری ڈیل گہری ہوتی جا رہی ہے رعایتیں حاصل کرنے کے لیے۔''

''آپ حد سے زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کر رہی ہیں شائل صاحبہ' ایسی بات نہیں ہے۔''

''پھر بھی' معذرت چاہتی ہوں' ہاں اگر کوئی خدمت ہو میرے لیے تو بتائیے۔''

''میں آنا چاہتا ہوں آپ کے پاس۔''

''میں نے عرض کیا نا کوئی کاروباری الجھن ہے تو آپ ضرور تشریف لائیے' ورنہ آپ کو اندازہ ہے دفتر میں کتنی مصروفیتیں ہوتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے پھر ایسا کیجئے' اگر کبھی آپ کے پاس کچھ وقت ہو تو براہ کرم مجھے

فون کر دیجئے گا۔'' شمائل نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ فون بند کر دیا تھا' نجانے کیوں اس ہلکی سی ہنسی میں آفاق کو اپنی بدترین توہین کا احساس ہوا تھا۔

شکیب نے تابوت کی آخری کیل ٹھونکی اور اربوں روپے لے کر غائب ہو گیا۔ یہ کام بہت مشکل تھا لیکن لگتا تھا کہ شکیب نے صرف ایک ہی بار مار کھائی ہے' یعنی یہ کہ وہ شمائل کو اپنے ٹرانس میں لانے میں ناکام رہا ورنہ وہ ایک ساحر تھا' ایک ایسا ساحر جس کا سحر کبھی خالی نہیں جاتا تھا اور وہ ہر کام کر لیا کرتا تھا۔ پھر این ورسل کو ایک ٹیلی فون کال موصول ہوئی جس میں اسے اطلاع دی گئی تھی کہ اس کے نئے پارٹیز کا دیوالہ نکل گیا ہے اور وہ قلاش ہو گیا ہے' این ورسل ایک ذمے دار فرم تھی' بہت بڑی حیثیت کی مالک' فوراً ہی اندرونی طور پر کارروائی شروع ہو گئی۔ آفاق حیدر یہاں بری طرح مار کھا گیا تھا' شکیب نے اسے کانوں کان خبر نہیں ہونے دی تھی کہ کیا ہوا ہے' لیکن جو ہوا تھا وہ کیا جا چکا تھا اور اب کوئی گنجائش نہیں تھی' شکیب گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گیا تھا۔ بہت ہی پرلطف بات یہ تھی کہ خود شمائل کو اب یہ نہیں معلوم تھا کہ شکیب کہاں ہے' ہاں شکیب نے آخری ٹیلی فون کر کے اسے اطلاع ضرور دی تھی۔

''میڈم! آپ کا خادم بول رہا ہے۔''

''شکیب۔''

''جی میڈم۔''

''کہو کئی دن کے بعد تم نے فون کیا۔''

''آپ ہی کی ہدایت تھی میڈم کہ احتیاط رکھوں۔''

''ٹھیک۔ کہو کیا ہو رہا ہے۔''

''میڈم ہو رہا ہے نہیں ہو چکا ہے۔'' شکیب نے جواب دیا اور شمائل اچھل پڑی۔

''کیا مطلب' کیا مطلب۔؟'' اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ

کہا۔

''میڈم! جو منصوبہ تھا میں نے اس کی تکمیل کر ڈالی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد میرا پاکستان میں رہنا مناسب نہیں ہے۔''

''یعنی شکیب یعنی' تم نے' تم نے۔''

''قطعی طور پر میڈم' میں نے اسے دیوالہ کر دیا ہے اور اس کے اثاثے اس طرح محفوظ کر دیئے ہیں کہ اس کے فرشتوں کو بھی ان کا پتہ نہ چلے' میڈم یوں سمجھ لیجئے کہ ہم نے اس سے اس کی ساری دولت چھین لی ہے اور اب اسے جن حالات کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور اس کا کبھی اس نے عالم خواب میں بھی تصور نہیں کیا ہوگا۔''

''ویری گڈ۔''

''البتہ ایک سوال آپ سے کرنا چاہتا ہوں میڈم۔'' شکیب نے کہا۔

''ہاں بولو۔''

''میڈم یہ دولت اتنی بڑی ہے آپ کو اس کا اندازہ ہے' آیا تو میں آپ کو بلیک میل کرنے تھا' لیکن اب یہ سوچتا ہوں کہ اتنا بڑا منافع حاصل ہوا مجھے' میڈم آپ مجھے بتایئے' ویسے تو میں اسے آسانی سے کینیڈا منتقل کر لوں گا' لیکن آپ کا کیا حکم ہے اس بارے میں' ایک اچھے دوست کی حیثیت سے میں آپ سے یہ سوال کر رہا ہوں۔'' شمائل کچھ دیر خاموش رہی پھر اس کی ٹھہری ہوئی آواز فون پر ابھری۔

''شکیب! خاصا عرصہ رہ چکے ہو میرے ساتھ' میرے بارے میں بہت سے اندازے لگا چکے ہو گے تم' بہت معمولی شخصیت ہے میری' ایک بہت درمیانے درجے کے گھرانے میں آنکھ کھولی' پڑھا لکھا' بہت سی آرزوئیں دل میں تھیں جو پوری نہیں ہوئیں' اس وقت جب نوخیزی تھی تو دل میں یہ خواہشیں تھیں کہ ایک راج محل ہو جہاں میں راج کروں' راج محل کی تلاش میں نجانے کیا کیا کھو دیا۔ اپنا وقار' اپنی آن' اپنی منزل' یہاں تک کہ اپنی ماں' شکیب دولت سے نفرت ہو گئی مجھے۔ ایک دولت مند

گھرانہ ہی تو چاہا تھا میں نے اپنے لیے' اور بری ماں نے بھی اس کی اجازت دی تھی مجھے' مگر میں نے اپنی پہلی لغزش کو محسوس کیا' شکیب میں نے اپنی پہلی لغزش کو محسوس کیا' نہ میرا مذہب مجھے اس کی اجازت دیتا تھا' نہ سماج' نہ اخلاقیات' میں نے سب کچھ پامال کر دیا' اور ایک دولت مند گھرانے کی جستجو میں دوڑ پڑی۔ حالانکہ میرا ضمیر داغدار تھا' مجھے اپنی نسوانیت کے کھونے کا شدید احساس تھا' لیکن دولت مند بننے کی خواہش نے سارے احساسات دبا دیئے تھے' اور مجھے اس کی پہلی سزا اماں کی موت کی شکل میں ملی' میں نے گناہ کیا تھا' دنیا سے تو یہ گناہ چھپا سکتی تھی میں۔ اپنے خدا سے تو نہیں' بہر حال ماں میری ایک چاہت تھی۔ میری زندگی کا ایک حصہ تھی۔ پھر اس کے بعد مجھے میرے گناہوں کی سزائیں ملتی رہیں' لیکن آخرکار مجھے میری کشتی کا ناخدا مل گیا' میں نہیں جانتی کہ میری دعا کیسے قبول ہو گئی۔ سلطان۔ درحقیقت سلطان۔ ایک انتہائی کشادہ اور فراخ دل انسان' مل جانے کی بات میں اس وقت کرتی ہوں جب سلطان نے مجھے اپنی زندگی میں شامل کیا' یہاں بھی ایک گناہ ہوا تھا مجھ سے لیکن یوں سمجھ لو شکیب کہ وہ میرا بدترین دور تھا' دنیا سے بیزاری' دنیا والوں سے نفرت' یہ دونوں چیزیں مل کر میرا گناہ بن گئیں۔ سلطان نے مجھے جو عزت جو مقام دیا وہ میرے لیے صحیح معنوں میں تاج محل سے زیادہ قیمتی ہے' میں جو دولت پسند تھی' اب اگر میں یہ الفاظ کہوں تو غلط نہیں ہوں گے کہ میں سلطان پسند ہوں میرے پاس سلطان ہیں اور سلطان سے بڑی دولت کوئی نہیں ہے' یہ جو کچھ ہوا ہے اور تم جس کے لیے میرے معاون بنے ہو شکیب' یہ صرف انتقام کے وہ جذبے تھے جو میرے دل میں پل رہے تھے' تم خود بتاؤ ایک اتنی کمزور شخصیت جو کسی کا کچھ نہ بگاڑ سکے' کیسے کیسے مہیب درندوں کے جبڑوں میں جا پھنسی تھی۔ شکیب یہی سب کچھ ہوا ہے۔ خیر میرا خیال ہے میری بھڑاس نکل گئی' میں نے تمہارے ایک سوال کے جواب میں بڑی طویل باتیں کر دیں۔ تم مجھے بلیک میل کرنے آئے تھے نا' مجھ سے رقم حاصل کرنا چاہتے تھے جو کچھ تمہیں مل گیا جاؤ عیش

کرو۔ بس' ہماری تمہاری داستان یہیں ختم ہو جاتی ہے۔'' دوسری طرف کافی دیر تک خاموشی طاری رہی تھی' پھر شکیب کی آواز ابھری۔

''خدا حافظ میڈم' خدا حافظ۔''

◇◇◇

آفاق حیدر بھونچکا رہ گیا' این ورسل سے اسے مسٹر ورسل کا فون ملا تھا۔ جو این ورسل کے ڈائریکٹر جنرل تھے۔

''مسٹر آفاق حیدر' کیا آپ اپنے آفس میں موجود ہیں۔؟''

''ہاں مسٹر ورسل۔ خیریت۔؟''

''براہ کرم میرا انتظار کیجئے' میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

''تشریف لے آیئے۔'' آفاق حیدر نے کہا۔

''آپ براہ کرم انتظار کیجئے گا۔'' دوسری طرف سے فون بند ہوگیا' لیکن آفاق حیدر کو مسٹر ورسل کا یہ لہجہ بڑا عجیب لگا تھا' ملاقاتیں اکثر ہوتی رہتی تھیں' لیکن اس طرح اصرار مسٹر ورسل نے کبھی نہیں کیا تھا' پھر تھوڑی دیر کے بعد مسٹر ورسل اندر داخل ہوئے تو ان کے ساتھ چار افراد تھے۔ تیز چہرے اور تیز آنکھوں والے' وہ سب کے سب اس طرح اندر آئے کہ آفاق حیدر کو حیرت ہوئی۔ تاہم مسٹر ورسل اس کے بزنس پارٹنر تھے اس لیے اس نے یہ سب کچھ برداشت کیا اور بولا۔

''کہیئے مسٹر ورسل' اچانک اس طرح اور یہ کون لوگ ہیں۔؟''

''ان کا تعلق سی بی آئی سے ہے' اور میں نے ان سے درخواست کی تھی کہ ہم

ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ کے پاس جارہے ہیں' اس لیے ابھی وردی نہ استعمال کی جائے۔ لوگ فوراً ہی کہانیاں بنا دیں گے۔ پہلے مسٹر آفاق حیدر سے تفصیلات معلوم کرلی جائیں۔''

''کیا بات ہے۔؟'' آفاق حیدر کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ پچھلے کئی دنوں سے اس وقت سے جب سے شکیب نے شمائل کے بارے میں وہ تفصیلات بتائی تھیں' راؤ بدرالدین' توصیف اے شیخ اور علی ضرغام کی موت کی کہانی سنائی تھی' آفاق حیدر کو اپنے گلے میں کوئی چیز پھنستی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے موت کا پھندہ اس کے حلق کو کس رہا ہو کیونکہ وہ بھی تو شمائل کا مجرم تھا اور شمائل۔ بہرحال وہ ایک مضبوط شکل میں موجود تھی۔ ان پراگندہ خیالات نے آفاق حیدر کے چہرے کی جھریوں میں کچھ اور اضافہ کردیا تھا۔ اور اس کی بیوی نرجس بارہا اس کے کہہ چکی تھی۔

''آفاق! کیا تم بہت تیزی سے بوڑھے نہیں ہورہے ہو' اور پھر کچھ دنوں سے تو میں تمہیں سخت پریشان دیکھ رہی ہوں۔''

''اپنے کام سے کام رکھو۔'' آفاق نے ترش لہجے میں کہا تھا اور نرجس اس کا منہ دیکھتی رہ گئی تھی۔ اور اس وقت مسٹر ورسل کے یہ الفاظ آفاق کے لیے ایک خوف کا باعث تھے۔

''بات کیا ہے مسٹر ورسل۔؟''

''اگر آپ ابھی تک اس بات کو سوال کے انداز میں پوچھ رہے ہیں مسٹر آفاق حیدر تو مجھے حیرانی ہوگی کیونکہ گوربچہ خاندان معمولی خاندان نہیں ہے' اور آپ لوگ بزنس میں اپنا اعلیٰ مقام رکھتے ہیں' کیا آپ کو اس بات کا علم نہیں ہے یا پھر آپ بہت اعلیٰ درجے کا فراڈ کررہے ہیں۔''

''اپنے الفاظ کا احساس ہے آپ کو مسٹر ورسل۔؟''

''ہاں کیونکہ میں بھی اس نقصان میں برابر کا شریک ہوں اور یہ نقصان میں برداشت نہیں کرسکوں گا کیونکہ اس سے میرا پورا کیریئر تباہ ہو جاتا ہے۔''

''کونسے نقصان کی بات کر رہے ہیں آپ۔؟''

''جس کمپنی کے حوالے سے یا پھر میں یہ کہوں کہ جس انٹرنیشنل آرگنائزیشن کے حوالے سے آپ نے میرے ساتھ مل کر کاروبار کا آغاز کیا تھا۔ اس کاروبار کا تعلق اس آرگنائزیشن سے بالکل نہیں ہے اور وہ رقم میں نے آپ کے ساتھ مل کر پارٹنرشپ کی بات کی تھی اور جو اتنی بڑی رقم ہے کہ اس سے ایک بستی بسائی جاسکتی ہے' وہ رقم اب نہ آپ کے اکاؤنٹ میں ہے اور نہ میرے اکاؤنٹ میں۔ خیر اتنا تو میں جانتا ہوں کہ وہ رقم آپ کے کسی خفیہ اکاؤنٹ پہنچ چکی ہوگی جو آپ کے نام سے نہیں ہوگا لیکن میں اس سے محروم ہو چکا ہوں' کمپنی سے رابطہ قائم کرنے پر مجھے یہ ساری تفصیلات معلوم ہوئیں کہ اس کمپنی سے ہمارا کوئی الحاق ہی نہیں ہے۔''

''کک کیا' کیا کہہ رہے ہیں آپ۔؟''

''جی' آپ خود یہ کام کرسکتے ہیں' یہ آفیسر آپ کو اس کا پورا پورا موقع دیں گے۔''

''مسٹر ورسل نے ایف آئی آر درج کرادی ہے اور ہیڈ کوارٹر سے ہمیں ہدایات ملی ہیں کہ آپ کو اپنی تحویل میں لے لیں' آپ کو پورا پورا موقع دیا جائے گا کہ آپ اپنے وکیلوں کے پینل سے ملاقات کریں اور اس سلسلے میں تحقیقات کرلیں۔''

''مم ____ میں' ایک فون کرسکتا ہوں' اپنے ہی آفس میں بیٹھ کر ہی۔'' آفاق حیدر نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں ہاں ضرور' بہرحال ہم آپ کا احترام کرتے ہیں۔'' آفاق حیدر نے شکیب کو فون کیا گھنٹی بجتی رہی' لیکن دوسری طرف سے کسی نے فون ریسو نہیں کیا تھا۔''

''جی حکم دیجئے۔''

''کیا کرنا ہے مجھے۔؟''

''ہمارے ساتھ چلنا ہوگا آپ کو معاف کیجئے گا' باقاعدہ ایف آئی آر ہے آپ کی' آپ کو لاک اپ کرنا پڑے گا۔''

آفاق حیدر لرزتے قدموں سے اٹھ گیا تھا۔ لیکن چند قدم چلنے کے بعد اچانک ہی اس کے ذہن میں شدید چھناکا سا ہوا۔ 'شمائل' شمائل' شمائل۔' ایک بار اس کا دل چاہا کہ شمائل کو بھی فون کرے' لیکن پھر اس نے یہ ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ البتہ لاک اپ میں اس کے وکیلوں نے اس سے ملاقات کی۔

''میں آپ لوگوں کو سب سے پہلے شکیب کی جانب متوجہ کرتا ہوں' براہ کرم فوری طور پر اسے تلاش کیجئے' وہ ان تمام کاروائیوں کا روح رواں ہے' اب تو مجھے یہ شبہہ ہو رہا ہے کہ شاید اس نے بھی مجھ سے دھوکہ ہی کیا' حالانکہ وہ صرف ایک کمیشن ایجنٹ تھا' لیکن میں نے ____'' آفاق حیدر نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ پھر اس کے بعد مزید کاروائیاں ہوئیں وکیلوں نے حیدر زمان صاحب کو اس بارے میں اطلاع دی اور وہ بیٹے کی ضمانت کرانے متعلق تھانے پہنچ گئے۔ انچارج نے انہیں بڑے احترام سے بٹھایا اور بولا۔

''محترم بزرگ! گوریچہ خاندان سے ہماری واقفیت بھی نئی نہیں ہے' لیکن ان کی ضمانت اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ این ورسل کی رقم کا معاملہ نہ طے ہو جائے' بے شک تحقیقات کے بعد مقدمہ قائم کیا جائے گا اور ساری کاروائیاں ہوں گی' لیکن ہم ابھی ان کی ضمانت نہیں دے سکتے۔ ہاں عدالت مجاز ہوتی ہے' ہم ان کا ریمانڈ پیش کریں گے۔ آپ اس وقت کوشش کرسکتے ہیں۔'' حیدر زمان پر بجلی سی گر پڑی تھی' بیٹے کو آہنی سلاخوں کے پیچھے دیکھ کر انہیں ایک عجیب سا احساس ہوا تھا' ظاہر

ہے ایسی خبریں چھپی نہیں رہتیں' ملک بھر کے اخبارات نے گوریچہ خاندان کی سوانح شائع کی تھی' ان کی شان و شوکت کی داستانیں بیان کی گئی تھیں۔ اسی دوران حیدر زمان صاحب نے بذات خود شائل سے بھی ملاقات کی' کونسل نے اپنے معاملات جاری کر دیئے تھے' ایک طرف این ورسل' دوسری طرف بینکنگ کونسل' بہت بڑا کیس قائم ہو گیا تھا' شائل کو دیکھ کر حیدر زمان صاحب نے کہا۔

''بیٹی! تم سے میری پہلے کبھی ملاقات ہو چکی ہے۔''

''آپ نے مجھے کہیں دیکھا ضرور ہوگا اور جہاں تک ملاقات کی بات ہے تو میرا خیال ہے ہم لوگ پہلے کبھی نہیں ملے۔''

''لگ رہا ہے مجھے ویسے بیٹے آپ مجھے کوئی رعایت دے سکیں گی؟''

''میں ایک گورنمنٹ کی ملازم ہوں جناب۔ میرا کوئی ذاتی معاملہ نہیں ہے' اس لیے معذرت چاہتی ہوں۔'' شائل نے حد درجے خشک لہجے میں کہا۔

حیدر زمان واقعی ایک اعلیٰ شخصیت کے مالک تھے وزیر خزانہ تک جا پہنچے۔ وزیر خزانہ نے ان سے ہمدردی کا اظہار کیا اور پھر بے شمار تجربے کار لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد انہوں نے کہا۔

''حیدر زمان صاحب' صرف ایک کام ہو سکتا ہے وہ یہ کہ جتنی رقم بینکنگ کونسل نے ادا کی ہے وہ اسے واپس کر دی جائے اور جتنی رقم این ورسل نے اس کاروبار میں انویسٹ کی ہے وہ ادا کر دی جائے تو میں کوشش کروں گا کہ آفاق حیدر پر مقدمہ قائم نہ ہو۔''

''میں اس رقم کی تفصیلات معلوم کر لوں اور اس کے بعد اپنے اثاثوں کو دیکھوں گا' کیا مجھے اس کے لیے وقت مل سکتا ہے۔؟''

''ہاں آپ کی نیک نامی اور ملک میں آپ کی عظیم سرمایہ کاری کو مدنگاہ

رکھتے ہوئے میں ذاتی طور پر کوشش کر کے آپ کو وقت دلوا سکتا ہوں۔''

''آپ کا بے حد شکریہ۔'' حیدر زمان نے وزیر خزانہ سے کہا۔

گوریچہ خاندان کے اثاثے فروخت ہونے لگے۔ جو رقم آفاق حیدر نے خرچ کی تھی وہ معمولی رقم نہیں تھی۔ اتنی بڑی رقم کہ سوچا بھی نہ جا سکے' گوریچہ خاندان کے تمام اثاثے بک رہے تھے اور اخبارات ان کے بارے میں افسوس ناک آرٹیکل لکھ رہے تھے' لیکن بہرحال یہ سب کچھ ہونا تو تھا' آفاق حیدر کو اس وقت تک کوئی رعایت نہیں دی گئی جب تک کہ تمام رقومات حکومت کو واپس نہ کر دی گئیں' اس سلسلے میں بینکنگ کونسل کی چیئرپرسن شائل کا رویہ انتہائی سخت رہا تھا' بہت سی سفارشیں اس تک پہنچی تھیں لیکن اس نے نہایت سختی سے ان سفارشوں کو مسترد کر دیا تھا اور کہا تھا کہ صرف اور صرف رقم خزانے میں جمع کرا دی جائے' وہ اپنا کیریئر خراب نہیں کرنا چاہتی۔

اس کے بعد این ورسل کے واجبات ادا کرنے پڑے اور یوں گوریچہ خاندان بالکل قلاش ہو گیا' یہاں تک کہ وہ عالیشان محل نما کوٹھی جس کے پاس سے لوگ گزرتے تھے تو اس کی شان و شوکت اور حسن کی تعریف کرتے تھے۔ وہی کوٹھی جس میں ایک بار داخل ہوتے ہوئے شائل کے پاؤں لرز رہے تھے' اور اس میں داخل ہونے کے بعد وہ سنگ مرمر کے حسین فرش کو طے کرتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی کہ کل یہ سنگ سفید اس کے قدموں تلے ہوگا' اسے اس کوٹھی کے فروخت ہونے کی اطلاع بھی ملی' ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں یہ خیال ابھرا کہ کیوں نہ اس کوٹھی کو خریدنے کی کوشش کی جائے لیکن یہ زیادہ ہوتا' بہت زیادہ ہوتا' وہ اسے خرید کر وہاں اصطبل بھی بنوا دیتی' تب بھی اس کے وہ کھوئے ہوئے لمحے تو واپس نہ آ سکتے جو اس نے نجانے کیسی کیسی اذیتوں کے درمیان گزارے تھے۔ بہرحال گوریچہ خاندان کے لوگ ایک چھوٹے سے گھر میں منتقل ہو گئے۔ وہ انتہائی دردناک حادثے کا شکار ہوئے تھے۔ سبھی لوگ منتشر تھے'

لیکن سب سے زیادہ ذہنی انتشار کا شکار آفاق حیدر تھا' ایک طرح سے ذہنی مریض بن چکا تھا' جسم سے جیسے سارا لہو نچڑ گیا ہو' تنہائی میں بیٹھا بڑبڑاتا رہتا تھا۔ نجانے کیا کیا خیالات دل میں آتے رہتے تھے'

نرجس نے اس موقع پر ساتھ نہیں دیا اور حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے والدین کے گھر چلی گئی۔ بہر حال وہ بھی معمولی حیثیت کی مالک نہیں تھی۔ گھر میں اب کسی ملازم کا وجود نہیں تھا۔ حیدر زمان' ان کی بیگم اور ایک آدھ ایسا رشتے دار موجود تھا جس کا اپنا بھی کوئی سہارا موجود نہیں تھا۔ ایک عجیب بے کسی اور بے بسی اس گھر میں بکھری ہوئی تھی۔ حیدر زمان صاحب بھی بس یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ زندگی کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ بس ایک بار انہوں نے افسردگی سے کہا تھا۔

''اصل میں بیٹے تجربہ کبھی کسی تعلیم سے نہیں آتا' تجربے کے متعلق کبھی کوئی ایجوکیشن نہیں دی جاتی' تجربہ زندگی کا نچوڑ ہوتا ہے' عمر آگے بڑھتی ہے۔ واقعات اور حالات بلندیوں اور پستیوں کا ادراک کرتے ہیں تب کہیں جا کر تجربہ زندگی میں شامل ہوتا ہے' پتہ نہیں کیوں تم نے اپنے باپ سے الگ ہو کر اپنے آپ پر تجربہ کیا تھا' لیکن بیٹے وہ تجربہ تمہارا اپنے آپ پر نہیں رہا بلکہ ہم سب اس کا شکار ہو گئے۔ دولت تو آنی جانی چیز ہے' ہم نے زندگی میں سارے عیش کر لئے لیکن اصل میں ایک ساکھ جو چلی آ رہی تھی گور بچہ خاندان کی وہ خاک میں مل گئی۔ اب لوگ ہمیں دیکھتے ہیں تو مذاق نہیں اڑاتے کیونکہ ہم نے کسی کا مذاق نہیں اڑایا لیکن ان کی آنکھوں میں ہمدردی ہوتی ہے' اور یقین کرو اگر وہ ہم پر ہنسیں تو اتنا دکھ نہ ہو جتنا مجھے ان کے چہرے پر حزن و ملال دیکھ کر ہوتا ہے۔''

آفاق حیدر کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا' دل تو چاہتا تھا کہیں کہ ان کا تجربہ ناکام نہیں ہوا' ان کا بزنس فیل نہیں ہوا بلکہ وہ انتقام کا شکار ہو گئے' اور

جس نے یہ انتقام لیا صحیح انتقام لیا' غلط نہیں تھا' ان کا دل بہت زیادہ چاہتا تھا کہ شمائل کے پاس جائیں' اب یہ یقین تو انہیں ہو چلا تھا کہ یہ سب کچھ بلاوجہ اور بے مقصد نہیں ہوا ہے' اس کا ایک پس منظر ہے سو فیصدی اس کا ایک پس منظر ہے' اور شمائل اس کی روح رواں' لیکن اس سے کہیں تو کیا کہیں۔ کئی دن تک سوچتے رہے آخر کار دل چاہا کہ شمائل کی آواز ہی سن لیں' کیا کہتی ہے وہ' یہ پتہ چلا لیں۔ چنانچہ انہوں نے شمائل کو فون کیا' دوسری طرف سے شمائل کی سیکریٹری سے رابطہ قائم ہوا۔

''میں میڈم شمائل سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کون صاحب ہیں آپ۔؟''

''میرا نام آفاق حیدر ہے۔''

''جی میں میڈم سے بات کرتی ہوں' آپ براہ کرم انتظار کیجئے گا۔'' سیکریٹری کی آواز سنائی دی' پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد شمائل کی آواز ابھری۔

''جی آفاق صاحب کیسے مزاج ہیں آپ کے۔''

''ٹھیک ہوں ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی جی فرمایئے۔''

''میڈم' آپ کا تھوڑا سا وقت درکار ہے' ایک بار میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ میں آپ کو ڈنر دینا چاہتا ہوں' آپ نے مسترد کر دیا تھا' دل تو یہ چاہتا تھا کہ آپ سے پھر ایک بار یہی بات کہوں کہ میڈم میرے ساتھ کسی اچھے ہوٹل میں ڈنر کیجئے' لیکن اب میں یہ الفاظ نہیں کہہ سکتا چونکہ میں کسی اچھے ہوٹل کا بل ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں۔''

''جی آگے کہیئے۔'' شمائل کی آواز ابھری۔

''آپ کے دفتر میں حاضری دینا چاہتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آپ جتنا

وقت دیں گی اتنا ہی وقت لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔فوری ملاقات کرنی ہے۔؟"

"نہیں اپنی سہولت کے مطابق۔"

"تو پھر آپ ایسا کیجئے کل ایک بجے آجایئے' لنچ ٹائم میں آرام سے بات ہوگی' جلدی بھی نہیں رہے گی۔"

"میں کل حاضر ہو جاؤں گا۔لیکن براہ کرم اپنے چپراسی کو ہدایت کر دیجئے' کہیں مجھے دروازے ہی سے نہ بھگا دے۔"

"نہیں ایسا نہیں ہوگا' آپ اطمینان رکھئے گا۔" شمائل کی سپاٹ آواز ابھری اور اس نے فون بند کر دیا' آفاق حیدر اس آواز پر غور کرتا رہا۔اگر یہ شمائل ہی ہے تو اس کا لہجہ اتنا ہی کھردرا ہونا چاہیے' لیکن اب اگر کی گنجائش نہیں تھی' اسے یقین تھا کہ وہ شمائل ہی ہے' کس طرح اس نے اپنی زندگی کو یہ رنگ دیا یہ وہی جانتی ہے یا پھر اللہ جانتا ہوگا' لیکن اب اسے کریدنا نہیں چاہیے' وہ وقت کی فاتح ہے۔

شمائل نے اس شخص کو دیکھا' بہت عرصے پہلے ایک بار یہ اسی طرح داخل ہوا تھا اور اسے دیکھ کر شمائل نے سوچا تھا کہ کیا ہی اچھی شخصیت ہے' کیسا بلند و بالا قد ہے اور کتنا شفاف چہرہ ہے' روشن چمکدار آنکھوں والا یہ شخص اگر اس کی زندگی بھر کا ساتھی بن جائے تو۔اسے ایک آواز سنائی دی۔

"میری نگاہ میں دولت ہی سب کچھ نہیں ہے' لیکن خدا کے لیے یہ بات کبھی میرے باپ کے سامنے نہ کہہ دیجئے گا۔" لیکن اس وقت ایک جھکے ہوئے شانوں والا شخص' زمانے سے ہارا ہوا' چہرے پر جھریاں لئے' آنکھوں میں دھندلاہٹیں لئے اس کے سامنے تھا' جبکہ شمائل جوانی کی حدت سے دمک رہی تھی۔اس کے بال سیاہ گھٹاؤں کی طرح اُمڈے چلے آرہے تھے' گالوں پر خون کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا' ہونٹوں کی

گداز کیفیت میں مزید اضافہ ہو چکا تھا اور روشن آنکھوں کی چمک سامنے والے کی آنکھوں میں پڑ کر اسے پلکیں جھپکنے پر مجبور کر دیتی تھی۔اس نے پر متانت انداز میں آفاق حیدر کو خوش آمدید کہا۔

"آیئے آفاق صاحب' تشریف رکھیئے۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔آفاق نے پہلی کرسی کھینچی' پھر دائیں طرف کی' پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بائیں طرف کی' اور آخر میں اسے اس کی جگہ رکھ کر اس پر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگا' دو تین بار اس کی گردن دائیں بائیں ہلی۔اس نے چھت کی طرف دیکھا' ہاتھوں نے کسی بے نام سی شئے کو پکڑنے کی کوشش کی' اور آخر کار دونوں ہاتھ میز پر گئے اور اس کے منہ سے آواز نکلی۔

"شش ______ شکریہ۔"

"کیسے مزاج ہیں آپ کے۔؟ شمائل نے پوچھا۔

"ٹھ ______ ٹھیک ٹھیک ہوں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"فرمایئے' میرے لائق کوئی خدمت' کوئی نیا قرض درکار ہے آپ کو'

"قرض' ہاں قرض درکار ہے۔"

"سوری آفاق صاحب آپ ڈیفالٹر ہو چکے ہیں اور اب تو آپ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے' سنا ہے کرائے کے مکان میں رہتے ہیں' اب آپ کو کس بنیاد پر قرض دیا جا سکتا ہے۔"

"مم ______ مجھے یہ قرض کرنسی کی شکل میں نہیں چاہیے بلکہ بلکہ مم ______ معافی مانگنا چاہتا ہوں قرض کی حیثیت سے۔شمائل نے ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اور بولی۔

"معافی قرض کے طور پر۔بھئی بینکنگ کونسل نے آج تک ایسا کوئی قرض

کبھی کسی کو نہیں دیا۔ یہ ایک انوکھا تصور ہے کہ قرض میں معافی مانگی جارہی ہے' بھلا یہ قرض کیسے دیا جائے گا اور اس کی واپسی کیسے ہوگی۔؟''

''قرض زبانی دیا جائے گا کچھ الفاظ کے ساتھ اور واپسی کفارے کی شکل میں ہوگی' زندگی بھر احسان مند رہ کر' دعائیں دے کر۔''

''دلچپ باتیں کر رہے ہیں آپ آفاق صاحب' ایسی معافیاں تو بزرگوں اور مزاروں پر مانگی جاتی ہیں اپنے گناہوں کی' اور وہیں سے یہ قرض ملتا بھی ہے' آپ کہاں آگئے کسی نے غلط مشورہ دیا آپ کو' ہم تو کرنسی میں قرض دیتے ہیں' یہ زبانی جمع خرچ تو کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔''

''شمائل وہ میں' دراصل میڈم آپ ______'' آفاق حیدر نے ہاتھوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا' اس کے اندر بالکل اب نارمل انسانوں جیسی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔

''وہ ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔''

''ہاں ہاں پوچھئے' ٹھہریئے' میں آپ کے لیے کچھ منگواتی ہوں۔''

''پپ ______ پانی منگا دیجیے پانی۔''

''جی جی اس کے علاوہ آپ کیا پیئں گے چائے یا کافی۔؟''

''وہ میں' چائے چائے پی لوں گا۔''

''جی' جی' جی۔'' شمائل نے اردلی کو بلایا اور اسے چائے کے لیے کہہ دیا' ساتھ ہی اسے ہدایت کی کہ پانی کا جگ اور گلاس فوراً پہنچادے' اردلی نے ایک لمحے میں شمائل کے حکم کی تعمیل کی تھی' وہ چلا گیا تو آفاق حیدر نے دو گلاس پانی پیا اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''شکریہ۔''

''ہاں کچھ پوچھ رہے تھے آپ۔'' شمائل بولی۔

''آپ وہ میرا مطلب ہے آپ وہی شمائل ہیں' ______ فیصل آباد فیصل آباد والی۔'' شمائل نے گہری نگاہوں سے آفاق حیدر کو دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

''ہاں آفاق' وہی شمائل ہوں میں سو فیصدی آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔''

''ہیں۔'' آفاق کی آنکھیں پھیل گئیں اور منہ کھلے کا کھلا رہ گیا' کچھ دیر تک وہ اسی انداز میں رہا پھر اس نے جگ پر ہاتھ ڈالا' اسے اٹھایا نیچے رکھ دیا' پھر گلاس اٹھایا اور اس کے بعد حسرت بھری نگاہوں سے جگ کو دیکھنے لگا۔ شمائل نے جلدی سے آگے بڑھ کر جگ اٹھایا اور گلاس میں پانی انڈیل دیا' آفاق نے وہ گلاس بھی اپنے حلق میں انڈیل لیا پھر اس نے کہا۔

''شش ______ شکریہ شکریہ۔'' اتنی دیر میں اردلی چائے لے آیا تھا' اس نے برتن سامنے رکھے تو شمائل نے اس سے کہا۔

''ٹھیک ہے جاؤ۔'' جب اردلی باہر نکل گیا تو شمائل نے چائے کے برتن اپنی جانب کھسکائے اور چائے بنانے لگی۔

''وہ ______ آپ زحمت میں' خود ______''

''نہیں آفاق صاحب' آپ کے لیے میں نے بہت سی بار چائے بنائی ہے بھول گئے آپ' ہمیشہ میں ہی آپ کو چائے بنا کر دیتی تھی' میں جانتی ہوں کہ آپ چینی ڈیڑھ چمچہ پیئں گے اور دودھ آدھا چمچہ' کیا اب بھی آپ چائے میں اتنا ہی دودھ پیتے ہیں۔'' آفاق حیدر بدستور شمائل کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا' شمائل نے اس کے لیے چائے بنا کر اس کے سامنے رکھ دی اور آفاق حیدر نے اس طرح اس پر جھپٹا مارا جیسے اگر دیر ہوئی تو شمائل چائے کی وہ پیالی اس سے واپس لے لے گی۔ پھر اس نے انتہائی کھولتی ہوئی چاء کے دو تین گھونٹ لیے اور شمائل ہنس کر بولی۔

''تو آپ کی یہ عادت آج تک نہیں گئی۔ عادتیں جاتی کہاں ہیں لیکن افسوس' کچھ لوگوں کو کچھ لوگوں کی عادت کے بارے میں علم نہیں ہوتا' مثلاً دیکھئے اب مجھے آپ کی عادت کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا کہ آپ کس طرح طوطا چشمی کرتے ہیں' ویسے آفاق صاحب یہ طوطا چشمی ہوتی بہت بری چیز ہے' ایسے مار دیتی ہے انسان کو کہ پھر وہ کہیں کا نہیں رہتا کیوں آفاق صاحب' چائے لیجئے چائے' آپ تو گرم گرم چائے کے عادی ہیں' یہ چائے کی پیالی پی لیں تو میں آپ کے لیے دوسری چائے بناؤں۔'' آفاق نے کئی گہری گہری سانسیں چھوڑیں پھر بولا۔

''مگر شائل آپ۔''

''جی نہیں اگر آپ مجھ سے یہ سوال کریں کہ میں جیل سے کیسے چھوٹی تو ظاہر ہے میں آپ کو اس کا جواب نہیں دوں گی۔ یہ بھی صرف آپ ہیں جس کے سامنے میں نے اعتراف کرلیا کہ میں وہی پرانی شائل ہوں۔''

''شائل' یہ سب کیا ہوا ہے' میرے ساتھ کیا ہو گیا ہے شائل۔؟''

''کیا ہوا' جو آپ نے کیا اس کا صلہ پایا' اپنا نے کاروبار شروع کیا تھا آپ نے' ہم سے قرضہ مانگا ہم نے قرضہ ادا کر دیا' آپ دیوالیہ ہو گئے' قرضے کی واپسی تو ضروری تھی' آپ پر مقدمہ قائم ہوتا تو آپ کو اتنی ہی جیل ہوتی جتنی ناکردہ گناہ... مجھے ہوئی تھی' آپ کا خیال ہے۔ یہ بات آپ کے علم میں آچکی ہے کہ راؤ بدرا... ۔وکیل توصیف اے شیخ۔ جج علی ضرغام تینوں میرے انتقام کا شکار ہو چکے ہیں۔ آ... ہے نا آپ کے علم میں یہ بات آفاق حیدر صاحب۔''

''ہاں ہاں شکیب نے بتائی تھی۔'' آفاق کے منہ سے بدستور اعصابی مریضوں جیسی آواز نکلی۔

''ایک بات کہوں آفاق یقین کرلو' میں نے یہ تو چاہا تھا کہ میری تم سے

شادی ہو جائے اور اس سلسلے میں ہر طرح سے تمہارے احکامات کی تعمیل کرتی رہی تھی' اپنے ضمیر کو داغدار کر کے سب کچھ کر کے' لیکن آفاق کیسے چھوڑ دیا تم نے مجھے' سب کچھ تو تمہاری نگاہوں کے سامنے تھا' یہ تو جانتے تھے تم کہ میں بہت زیادہ چالاک نہیں ہوں۔ چالاک ہوتی تو اپنی ماں کا انتقام لینے کے لیے ایک اتنے بڑے اور اتنے شاطر آدمی کے پاس تنہا نہ پہنچ جاتی۔ آفاق اس بات کو تو ہزاروں بار تم نے خود بھی کہا تھا کہ شائل بے شک تم ایک ذمے دار ملازمت پر ہو' لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں تم کسی وقت دھوکہ نہ کھا جاؤ۔ اپنے معاملے میں محتاط رہنا' چونکہ تم جس قدر ذہین سمجھتی ہو اپنے آپ کو اتنی ذہین ہو نہیں۔ کہا تھا آفاق یاد ہے۔''

''ہاں مجھے یاد ہے۔'' آفاق نے گردن ہلائی۔

''تو پھر تم نے کیوں نہیں سوچا کہ میری معصومیت مجھے کسی جال میں بھی پھنسا سکتی ہے اور آفاق میں نے تو تمہیں ہی اپنی ہر مشکل کا ساتھی سمجھا تھا' آفاق مجھ سے کوئی غلطی بھی تو ہو سکتی تھی' کیا یہ میرا حق نہیں تھا کہ تم میری غلطیوں کو سنبھالو' آفاق میں وہاں گئی تھی اور وہاں جانے کے بعد آفاق' راؤ بدرالدین نے میرے ساتھ بدتمیزی کی' میں اپنے آپ کو بہت زیادہ ذہین اور چالاک سمجھتے ہوئے اپنے ساتھ ایک چھری لے گئی تھی' راؤ بدرالدین نے جب میری عزت پر ہاتھ ڈالا تو میں نے وہ چھری استعمال کی لیکن اس طرح نہیں کہ وہ مر جائے' میرا تو کوئی تجربہ ہی نہیں تھا بس اس نے فائدہ اٹھایا' میں نے لاکھ اپنی بے گناہی پیش کی' کوئی سننے والا نہیں تھا۔ آفاق اس وقت میری نگاہیں صرف اور صرف تمہاری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ اور میرے ذہن میں صرف یہ بات تھی کہ آفاق موجود ہے وہ مجھے بچالے گا' کیسی آنکھیں پھاڑ کر میں نے تمہیں دیکھا ہے' آفاق میں نے تمہارا انتظار کیا ہے' اور پھر تمہیں نہ پانے کے بعد جو مایوسیاں میرے وجود میں اتریں' آہ اس سے پہلے کبھی کوئی کالی رات اس طرح آسمان

سے زمین تک نہیں پہنچی ہوگی‘ سچ کہہ رہی ہوں تمہیں‘ میں سچ بتا رہی ہوں تمہیں۔“

آفاق کی گردن جھکی ہوئی تھی‘ اس کے اندر سے آنسو امنڈ رہے تھے‘ لیکن وہ رونا نہیں چاہتا تھا‘ یہ تو اور بھی برائی ہوتی‘ کافی دیر تک وہ خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

”میری کوششوں سے‘ بالکل اسی طرح جیسے میری کوششوں سے تم قلاش ہوئے‘ تمہارا غرور ٹوٹا‘ تمہاری دولت تمہارے ہاتھ سے چلی گئی۔ آفاق بڑی محنت کی ہے میں نے اور بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا‘ راؤ بدرالدین کو چوہدری کرم داد نے مارا‘ میں نے ایسے حالات پیدا کیے‘ توصیف اے شیخ کو راؤ بدرالدین نے مارا‘ میں نے ان دونوں کے درمیان غلط فہمی پیدا کر دی تھی۔ علی ضرغام کو ملک دشمن قرار دلوانے کے لیے کارروائیاں کرائیں۔ یہ تینوں کام میں نے کیے اور علی ضرغام کو سزائے موت ہوگئی۔ میں نے اپنے تینوں دشمنوں کو جس طرح موت کی نیند سلایا تم اسے میرا کارنامہ کہو۔“

”اور میں۔“

”ظاہر ہے میرا چوتھا ٹارگٹ تم تھے‘ خیر میں تمہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بھلا مجھے کیا ضرورت پڑی تھی۔ ہاں لیکن میں چاہتی تھی کہ تم ان بلندیوں سے اتر کر اتنی پستیوں میں آجاؤ کہ زندگی تمہیں خود مشکل لگنے لگے‘ اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ آنے والے وقت میں اگر تم اپنا مقام نہ پا سکو تو خودکشی کر لو اور اگر تم خودکشی کرو گے تو یقین کرو مجھے افسوس نہیں ہوگا‘ کیونکہ تمہاری وجہ سے میں نے نجانے کتنی بار خودکشی کی ہے ہاں آفاق میں نے میں نے ____“

”ٹھیک ____ اچھا ایک بات بتاؤ‘ مجھے تباہ کرنے کے لیے تم نے کیا کیا گر استعمال کیے۔“

”تمہیں بتاؤں‘ ارے واہ‘ راؤ بدرالدین‘ توصیف اے شیخ‘ علی ضرغام

تو مر چکے ہیں۔ ایک زندہ آدمی کو میں اپنی کارروائیوں کے بارے میں کیسے بتاؤں۔؟“

”اچھا صرف اتنا ہی بتا دو کہ وہ آدمی شکیب تمہارا آدمی تھا۔؟“

”پاگل ہوئے ہو‘ جو وقت میں نے گزارا ہے آفاق حیدر اسے گزارنے کے بعد میں بیوقوف نہیں رہی‘ سمجھ رہے ہو‘ جو بات میرے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے وہ میری زبان سے کبھی نہیں نکلے گی‘ تم تباہ و برباد ہوئے میری طرف سے اس کی مبارکباد قبول کرو‘ ہو سکتا ہے آنے والے وقت میں جب مشکلات اور صعوبتیں تمہارا پیچھا کریں اور تم موت سے خوفزدہ ہو کر بھاگتے پھرو تو تمہارے اندر یہ احساس جاگے کہ تم نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے‘ برا کیا ہے تم نے میرے ساتھ آفاق‘ بہت برا کیا ہے تم نے۔“

”مجھے معاف کر دو گی۔“

”شرم نہیں آتی یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے آفاق‘ اپنے بدترین دشمنوں کو معاف کرنا حماقت ہے‘ جو کچھ میں نے کیا ہے میں اتنی بری نہیں تھی‘ جیل میں مجھے عالیہ بیگم ملیں‘ جنہوں نے مجھے سمجھایا اور کہا کہ دیکھو اپنے دشمنوں سے ہمیشہ ہوشیار رہو‘ اگر تم نے انہیں معاف کر دیا تو وہ تمہیں معاف نہیں کریں گے اور آفاق تم ایسا کر چکے ہو‘ تم نے مجھے معاف کیا اس وقت جب میں بے سہارا ہوگئی تھی‘ مجھے تمہاری ضرورت تھی‘ کیا تم نے میری خبرگیری کی‘ مجھے اپنی فہرست سے نکال پھینکا‘ یہ بھی نہ سوچا کہ کہ ____ اور اس کے بعد آرام سے شادی رچا کر بیٹھ گئے ____ ابھی شمائل کے منہ سے اتنے ہی الفاظ نکلے تھے کہ نبیل آفس کے کمرے سے اندر داخل ہوا‘ اسے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بلایا گیا تھا‘ اصل میں شمائل آفاق کو اتنے کچوکے لگانا چاہتی تھی کہ وہ شدت درد سے پاگل ہو جائے‘ کسی کو اطلاع دیئے بغیر اندر آتے ہوئے آفاق حیدر نے پلٹ کر دیکھا اور اس کے بعد دیکھتا ہی رہ گیا‘ نبیل سو فیصدی

آفاق کی صورت تھا۔ایک انتہائی خوبصورت لباس میں وہ چاند کا ٹکڑا نظر آ رہا تھا۔ مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا اور شمائل کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی' نبیل کو اس نے قریب بلا کر اپنے پاس کرسی کے ہتھے پر بٹھا لیا' آفاق کا سر چکرا رہا تھا اس نے بڑی مشکل سے کہا۔

''شمائل یہ یہ ______''

''ہاں یہ میرا بیٹا نبیل ہے وہی جس کے بارے میں تمہیں اطلاع دی تھی میں نے' دیکھو' ہے نا ہو بہو تمہاری تصویر' تم یقین کرو آفاق' میں نے اس کے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہیں کیا صرف اس بنیاد پر کہ یہ تمہارا ہمشکل ہے' تمہارے بارے میں یہ بات میں جانتی ہوں کہ تم بے اولاد ہو واہ اچھا ہی ہے' تم جیسے آدمی کی اولاد بھی بس روتی پیٹتی ہی رہتی' بہر حال گوریچہ خاندان کی تباہی و بربادی پر میری طرف سے مبارکباد قبول کرو' میرے لائق اور کوئی خدمت۔ بہت سے کام کرنے ہیں مجھے۔''

''شمائل' کیا میں دوبارہ تم سے ملاقات کر سکتا ہوں' کیا میں اس بچے کو'

''نبیل جاؤ باہر جاؤ۔'' نبیل باہر نکل گیا تھا۔

''ہاں اب کہو' بچے کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔؟''

''نن ____ نہیں' مم ____ میں میں ____ اپنے بیٹے سے ____''

''دنیا ہنسے گی تم پر آفاق' دنیا ہنسے گی' اور جہاں تک میرا تعلق ہے میری طرف سے بے فکر رہو' میں نے بہت کچھ کر لیا ہے اپنے لیے' اب ایسا کرو جاؤ' مجھے دوسرے کام کرنے ہیں اور اس کے بعد میں تم سے دوبارہ کبھی نہیں ملوں گی' خدا حافظ' چپراسی۔'' شمائل نے چپراسی کو آواز دی۔

''صاحب کو احترام کے ساتھ باہر چھوڑ آؤ۔''

''چلیے جناب۔''

حقیقتاً اس وقت آفاق حیدر چپراسی کے سہارے ہی باہر گیا تھا' دیکھنے والے اس کے لڑکھڑاتے قدموں کو دیکھتے رہے تھے۔

سلطان ہمیشہ سرپرائز دیتا تھا' اس وقت بھی رات کے تین بجے تھے' وہ اچانک ہی گھر پہنچا تھا' شمائل گہری نیند سو رہی تھی' وہ اطمینان سے لباس وغیرہ تبدیل کر کے شمائل کے برابر لیٹ کر سو گیا' اور دوسری صبح شمائل کے لیے انتہائی حیران کن تھی' سلطان کو دیکھ کر وہ بے حد خوش ہوئی تھی' آج کل اس کی نیندیں بڑی پرسکون تھیں' اپنے تمام اہم کام نمٹا چکی تھی وہ' بہت بڑی بات ہوتی ہے کسی کو اس طرح کامیابی حاصل ہو جانا' بہر حال وہ جلدی سے اٹھ گئی' اس نے سلطان کی پیشانی چومی اور سیدھی ہو ہی رہی تھی کہ سلطان کے ہاتھ اس کی گردن میں حمائل ہو گئے۔

''بس ____ یہ تو دل نہ بھرنے والی بات ہے۔''

''آ گئے تم سلطان آ گئے۔''

''بیٹھو یار' ہم آ گئے اور تم جا رہی ہو۔''

''بالکل نہیں۔'' وہ سلطان کے برابر ہی مسہری پر بیٹھ گئی' پھر بولی۔

''ویسے واقعی میں بڑی گہری نیند سو رہی تھی' مجھے تمہاری آمد کا پتہ بھی نہیں چلا اور تم تم سو کیوں گئے تھے مجھے جگا کیوں نہ لیا' کیا ابھی ابھی آئے ہو؟''

''جی نہیں میڈم رات کو تین بجے' میرا خیال ہے آپ کے تمام گھوڑے بک چکے ہیں' اسی لیے آپ اتنی آرام کی نیند سو رہی تھیں۔'' شمائل کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے عجیب سے تاثرات پیدا ہوئے' وہ کسی سوچ میں ڈوبی رہی پھر اس نے کہا۔

''ہاں سلطان میرے تمام گھوڑے بک گئے ہیں۔''

''ویری گڈ مبارکباد پیش کریں' گھوڑوں کی سوداگر۔؟''

’’ہونا تو یہی چاہیے سلطان ہونا تو یہی چاہیے۔‘‘

’’محترمہ‘ یہ کیسی اکھڑی اکھڑی سی باتیں کر رہی ہیں آپ‘ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔‘‘

’’سلطان صبر نہیں ہو رہا مجھ سے‘ صبر نہیں ہو رہا‘ کچھ بتانا چاہتی ہوں تمہیں‘ جو آج تک میں نے اپنے بارے میں تمہیں نہیں بتایا۔ سلطان میں نے بے ایمانی نہیں کی‘ میں نے تمہاری محبت سے کبھی غفلت نہیں کی‘ سلطان اس وقت تک مجھے تم سے کوئی محبت نہیں ہوئی تھی جب تم مجھے جیل سے نکال کر لائے تھے‘ نہ ہی سلطان میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ تم مجھے اس طرح اپنی زندگی میں شامل کر لو لیکن تم بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے‘ سلطان تھوڑا بہت تو تمہیں میرے بارے میں معلوم ہو ہی چکا ہوگا‘ ظاہر ہے بات جیل سے نکالتے ہوئے جیلر نے تمہیں میرے بارے میں تفصیل بتائی ہی ہوگی‘ لیکن مکمل تفصیل نہیں‘ وہ میں تمہیں آج بتا رہی ہوں‘ میں فیصل آباد کی رہنے والی ہوں اور نصیب کا ایک ایسا کھیل کھیل چکی ہوں جو کم ہی عورتیں کھیلتی ہیں‘ اور نصیب کے اسی کھیل نے مجھے جیل کی چہار دیواری تک پہنچا دیا‘ بات مختصر نہیں ہے‘ بہت بڑی ہے۔ کہتے ہوئے جھجک ہو رہی ہے لیکن سلطان نہایت شرم کے ساتھ کہہ رہی ہوں کہ اب تک میں تم سے مخلص نہیں ہوئی تھی۔ اگر میں مخلص ہوتی تو تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بہت پہلے بتا دیتی۔ میں نے چھپایا سلطان‘ لیکن ایک بات پر اگر تم یقین کر سکتے ہو تو کر لو کہ میں تمہیں اپنے بارے میں تفصیل سے سب کچھ ضرور بتا دیتی‘ لیکن مجھے اس وقت کا انتظار تھا جو اب آ چکا ہے میں نے اپنے تمام دشمنوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے‘ بات کا آغاز وہاں سے ہوا تھا سلطان جب ایک شخص میری زندگی میں اس وقت داخل ہوا جب میں ملازمت کر رہی تھی اور ایک اچھے مستقبل کی خواہش مند تھی۔ سلطان میں اپنا سب کچھ اس پر نچھاور کر دیا‘ صرف اس تصور کے ساتھ کہ جس طرح

بھی بن پڑے میں اس بہت بڑے خاندان میں شامل ہو جاؤں۔ سلطان اس طرح میں اپنی عزت بھی گنوا بیٹھی‘ پھر میرے ساتھ ایک حادثہ ہوا۔‘‘ شمائل اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگی۔ جیل پہنچنے تک کی کہانی اس نے سلطان کو سنائی اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں‘ وہ سلطان سے نگاہیں نہیں ملا پا رہی تھی‘ اس کی آواز میں آنسو گندھے ہوئے تھے‘ اس کے رخسار آنسوؤں سے تر تھے‘ پھر اس نے ایک سسکی لے کر کہا۔

’’اور سلطان‘ نبیل وہی لڑکا ہے‘ سلطان وہ‘ وہ‘ وہ ______‘‘

سلطان بدستور اسے دیکھ رہا تھا‘ شمائل نے نگاہیں اٹھائیں تو اسے ایک عجیب منظر نظر آیا‘ سلطان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ حیران رہ گئی۔

’’میری کالی کہانی سن کر بھی تم مسکرا رہے ہو سلطان‘ کتنا بڑا دھوکہ دیا ہے میں نے تمہیں۔؟‘‘

’’محترمہ‘ اپنے آپ کو آسمانی مخلوق نہ سمجھیں‘ آپ کا کیا خیال تھا‘ دو دو عہدے سنبھالے ہوئے ہوں‘ کیا اتنا ہی بیوقوف آدمی ہوں میں‘ جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے‘ آپ ایمانداری سے میری بات سنیئے‘ نازیہ میرا انتخاب نہیں تھی‘ سب یوں کہیئے کہ وقت نے مجھے اس سے منسلک کر دیا‘ وہ مجھے کبھی ذہنی سکون نہ دے سکی‘ فطری طور پر میں ایک شریف آدمی ہوں‘ میں نے نازیہ کے ساتھ نباہ کیا‘ وہ بانجھ بھی تھی اور خود ہی اولاد اولاد کا رونا روتی رہتی تھی۔ پھر اسی کے ایماء پر میں نے وہ کھیل کھیلا‘ لیکن وہ کھیل میری زندگی کا سب سے اعلیٰ کھیل بن گیا۔ تم مجھے مل گئیں‘ میں نے تمہیں پرکھا‘ پرکھنے کے بعد مجھے اس بات کا بھرپور طریقے سے اندازہ ہو گیا کہ تم سر سے پاؤں تک ایک مظلوم لڑکی ہو‘ پھر جب میں نے تمہیں اپنی بیوی بنا لیا تو میں نے سوچا کہ تم پر سے مظلومیت کا یہ لبادہ ختم کر دینا چاہیے‘ تمہیں موقع دینا چاہیے کہ تم اپنے دل کی بھڑاس نکال لو اور میڈم‘ میں نے شکیب کو تمہارے پاس بھیجا جس نے تمہیں اپنے

متعلق ایک جھوٹی کہانی سنائی‘ شکیب میرا اسسٹنٹ ہے‘ میرا خاص ملازم‘ اور اس کے بعد کی کہانی کا تو آپ کو علم ہی ہوگا‘ راؤ بدرالدین‘ توصیف اے شیخ اور علی ضرغام‘ یہ سب میرے منصوبے کے تحت ختم ہوئے‘ جی محترمہ شکیب کو وہ منصوبے میں نے ہی دیئے تھے‘ اور اس کے بعد آخری منصوبہ سمجھ رہی ہیں نا آپ‘ آفاق حیدر کی تباہی‘ یہ تمام صورت حال مجھے بھی آپ کے گوش گزار کرنا تھی‘ اگر آپ نے مجھے اپنے بارے میں تفصیل نہیں بتائی اور اس لیے چھپایا کہ آپ یہ کام کرلیں تو بتائیں تو میں نے بھی آپ سے یہ بات چھپائی کہ شکیب کو میں نے آپ کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ آپ کی مدد کرے‘ اور محترمہ سارے منصوبے میرے ہی تھے‘ دیجیے داد اور پلایئے ایک گرما گرم چائے کی پیالی‘ یار میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہارا شوہر ہوں‘ اور اچھا شوہر بیوی کو سب کچھ دیتا ہے سب کچھ۔‘‘ شمائل پتھرا گئی تھی‘ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سلطان کو دیکھ رہی تھی‘ پھر اس نے کہا۔

’’گناہ ہوجائے گا سلطان‘ گناہ ہوجائے گا‘ ورنہ سچ مچ تمہارے قدموں میں سجدہ کرلیتی۔‘‘

◇ ◇ ◇